راہ نجات

مؤلف

جناح مبارک بن عقیل بن ماضی

مترجم:

مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی

راہِ نجات

تالیف الداعی الی اللہ

جناح مُبارک بِن عقیلؒ بِن ماضیؒ

عربی سے ترجمہ

ڈاکٹر مَولانا محمّد صدرُالحسن ندوی مدنی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام	:	راہِ نجات
مصنف	:	جناح مبارک بن عقیل بن ماضی
مترجم:	:	مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی
ناشر	:	جناح مبارک بن عقیل بن ماضی
کمپوزنگ	:	الدعوۃ کمپیوٹر
کمپوزیٹر	:	عبدالغفار بیتی نایگانوی، منیر احمد خان کاشفی
سال اشاعت	:	فروری ۲۰۰۲ء ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایکہزار)
قیمت	:	۷۵/روپے
طباعت	:	ایشین کمپیوٹر اینڈ پرنٹرس (ساجد کاتب) اورنگ آباد
زیر اہتمام	:	معہد الدراسات الاسلامیۃ اورنگ آباد

♦ ملنے کا پتہ ♦

جناح مبارک بن عقیل بن ماضی

مبارک محل (ماربل بلڈنگ) جسونت پورہ، سینٹرل ناکہ روڈ،

اورنگ آباد۔۴۳۱۰۰۱۔مہاراشٹر (الہند)

فہرست

پیش لفظ	جناح مبارک بن عقیل بن ماضی	۱۰
عرض مترجم	مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی	۱۳
پہلا باب	**موت اور مردوں کی حقیقت**	۱۵
پہلی فصل:	موت کے بعد عذاب اور آسائش کی حقیقت۔	۱۶
دوسری فصل:	دنیا میں موت کا مفہوم اور اس کی حقیقت اور برزخ میں زندگی کا مفہوم اور اس کی حقیقت۔	۱۹
تیسری فصل:	موت سے پہلے اور موت کے بعد جسم اور روح کے اندر نعمت اور عذاب کے محسوس کرنے کا مفہوم اور اس کی حقیقت۔	۲۵
چوتھی فصل:	مردہ اور سوئے ہوئے انسان کے اندر وقت کے احساس کی حقیقت۔	۳۴
پانچویں فصل:	زندہ، مردہ اور مومنوں اور کافروں کے سننے کا مفہوم اور اس کی حقیقت۔	۳۹
دوسرا باب	**انداد اور ارباب**	۵۲
پہلی فصل:	انداد۔	۵۳
	(۱) اللہ کا ندّ (مدّ مقابل) بنانے کی ممانعت۔	۵۳
	(۲) انسانی انداد کی قسمیں۔	۵۹

(أ) وہ شرکاء جن کی لوگوں نے ان کے علم ۵۹
واطلاع اور حکم کے بغیر عبادت کی۔
(ب) جن لوگوں نے انسانوں کو اپنے ۶۶
مکروفریب اور کارستانیوں کا ذریعہ
گمراہ کیا۔
دوسری فصل: ارباب ۷۲
(۱) احبار اور رہبان اور ان جیسے صفات کے ۷۲
حامل افراد کو اللہ کے علاوہ ارباب بنانے کی
ممانعت۔
(۲) انبیائے کرام اور فرشتوں کو ارباب اور ۷۹
معبود بنانے کی ممانعت۔
(۳) مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ۸۷
مشترک عقیدہ کہ اللہ کو چھوڑ کر انسان کو معبود
اور اللہ کا شریک نہ بنایا جائے۔
(۴) عیسائیوں کے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ۹۴
اور بعض مسلمانوں کے اولیاء صالحین کے
ساتھ معاملہ میں مشابہت۔
(أ) حضرت عیسیٰؑ کے سلسلے میں عیسائیوں کا ۹۶
غلو۔
پہلا مرحلہ: حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ۹۶

اور نشوونما۔
دوسرا مرحلہ: حضرت عیسیٰؑ بحیثیت رسول۔ ۹۹
تیسرا مرحلہ: حضرت عیسیٰؑ، اپنے سلسلے میں اپنے متبعین کے غلو کے بعد اللہ کے سامنے۔ ۱۰۴
(ب) اولیاء صالحین کے بارے میں مسلمانوں کا غلو۔ ۱۱۶

تیسرا باب **کافروں اور مسلمانوں میں فرق کرنے والے امور** ۱۴۳

پہلی فصل: وہ چار اصول جن کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور جن کا علم ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ۱۴۵
دوسری فصل: لوگوں کی مسلمان اور کافر کے لحاظ سے درجہ بندی اور فریق مخالف کے دلائل کی تردید۔ ۱۵۱
(۱) پہلا شبہ۔ ۱۵۶
(۲) دوسرا شبہ۔ ۱۶۱
تیسری فصل: واسطہ اور الٰہ۔ ۱۶۵
چوتھی فصل: وکیل، حفیظ اور وکیل حق پر توکل۔ ۱۶۹
(۱) وکیل۔ ۱۶۹
(۲) حفیظ۔ ۱۷۸
(۳) وکیل حق پر توکل۔ ۱۸۰
پانچویں فصل: شفاعت اور فریق مخالف کے دلائل اور شرک کی تمام صورتوں کی نفی۔ ۱۸۵

(۱)وہ شفاعت جس کو اللہ نے باطل قرار دیا ہے۔ ۱۸۶
(۲)وہ شفاعت جس کو اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ ۱۸۸
(أ)فریق مخالف کا پہلا شبہ۔ ۱۹۱
(ب)فریق مخالف کا دوسرا شبہ۔ ۱۹۲
شرک کی تمام صورتوں کی نفی۔ ۱۹۳
چھٹی فصل: معجزات، آیات اور کرامات۔ ۱۹۶

چوتھا باب **ولی اور ولایت** ۲۰۹

پہلی فصل: ولی، ولایت اور لفظِ ولی کے معانی۔ ۲۱۰
(أ)ولایت کی نسبت جب انسانوں کی طرف ہو۔ ۲۱۰
(ب)بندے کی ولایت کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو۔ ۲۱۵
(ج)اللہ کی ولایت کی نسبت جب بندوں کی طرف ہو۔ ۲۲۱
دوسری فصل: مومن اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہیں بناتا ہے۔ ۲۲۸
تیسری فصل: مومن اللہ کے علاوہ دوسرے ولی کی پیروی نہیں کرتا ہے۔ ۲۴۲
چوتھی فصل: مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا اللہ کے علاوہ کوئی ولی اور شفیع نہیں ہے۔ ۲۴۶
پانچویں فصل: اولیاء کے بارے میں فریق مخالف کی دلیل خود ان ہی کے خلاف حجت ہے۔ ۲۴۹
(أ)اللہ کے اولیاء کون ہیں؟ ۲۴۹

(ب) اولیاء اللہ کے دو طبقے ہیں۔ ۲۵۱
(ج) دونوں طبقے کے اولیاء، اللہ کا تقرب کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ ۲۵۶

پانچواں باب **وسیلہ** ۲۶۸

پہلی فصل: وسیلہ اور توسل کی حقیقت۔ ۲۶۹
(أ) وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کی تشریح۔ ۲۷۱
(ب) وَابْتَغُوْا اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ کی تشریح۔ ۲۷۱

دوسری فصل: مشروع وسیلہ اور اس کی قسمیں۔ ۲۸۰
(أ) اللہ کی ذات اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کا وسیلہ۔ ۲۸۰
(ب) اپنے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ۔ ۲۸۳
(ج) نیک شخص کی دعاء کا وسیلہ۔ ۲۸۸

تیسری فصل: حضور اکرم ﷺ کی ذات کا وسیلہ اور اس کی حقیقت۔ ۲۹۳

چوتھی فصل: فریقِ مخالف کا غیر مشروع وسیلہ اور اس کے دلائل۔ ۳۰۳
(۱) حدیثِ استسقاءِ عمر۔ ۳۰۳
(۲) حدیثِ ضریر (نابینا) ۳۱۶
(۳) حضور اکرم ﷺ کی قبر سے آسمان تک جھروکہ کھولنے والی روایت۔ ۳۱۹

(۴) غریب پریشان حال مسلمانوں کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے والی حدیث۔ ۳۲۲
(۵) اللہ پر سائلین کے حق اور نمازیوں کے چلنے کے حق والی حدیث۔ ۳۲۳
(۶) وہ حدیث جس میں حضرت آدمؑ سے چوک ہونے کا ذکر ہے۔ ۳۲۵
(۷) وہ حدیث میں جس میں ذکر ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو میری جاہ کے وسیلہ سے سوال کرو۔ ۳۳۵

چھٹا باب **انبیائے کرام کی بشریت اوران کی رسالت کے مراحل اور نفع ونقصان اور علم غیب۔** ۳۴۱

پہلی فصل: انبیائے کرام کی بشریت اوران کی رسالت کے مراحل۔ ۳۴۲
(أ) پہلا مرحلہ: انبیاء کرام کی بشریت کی بناء پران کی رسالت کا انکار۔ ۳۴۲
(ب) دوسرا مرحلہ: رسول کی دعوت اوران کے فرائض منصبی کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد ان پر اوران کی رسالت پرایمان اوران کی اقتداء۔ ۳۴۷
(ج) تیسرا مرحلہ: ایمان اوراتباع کے بعدبعض متبعین کا انبیاء کرام اور صالحین کے بارے میں اور یہ عقیدہ کہ انبیاء کرام اور صالحین اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کے وکیل ہوتے ہیں۔ ۳۵۳

دوسری فصل: نفع ونقصان اور علمِ غیب۔ ۳۵۹
(۱) پہلی دلیل: قُلْ لَا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ.... ۳۵۹
۲) دوسری دلیل: قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ.... ۳۷۳
غیب (جس پر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ انبیاء کرام کو مطلع فرماتا ہے) اور اس کے تین موانع۔ ۳۸۱
(أ) مکانی رکاوٹ۔ ۳۸۲
(۲) زمانی رکاوٹ (گذشتہ)۔ ۳۸۴
(۳) زمانی رکاوٹ (مستقبل)۔ ۳۸۷
تیسری فصل: نفع ونقصان اور ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے رسولوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ۳۹۴
اس کی مثالیں۔
(۱) پہلی مثال: حضرت نوحؑ اور ان کا لڑکا۔ ۳۹۴
(۲) دوسری مثال: حضرت ابراہیمؑ اور ان کے والد۔ ۳۹۹
(۳) تیسری مثال: حضور اکرم ﷺ اور آپ کے چچا۔ ۴۰۶

فہرست مراجع ۴۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

الحمد للّٰہ وَالصَّلٰوۃ وَالسلام علی رسول اللّٰہ ومن والاہ اما بعد!

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔ میں اس خدا کی تعریف ایک بندے کی حیثیت سے اس اعتقاد و ایقان کے ساتھ کرتا ہوں کہ صرف خدا ہی اپنے قلمرو کا مالک ہے، اور اُس قلمرو میں معاملات کی دیکھ بھال صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں پر نظرِ ثانی کرنے والا نہیں ہے۔ اور نہ اس کے فضل و کرم کو کوئی پھیرنے والا ہے نہ اس کے فیصلوں کو کوئی ٹالنے والا ہے۔ اور نہ اس کی رحمت کو کوئی روکنے والا ہے۔ اس کے ہاں نہ بات پلٹتی ہے اور نہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی کسی چیز پر کسی کو کسی طرح کی ملکیت حاصل ہے۔ اور درود و سلام ہو محمد ﷺ پر جو انبیاء اور رسولوں کے سردار ہیں۔ اور سلامتی ہو آپ کے تمام آل و اصحاب پر۔ اور میرا ایمان کامل ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سوا کوئی اسوہ اور نمونہ نہیں ہے۔ اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے سوا کوئی مشعلِ راہ نہیں ہے اور خلفائے راشدین اور آپ کے ستودہ صفات صحابۂ کرام کے فضل اور ان کی امانت کے ہم بصمیم قلب معترف ہیں۔ اور ان کی صداقت و امامت کی شہادت دیتے ہیں۔ اور حضور اکرم ﷺ کے ارشاد و حکم کی تعمیل میں ان کا اتباع اور ان کے نقوش راہ کی پیروی کرتے ہیں اور ہم ہر حال میں قرآن و حدیث کے نصوص کے ساتھ ہیں

اور جو شخص بھی قرآن وحدیث کی بات کہے اس کا اتباع کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہیں۔ اور اس اتباع کی راہ میں ہمارے لئے نہ ملامت گروں کی ملامت سدِ راہ ہے اور نہ کج روؤں، اور گمراہوں کی خرمستی وفتنہ گری، یہی میرے مکتبۂ فکر (School of thought) کی بنیاد ہے، اور یہی میرا مسلک ہے جس کی طرف انتساب میرے لئے باعث فخر ہے اور اگر کوئی شخص کسی اور مکتبۂ فکر کی طرف میری نسبت کرتا ہے تو وہ میرے سلسلہ میں من گھڑت بات کرتا ہے، اور قیامت کے دن دربارِ الٰہی میں، میں اس کے خلاف فریادی بنوں گا۔

مقامِ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کی تالیف کی توفیق عطا فرمائی کیوں کہ آج کے حالات میں مسلمانوں کو اس قسم کی کتاب کی سخت ضرورت تھی۔ جن کے ذریعہ وہ اپنے دین کی بنیادوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں، اپنے عقائد کو درست کرسکیں، اور قرآن وسنت کے چشمۂ شفاف سے اپنی تشنہ کامی دور کرسکیں۔ اس لئے کہ اس زمانے میں برزخ، ولی، ولایت، شفیع، شفاعت، وکیل، وکالت اور وسیلے کے سلسلے میں لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اور ان کے ذہنوں میں ان کا واضح مفہوم نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کی وجہ سے ضلالت وگمراہی کے اتھاہ گھڑے میں جا چکے ہیں۔ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ وسیلہ جو تقربِ خداوندی کا ذریعہ ہے وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کی عبادت اور پرستش سے عبارت ہے۔ اس ناسمجھی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ لوگ اللہ سے ان کی ذات کے واسطے سے مانگنے لگے ہیں اور انکی شخصیت کے وسیلے سے اللہ کی طرف متوجہ ہونے لگے ہیں، اور ان کے حق کے واسطے سے اللہ پر قسمیں کھانے لگے ہیں، اس طرح شیطان نے ان کو اللہ کی بارگاہ میں نامقبول اعمال کا دلدادہ بنادیا۔ ان اعمال کو ان کی نظروں میں کُھبا دیا اور ان کے دلوں میں ان کی عظمت بٹھادی، اور شیطان نے ان کو یہ باور کرایا کہ وہ اللہ تک رسائی کا ذریعہ ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ امور خرافات کا مجموعہ ہیں۔ اللہ سے دوری کا سبب

ہیں اور اللہ کے غیظ وغضب اور ناراضگی کا پیش خیمہ ہیں، اس لئے کہ اللہ نے نہ ان کا حکم دیا ہے نہ ان کی دعوت دی ہے اور نہ ان کی ترغیب دی ہے۔

انہی مسائل کو ہم نے اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور حتی الامکان گنجلک تعبیر سے پرہیز کیا ہے اور قارئین کرام کی مزید آسانی کی خاطر سوال وجواب کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اور جو بات بھی کہی گئی ہے قرآن وسنت سے ثابت یا مستنبط ہے اور اس کتاب کی تالیف میں جس حد تک میں نے جدوجہد کی ہے اس پر اللہ سے ثواب کا امیدوار ہوں۔ اور اس کی جناب میں کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کے سلسلہ میں معافی کا خواستگار ہوں، اور دست بہ دعا ہوں کہ اے اللہ میرے اس عمل کو شرفِ قبولیت عطا فرما، اور قیامت کے دن اس کو میری حسنات کی میزان کا متاعِ گراں بار ومتاعِ گراں مایہ بنا اور توفیق وثبات کی دولت سے مالا مال فرما۔

میں مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی کا مشکور ہوں کہ میری اس عربی تالیف کو انہوں نے اردو کا جامہ پہنانے کی میری درخواست قبول کی اور بحسن وخوبی اس مرحلہ سے سبکدوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو اس کی بہترین اجر عطا فرمائے۔

ھٰذا وباللّٰہ التوفیق والسداد

مؤلف

جناح مبارک بن عقیل بن ماضی

۱۶ر شوال المکرّم ۱۴۲۲ھ

یکم جنوری ۲۰۰۲ء

عرضِ مُترجِم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ محمد بن عبداللّٰہ الامین وعلیٰ اٰلِہٖ وصحبہٖ اجعمین، ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین. امابعد!

پیش نظر کتاب داعی الی اللہ، صحیح الفکر، صحیح العقیدہ اور امت مسلمہ کی دینی، علمی، فکری اور اخلاقی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے متمنی اور متلاشی باغیرت اور باحمّیت عربی نژاد امت محمدیہ کے ایک فرد کی تالیف ہے۔ان کی تالیف کردہ کتاب کی زبان اصلاً عربی ہے اس لئے کہ اردو کے مقابلہ میں مصنف کو عربی زبان پر زیادہ دسترس حاصل ہے اور وہ عربی میں سوچنے، لکھنے اور بولنے پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ کتاب بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہے۔سوال وجواب کے اسلوب اور بعض دفعہ تکرار کے ذریعہ قارئین کے لئے مضامین کتاب کو نہایت آسان اور قابلِ فہم بنادیا گیا ہے۔کتاب کی سطر سطر سے امتِ مرحومہ کے ہر ہر فرد کے تئیں نفرت کے بجائے مصنف کے نہاں خانۂ دل میں پنہاں جذبۂ خیر خواہی ودردمندی آشکارا ہے۔

میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں اور بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں کہ اس اہم کتاب کے عربی سے اردو میں ترجمہ کی سعادت میرے نصیبہ میں آئی ہے ۔ ع

کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

یہ کتاب اہم اس لئے ہے کہ اس میں اول تا آخر ایسے مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں جن کا تعلق ہمارے ایمان اور عقیدہ سے ہے اور جن کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔اور جن سے ہمارا دن رات کا واسطہ ہے اور ہم اپنی کم علمی یا کتاب وسنت سے دوری اور

لاعلمی کے سبب ان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ کتاب کا اسلوب حکیمانہ اور ناصحانہ ہے اور اگر کہیں تلخی آ گئی ہے تو وہ شدّت احساس کا نتیجہ ہے۔ جو بات بھی کہی گئی اور جو نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے اس کی دلیل قرآن وحدیث سے پیش کردی گئی ہے۔ اور یہی اس کتاب کا امتیازی پہلو ہے۔ میں اس کتاب کی تالیف پر لائق مصنف جناب جناح مبارک بن عقیل بن ماضی حفظہ اللہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ابن مبارک کو یہ کتاب مبارک ہو، اس توقع کے ساتھ کہ انشاءاللہ آئندہ بھی یہ علمی سفر جاری رہے گا۔ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مصنف اور مترجم دونوں کی کوششوں کو قبول اور بارآور فرمائے، جن عظیم مقاصد کے حصول کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی اور پھر ترجمہ کے بعد زیورِ طبع سے آراستہ کی گئی ان میں کامیابی نصیب فرمائے، اس کاوش کو دنیا وآخرت میں کامیابی اور سرخروئی کا ذریعہ بنائے، اور قبولیت عامہ سے نوازے۔ ربَّنا تقبَّلْ مِنّا اِنَّک اَنتَ السّمِیعُ العَلیم وَتُبْ عَلینَا اِنَّک اَنْتَ التَّوابُ الرَّحِیم. رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْاَخْطَانَا.

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الحمد للّٰہِ ربِّ العَالَمِیْن، وَ صَلَّ اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

مترجم

(مولانا ڈاکٹر) **محمد صدر الحسن ندوی مدنی**

جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم جامع مسجد

پوسٹ بکس ۹۱، اورنگ آباد مہاراشٹر

۲۰ رشوال المکرّم ۱۴۲۲ھ

۵ رجنوری ۲۰۰۲ء

بروز ہفتہ

پہلا باب

موت اور مُردوں کی حقیقت اور اس کا مفہوم

اولیاء اور صالحین۔ جبکہ وہ اپنی قبروں میں مدفون ہیں۔ کے موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کے احوال اور ان کی بے بسی پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں تحلیل و تجزیہ کریں۔ تاکہ ایسے لوگوں سے نہ مانگیں اور نہ ان کو پکاریں۔

ان حقائق کی تفہیم اور تشریح کے لیے ہم سوال و جواب کا اسلوب اپنائیں گے اور قرآن و سنت سے دلائل پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس باب کے تحت پانچ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل : موت کے بعد عذاب اور اس کی حقیقت۔

دوسری فصل : دنیا میں موت کا مفہوم اور اس کی حقیقت اور برزخ میں زندگی کا مفہوم اور اس کی حقیقت۔

تیسری فصل : موت سے پہلے اور موت کے بعد جسم اور روح کے اندر نعمت اور عذاب کے محسوس کرنے کا مفہوم اور اسکی حقیقت۔

چوتھی فصل : مردہ اور سوئے ہوئے انسان کے اندر وقت کے احساس کی حقیقت۔

پانچویں فصل : زندہ، مردہ اور مومنوں اور کافروں کے سننے کا مفہوم اور اس کی حقیقت۔

پہلی فصل

موت کے بعد عذاب اور آسائش کی حقیقت

سوال نمبر (۱) موت کے بعد عذاب اور آسائش کے حق ہونے کے دلائل کیا ہیں؟

جواب: اس کے بہت سے دلائل ہیں جن میں سے بعض دلائل ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱) پہلی دلیل:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَحَاقَ بِالِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ. النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ.

(سورہ غافر: ۴۵-۴۶)

اور فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب الٹ پڑا آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔

(۲) دوسری دلیل:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ.

(سورہ انعام: ۹۳)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔

(۳) تیسری دلیل:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (سورہ توبہ:۱۰۱)

ہم ان کو دہری سزا دیں گے، پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

(۴) چوتھی دلیل:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سورہ طور:۴۷)

بیشک ظالموں کے لئے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں لیکن ان لوگوں میں اکثر بے علم ہیں۔

ان آیات میں عذاب قبر کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے ظالم اور کافر اس حال میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں کہ ان پر دنیا میں کوئی عذاب نازل نہیں ہوتا تو اس آیت کی رو سے وہ جہنم کے عذاب سے کم درجہ کے عذاب سے دوچار ہوں گے اور وہ عذاب قبر کا ہے۔

(۵) پانچویں دلیل:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ.

(سورہ سجدۃ:۲۱)

یقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔

درج بالا آیت میں عذاب قبر کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے من العذاب الأدنی فرمایا ہے العذاب الادنی نہیں فرمایا ہے۔ تو یہ بات ثابت ہوئی کہ عذاب ادنی سے کچھ عذاب باقی رہ گیا ہے اور وہ بقیہ عذاب قبر میں دیا جائے گا۔

(٦) چھٹی دلیل:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

ان أحدکم اذ مات عرض علیه مقعده بالغداة و العشی ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان کان من اهل النار فمن اهل النار فیقال هذا مقعدک حتی یبعثک الله یوم القیامة (متفق علیہ)

تم میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اسکے سامنے صبح وشام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے تو جنتیوں کا ٹھکانہ، اور اگر اہلِ جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنمیوں کا ٹھکانہ بتایا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے یہی تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبر سے اٹھائے گا۔

دوسری فصل

دنیا میں موت کا مفہوم اور اسکی حقیقت اور برزخ میں حیات کا مفہوم اور اس کی حقیقت

سوال نمبر(۱): کیا یہ جائز ہے کہ دنیاوی زندگی میں زندہ پر مردہ کا اطلاق کیا جائے اور ٹھیک اسی طرح کیا یہ صحیح ہے کہ مردہ پر موت کے بعد برزخ میں زندہ کا اطلاق کیا جائے؟

جواب: شہداء اپنی موت (شہادت) کے بعد آسائش میں ہیں اور اس کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (سورہ بقرۃ:۱۵۴)

اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے۔

اور آل فرعون اپنی موت کے بعد انتہا درجہ کے عذاب میں مبتلا ہیں اور اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ. (سورہ غافر:۴۶)

آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں ڈالو۔

فوت شدہ مومن کی قبر جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہوتی اور صبح وشام اس کا ٹھکانہ اسکے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

اور کافر کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتی ہے اور اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اٹھائے گا۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

ان أحدكم اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة و العشى ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله يوم القيامة

(متفق علیہ)

تم میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اسکے سامنے صبح وشام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے تو جنتیوں کا ٹھکانہ، اور اگر اہلِ جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنمیوں کا ٹھکانہ بتایا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے یہی تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبر سے اٹھائے گا۔

آسائش سے لطف اندوز اور عذاب میں مبتلا افراد زندہ ہیں یا مردہ؟

اس پر ہمارا ایمان ویقین ہے کہ خوابیدہ شخص کی روح کا خوابیدہ شخص سے جدا ہونے اور پھر روح کے لوٹ آنے پر موت وحیات کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى.

(سورہ انعام:٦٠)

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو (ایک گونہ) قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تا کہ میعاد معین تمام کر دی جائے۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِی لَمْ تَمُتْ فِی مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِی قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ (سورہ الزمر:۴۲)	اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُس: یعنی اللہ تعالیٰ روح کو جسم سے جدا کر دیتا ہے نیند کی حالت میں بندوں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں لیکن روح مکمل قبض نہیں کی جاتی بلکہ قبض کی ایک خاص حالت ہوتی ہے اور جیسا کہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ جب بیدار ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

الحمدلله الذی أحیانا بعد ما اماتنا و الیه النشور ۔ (بخاری مسلم ابوداؤد)	اس اللہ کی تعریف ہے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلا دیا اور ہمیں اسی کے پاس جانا ہے۔

آیت قرآنی اور حدیث نبوی میں خوابیدہ شخص کی موت اور نیند کی حالت میں اس جسم سے اس کی روح کی جدائی کے باوجود اس بات سے کوئی امر مانع نہیں کہ ہم خوابیدہ شخص کو زندہ کہیں ٹھیک اسی طرح وہ فوت شدہ شخص جس کے جسم سے اس کی روح جدا ہو چکی ہے اس امر سے کوئی کوئی بات مانع نہیں کہ اس کو زندہ کہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں شہداء کے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (سورہ بقرۃ:۱۵۴)	اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ. (سورۂ آل عمران:۱۸۹)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کی پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔

حالانکہ مذکورہ افراد مقتول ہیں اور فوت شدہ ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ. وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِاِلَی اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ. (سورہ آل عمران:۵۸-۵۷)

قسم ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کئے جاؤ یا اپنی موت مرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔ بالیقین خواہ تم مرجاؤ یا مارڈالے جاؤ جمع تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کئے جاؤ گے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ زندہ ہیں اور یہ کہ برزخ میں جو زندگی انسان کو عطا کی جاتی ہے شہداء کے نصیب میں مکمل آسائش کی زندگی آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لطف وکرم کی بارش ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے وہ سب کے سب اپنے رب کے پاس جمع کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو اس جنت میں داخل فرماتا ہے جس کا ان سے تذکرہ اور وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ. سَیَهْدِیْهِمْ وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ. وَیُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ. (سورہ محمد:۴-۵-۶)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا۔ اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے۔

پیش کردہ آیاتِ قرآنی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نیند کی حالت میں زندہ شخص پر مردہ کا اطلاق درست ہے لیکن اس سے مراد مطلق موت نہیں ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں، ٹھیک اسی طرح موت کے بعد مردہ پر زندہ کا اطلاق درست ہے لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق زندگی نہیں ہے۔ اس لیے کہ میت کی روح کا اس کے بدن سے نکلنا پھر لوٹنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مردہ کو مکمل حیات حاصل ہو جاتی ہے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ برزخ میں روح مکمل طور پر جسم سے جدا نہیں ہوتی کہ اس سے اس کا کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہے بلکہ اس کے برخلاف احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کوئی مسلمان مردہ کو سلام کرتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے لیکن روح کے لوٹانے کا یہ عمل خاص نوعیت کا ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قیامت سے پہلے اس کا جسم زندہ رہتا ہے اس لئے کہ اس پر زندگی کا اطلاق ہو تو یقینی طور پر یہ بات لازم آئے گی کہ انسان کی موت تین بار یا اس سے زیادہ ہو اور اس طرح اس کو زندگی تین بار یا اس سے زیادہ بار نصیب ہو۔ حالانکہ قرآن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موت دوبارہ واقع ہوتی ہے اور حیات دو بار نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ. (سورہ غافر:۱۱)

وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دوبار مارا اور دوبار ہی جلایا۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. (سورہ بقرۃ:۲۸)

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور سلام کے وقت روح کا لوٹایا جانا سید المرسلین محمد ﷺ اور تمام مومنین کی

خصوصیت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مامن أحد یسلم علیّ اِلاّ ردّ اللہ علی روحی حتیّ أردّ علیہ السلام ۔ (رواہ ابوداود ومسند احمد)

جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو لوٹا دیتا ہے۔ اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

ما من أحد یمرّ علی قبر جنۃ المومن کا ن یعرفہ فی الدنیا ویسلّم علیہ الاّ عرفہ وردّ علیہ السلام .

جو شخص بھی مومن کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس کو وہ دنیا میں جانتا تھا اور وہ اس پر سلام بھیجتا ہے تو وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح ابن عبداللہ نے کی ہے اور عبدالحق شبلی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

گذشتہ بحث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی حقیقی اور ظاہری صفت زندگی ہے لیکن اس کے باوجود اس پر موت کا اطلاق درست ہے۔ اسی طرح برزخ کی حقیقی اور ظاہری صفت موت ہے لیکن اس کے باوجود اس پر زندگی کا اطلاق درست ہے۔ اگر وہ آسائش میں ہے تو اس کو آسائش کا احساس ہوتا ہے اور اگر وہ عذاب میں ہے تو اس کو عذاب کا احساس ہوتا ہے جیسا کہ آیات قرآنی اور احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

تو یہ بات یقینی ہے کہ انسان کی برزخی زندگی موت سے پہلے کی زندگی کی طرح نہیں ہے اور نہ قیامت کے دن عطا کردہ زندگی کی طرح ہے بلکہ وہ ایسی زندگی ہے جسکی حقیقت اور کیفیت سے یقینی طور پر صرف ذات خداوندی ہی واقف ہے۔

تیسری فصل

موت سے پہلے اور موت کے بعد آسائش اور عذاب سے جسم اور روح کے اندر احساس کا مفہوم اور اسکی حقیقت

سوال نمبر (۱): کیا موت کے بعد روح اور جسم کو آسائش اور عذاب کا احساس ہوتا ہے؟ اور اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب: کائنات میں خوابیدہ شخص پر جن قوانین کا اطلاق ہوتا ہے اس کے برخلاف قوانین کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو بیدار ہو، بیداری کی حالت میں خاص قسم کے متعین قوانین سے وہ شخص مربوط ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں انہیں آنکھوں سے دیکھتا ہے اپنے کانوں سے سنتا ہے اپنے پیروں سے چلتا ہے اور اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے مارتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف نیند کی حالت میں وہ دیکھتا ہے اور اس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں وہ چلتا ہے حالانکہ اس کے قدم متحرک نہیں ہوتے ہیں وہ مارتا ہے حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ حرکت نہیں کرتے ہیں وہ بات کرتا ہے حالانکہ اس کی زبان حرکت سے کوسوں دور رہتی ہے اور وہ بہت ساری چیزوں سے دوچار ہوتا ہے جو کبھی مانوس ہوتی ہے اور کبھی نا مانوس اور ان ساری چیزوں سے وہ دوچار ہوتا ہے جبکہ وہ خوابگاہ میں حالت سکون میں رہتا ہے اور اپنے بستر پر سو رہا ہوتا ہے۔

قانون بیداری اور قانون نوم (نیند) میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ ہے احساس جو انسان کو کائنات سے مربوط رکھتا ہے۔ اس لیے اگر نیند کی حالت میں وہ خواب دیکھتا

ہے اور وہ خواب اندوہناک ہوتا ہے تو وہ اس سے متاثر ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور اگر وہ مسرور کن خواب دیکھتا ہے تو مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے کھیلنے لگتی ہے اور جب وہ ڈراونا خواب دیکھتا ہے تو خوف کی وجہ سے بیدار ہو جاتا ہے اور اس کی عرق آلود پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا ہے اور اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے اور اگر وہ خواب میں کسی عورت سے ہم بستری کرتا ہے تو وہ اس سے متاثر ہوتا ہے اسے احتلام ہوتا ہے اور وہ جماع کی لذت سے محظوظ ہوتا ہے۔

یہ وہ افعال ہیں جسے خوابیدہ شخص اپنی ذات کے علاوہ دوسرے سے ملکر انجام دیتا ہے لیکن تمام تاثرات اور احساسات جسے وہ محسوس کرتا ہے اور جس سے وہ متاثر ہوتا ہے صرف خوابیدہ شخص کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے اور اس کا جسم اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتا۔

ان واقعات اور احساسات میں جو لوگ اس کے ساتھ ہوتے ہیں ان کو ان واقعات اور احساسات کا ذرہ برابر علم بھی نہیں ہوتا اور نہ ان کو اس کا احساس ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں نے اس کام کو انجام دیا ہے تو اگر ہم فریقین میں سے خوابیدہ شخص سے پوچھیں اور اگر وہ ہمیں یہ اطلاع دے کہ اس خواب کے اس واقعہ میں فلاں فلاں ہمارا شریک کار رہا ہے تو وہ اپنے اس قول اور دعوی میں صادق تصور کیا جائے گا اور جو لوگ اس خوابیدہ شخص کے شریک کار تھے اگر ان سے پوچھا جائے تو وہ کہیں گے کہ ہم لوگ اس واقعہ سے قطعی لاعلم ہیں اور ہم اس میں شریک نہیں ہوئے تو وہ لوگ اپنے اس قول میں سچے مانے جائیں گے عجیب بات ہے یہ ساری باتیں پایہ تکمیل کو پہونچ جاتی ہیں اور اس واقعہ کا شریک کار اس کی کیفیت کو اپنی زبان سے بیان کرنے سے عاجز ہے۔ تو ایک انسان بستر پر لیٹنے اور سونے کے ساتھ ہی قانون بیداری سے قانون نوم میں منتقل ہو جائے تو اس سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ روح آسائش اور نعمت اور عذاب کا نیند کی حالت میں روح

کا جسم سے جدا ہونے کے باوجود ادراک کرتی ہے اور جسم مکمل طور پر ان احساسات میں روح کا ساتھ دیتا ہے جس طرح بیداری کی حالت میں روح اور جسم دونوں احساسات میں ایک دوسرے کے شریک کار ہوتے ہیں۔ تو آسائش اور عذاب اور ان دونوں کا احساس جس طرح انسان کو حالت حیات میں ہوتا ہے اور جس طرح ان کا احساس جسم اور روح دونوں کو حالت خواب میں ہوتا ہے جس کو خدا اور اس کے رسول نے ''رؤیا'' سے تعبیر کیا ہے اسی طرح بندہ کی روح اور جسم کو برزخ میں، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے موت سے تعبیر کیا ہے آسائش اور عذاب کا احساس ہو تو اس بات میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ پس جو خدا دنیا میں کمزور اور قوی اور صحیح احساس کے پیدا کرنے پر قادر ہو، کیا اس کے لیے یہ دشوار ہے کہ وہ برزخ میں جسم اور روح میں ادراک کی کیفیت پیدا کر دے؟ لیکن وہ احساس اس کے مقابلہ میں صحیح ہو عام ہو اور قوی بھی ہو۔

وہ عالم برزخ جس کی کیفیات سے ہم ناواقف ہیں لیکن جس پر ہمارا ایمان کامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے۔ کافروں پر عذاب کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ	کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی
کَفَرُوْا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ	روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور
وَاَدْبَارَھُمْ، وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ .	سرینوں پر مارمارتے ہیں (اور کہتے ہیں)
(سورہ انفال:۵۰)	تم جلنے کا عذاب چکھو۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وفات کے وقت فرشتے کافروں کو مارتے اور تکلیف پہونچاتے ہیں لیکن ضرب اور عذاب کے آثار مرنے والے کافر پر ہم محسوس نہیں کر پاتے جس طرح ہم مومن کی وفات کے وقت بشارت اور سرخروئی کے آثار اس کے جسم پر محسوس نہیں کر پاتے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

(سورہ نحل:۳۲)

وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں کہتے ہیں کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

اور یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ آسائش اور عذاب کے احساس کی کیفیت حالت بیداری میں کچھ اور ہوتی ہے تو موت کے بعد برزخ میں کچھ اور ہوتی ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تینوں صورتوں میں احساسات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔لیکن احساسات کی کیفیات عالم بیداری اور عالم خواب اور عالم برزخ میں بدل جاتی ہیں اس لیے کہ حالت خواب میں موت اور عالم برزخ میں موت یہ سب مختلف مراحل ہیں جو انسان کو پیش آتے ہیں،اس اعتراف کے ساتھ کہ ہم حالت برزخ کی حیات کی یقینی کیفیت اور اسکے قوانین سے ناواقف ہیں جس طرح حالت خواب کے قوانین اور اسکی کیفیت سے ناواقف ہیں۔

گویا کہ دونوں چیزیں ہمارے لئے غیب کا درجہ رکھتی ہیں صرف افہام وتفہیم کی خاطر قرآن وحدیث کی روشنی میں اسکی قریب تر صورت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کا قطعی اور حتمی علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

جیسا کے ارشاد خداوندی ہے:

بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

(سورہ بقرہ:۱۵۴)

وہ زندہ ہیں،لیکن تم نہیں سمجھتے۔

سوال نمبر(۲):جسم کو موت کے بعد آسائش اور عذاب کا کس طرح احساس ہوتا ہے جبکہ جسم بوسیدہ ہو کر مٹی بن جاتا ہے اور جزو زمین ہو جاتا ہے؟

جواب: اس مضمون سے متعلق قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آیتیں وارد ہوئی ہیں جن

میں سے بعض آیتیں ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے جس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جمادات اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ،وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ . وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ. اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ .

(سورۂ حج:۱۸)

کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمان والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی۔ ہاں بہت سے بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے، جسے رب ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(۲) اسی طرح قرآن پاک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمادات سنتے بھی ہیں ارشاد خداوندی ہے:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ.

(سورۂ فاطر:۱۴)

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریادرسی نہیں کریں گے، بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جمادات وغیرہ کے تراشیدہ بت اگر وہ تمہاری پکار سن بھی لیں اور تمہاری بات سمجھ بھی لیں تو کوئی جواب نہیں دے سکتے کیونکہ وہ

جمادات ہیں اوران میں قوت گویائی نہیں ہے ہاں مگر قیامت کے دن وہ اللہ تعالی کے روبرو گفتگو کریں گے اور مشرکین کے شرک سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے۔

(۳) اسی طرح قرآن پاک سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جمادات میں احساس اور اثر پذیری کی قوت ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا. (سورہ اعراف:۱۴۳)

پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑادیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. (سورہ بقرہ:۷۴)

اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں۔

تیسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. (سورہ حشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہوکر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔

اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. (سورہ مریم:۹۰)

قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہوجائیں۔

درج بالا آیات اور ان جیسی آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمادات کے اندر بھی زندگی ہوتی ہے جس زندگی کا حقیقی ادراک ذات خداوندی کو ہے۔ اور قرآن پاک اکثر

مقامات پر مردہ کے زندہ کرنے کو پانی کے ذریعہ زمین کو زندگی بخشنے سے تشبیہ دیتا ہے کیونکہ زمین خشک سالی کی وجہ سے مردہ ہوجاتی ہے اور پانی کے ذریعہ زندہ ہوجاتی ہے اور لہلہا اٹھتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

(سورہ فصلت :۳۹)

اس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہوکر ابھرنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ بیشک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے۔

زمین اللہ کی عبادت بھی کرتی ہے اور سجدہ ریز بھی ہوتی ہے لرزہ براندام بھی ہوتی ہے پھٹتی بھی ہے مرتی بھی ہے اور زندہ بھی ہوتی ہے۔ تو زمین کے کچھ حصے بعض مقامات پر مرتے ہیں اور بعض مقامات پر زندہ ہوتے ہیں اور جن قوانین اور کیفیات کے تحت یہ ظہور پذیر ہوتے ہیں ان سے انسان واقف نہیں بلکہ ان کی حقیقت صرف ذات خداوندی جانتی ہے۔ اسی طرح انسان کے بعض حصے زندہ رہتے ہیں اور بعض حصے مرجاتے ہیں کسی بیماری یا حادثہ یا قتل یا جسم کے کسی حصہ کے کاٹے جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ زمین اور انسان کا مادہ تخلیق ایک ہی ہے اس لیے یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالی ان میں ادراک کی ایسی کیفیت پیدا فرمادے جس سے اسے آسائش اور عذاب کا احساس ہو جیسا کہ احساس کی یہ کیفیت پہاڑ میں اس وقت پیدا فرمادی جب اس پر تجلیات ربانی کا ظہور ہوا اور اس کی وجہ سے وہ ریزہ ریزہ ہوگیا کیونکہ پہاڑ بھی زمین ہی کا ایک حصہ ہیں اور جسم مٹی بننے کے بعد زمین کا ایک جزو بن گیا

تو جس خدا نے پہاڑ میں احساس کی وہ کیفیت پیدا کی ہے اس کے لیے یہ بات کوئی دشوار نہیں ہے کہ جسم کے مٹی بن جانے کے بعد بھی جسم میں احساس کی وہ کیفیت پیدا فرمادے کیونکہ انسان کی جس چیز سے پیدائش ہوئی تھی وہ اس کی طرف لوٹ چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ	ہم نے تم کو اسی (زمین) سے پیدا کیا اور
وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ.	تم اسی میں لوٹائے جاؤ گے اور اسی میں
(سورہ طٰہٰ: ۵۵)	سے تمہیں دوبارہ نکالا جائے گا۔

اس مقام پر ہم سائنسی انکشافات اور تجربات سے بھی استدلال کرتے ہیں خاص طور پر ان حضرات کے لیے جو سائنسی مشاہدات اور تجربات پر یقین رکھتے ہیں اور دین کی بات اور غیبی امور پر یقین نہیں رکھتے اور مخلوق کے محدود علم کو جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے اور مخلوق کے علم کو خالق پر مقدم جانتے ہیں اور اس مقام پر سائنسی مشاہدات اور تجربات کو پیش کرنے کا مقصد کوئی فتویٰ دینا یا دینی رائے کا اظہار یا سائنس کی غلطی اور اسکی صحت یا جواز یا عدم جواز نہیں ہے بلکہ صرف سائنسی مشاہدات کا بیان مقصود ہے۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ مخلوق چاہے انسان ہو یا حیوان اس کے جسم کے کسی بھی حصے (ہاتھ، پیر، پیٹ، یا سر) کا ایک خلیہ مکمل جاندار کی حیثیت رکھتا ہے اس ایک خلیہ میں دل، آنکھ، زبان، کان، ناک، سر، ہاتھ وغیرہ وغیرہ سارے اعضاء موجود ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ ساری چیزیں ایک خلیہ میں ہوتی ہیں اور ایسا تجربہ بھی ہوا کہ حیوان کے جسم سے ایک خلیہ حاصل کیا گیا اور پھر اس سے زردی نکال کر مادہ انڈے میں داخل کیا گیا اور پھر اسے مادہ کے رحم میں رکھا گیا اور یہ تجربہ جانور پر کامیابی کے ساتھ ہو چکا ہے۔

اسی طرح سائنسی ریسرچ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہیکہ بوسیدہ ہڈیوں کے خلیوں میں بھی زندگی پائی جاتی ہے اور ان بوسیدہ ہڈیوں کا ایک خلیہ جاندار کے تمام جسمانی اعضاء پر شامل ہوتا ہے۔ یہ باتیں ہمیں سائنس اور سائنس دانوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن جس بات

پر ہمارا ایمان ہے اور جس چیز کی اطلاع حضور ﷺ نے سائنسی انکشافات سے بہت پہلے دی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

مابين النفختين أربعون قال أربعون يوما قال أبيت قال أربعون شهرا قال أبيت قال أربعون سنة قال أبيت قال ثم ينزل الله من السماء ماء فينبتون كما ينبت البقل ليس من الانسان شيئى يبلى الا عظما واحداً وهو عجب الذنب ومنه يركب الخلق يوم القيامة .
(متفق عليه) بخارى ۴۹۳۵.

دوصور پھونکنے کے درمیان چالیس ہے۔ انہوں نے کہا چالیس دن۔ جواب ملا نہیں۔ انہوں نے کہا چالیس ماہ۔ جواب ملا نہیں۔ انہوں نے کہا چالیس سال۔ جواب ملا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا۔ تو جس طرح سبزی اگتی ہے اسی طرح لوگ پیدا ہوں گے۔ انسان کی ہر شئی ختم ہوجاتی ہے۔ سوائے عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی کا سرین سے لگا آخری سرا) کے۔ قیامت کے دن اسی سے مخلوق پیدا کی جائے گی۔

جولوگ سائنس اور مشاہدات پر یقین رکھتے ہیں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈی اور اس کے خلیوں میں زندگی ہے اس کے باوجود ملحدین جاندار کی موت اور اس کی بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کا انکار کرتے ہیں اور اس پر شک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ.
(سورۂ فصّلت :۵۳)

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔

واقعی مخلوقات میں اللہ کی کیا کیا نشانیاں پنہاں ہیں صرف چشمِ بصیرت چاہئے۔

چوتھی فصل

خوابیدہ اور مردہ کے اندر وقت کے احساس کی حقیقت

سوال نمبر (۱): کیا دنیا میں خوابیدہ شخص کو اور برزخ میں مردہ کو وقت کا احساس ہوتا ہے اور اگر وقت کے سلسلہ میں اس سے پوچھا جائے تو اس کی تعیین کرسکتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دنیا میں خوابیدہ شخص کو اور عالم برزخ کے مکین کو مردہ سے تعبیر کیا ہے گویا کہ دونوں سورہے ہیں اور اپنی خوابگاہ سے اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْ م بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا م ھٰذَا مَاوَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ. (سورۂ یٰسٓ:۵۲)

کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھادیا۔ یہی ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا و الیہ النشور. (بخاری مسلم) خوابیدہ شخص کو یا فوت شدہ دونوں وقت کے احساس کے ادراک سے عاری ہوتے ہیں۔ خوابیدہ شخص اس سے لاعلم ہوتا ہے کہ آسائش اور عذاب کی حالت میں وقت کا کتنا حصہ اس نے گذارا مگر یہ کہ وہ کسی سے پوچھے یا کوئی شخص اس کو اس کی اطلاع دے یا گھڑی کے ذریعہ اندازہ لگائے ٹھیک اسی طرح فوت شدہ جب اپنی قبر سے اٹھایا جائے گا تو وہ اس سے لاعلم ہوگا کہ برزخ میں عذاب یا راحت کی حالت میں کتنی مدت رہا۔

ارشاد خداوندی ہے:

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ . قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ .

(سورۂ مؤمنون:۱۱۳)

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں باعتبار برسوں کے گنتی کے کس قدر رہے؟ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، گنتی گننے والوں سے بھی پوچھ لیجئے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ .

(سورہ روم:۵۵)

اور جس دن قیامت برپا ہو جائے گی گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔

تیسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا.

(سورہ طٰہٰ:۱۰۳)

وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ تم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے۔

چوتھی جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا بَیْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ. قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ .قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ .

(سورہ کہف:۱۹)

اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھا دیا کہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھئی تم کتنی دیر ٹھہرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ کہنے لگے کہ تمہارے ٹھہرے رہنے کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

پانچویں جگہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ،قَالَ كَمْ لَبِثْتَ .قَالَ لَبِثْتُ يَوْماً اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ . قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ. (سورہ بقرہ:۲۵۹)

تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لئے ، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ،فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا۔

اپنی زندگی کے روز مرہ کے واقعات اور مشاہدات اور مذکورہ قرآنی آیات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خوابیدہ اور فوت شدہ اشخاص کو زمانہ اور وقت کا احساس نہیں ہوتا جیسا کہ اصحاب کہف کے واقعہ اور اس شخص کے واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جس پر سو سال کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت طاری کر دی تھی اسی لیے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ہم سے برزخ کے قیام کی مدت کے بارے میں سوال فرمائے گا کہ ہمارا قیام مکمل ایک دن یا کچھ کم ایک دن رہا تو مجرمین کہیں گے کہ ہمارا قیام دس دن رہا اور ان میں سے بعض کہیں گے کہ ایک دن پورا قیام رہا اور ان میں سے بعض کہیں گے دن کے کچھ حصہ کے لیے ان کا قیام رہا۔ان واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فوت شدہ شخص برزخ میں قیام کے مدت کی تحدید و تعیین نہیں کر سکتا تو ایسا شخص جو اللہ کے سامنے پوچھے جانے پر برزخ کے قیام کی تحدید سے اپنی عاجزی اور اپنی بے بسی کا اظہار کرے گا تو بھلا ایسے شخص کو برزخ کے قیام کے دوران کے واقعات کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ اور کیا بھلا ایسے شخص کو ان درخواستوں اور مطالبات کی فہرست کا علم ہو سکتا ہے جو لوگ اس کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ وہ انسان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ سے دعا اور درخواست کرے اور یہ کہے کہ اے اللہ فلاں درخواست دہندہ کی فلاں دن کی ضرورت پوری فرما اور فلاں شخص کو فلاں ماہ تک شفائے کلی عطا فرما اور فلاں شخص کو فلاں سال و ماہ میں کامیابی عطا فرما۔پس وہ انسان جب اتنا بے بس ہے کہ وہ اپنے برزخ میں کے قیام کی مدت کی تحدید و تعیین سے لاعلم ہے تو وہ شخص اس وقت دوسروں کے

پیش کردہ مطالبات کے علم سے بدرجہ اولی لاعلم ہوگا اور وہ شخص جو برزخ میں اپنے لیے کچھ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ دوسروں کے لیے کچھ نہ کر سکنے سے بدرجہ اولی عاجز ہوگا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

ما من یوم الا وملک یھتف فی المقابر وینادی یا أھل القبور من تحسدون الیوم ؟ فیجیبون ویقولون نجد أھل المسجد فی مساجدھم یصلون ولا نقدر نصلی ویصومون ولا نقدر نصوم ویتصدقون ولا نقدر نتصدق ویذکرون اللہ ولا نقدر نذکر فیندمون علی تفریطھم.

روزانہ فرشتہ قبرستان میں آواز لگاتا ہے اور پکارتا ہے کہ اے اہل قبور! آج تم کس پر رشک کرتے ہو تو وہ جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو مسجدوں میں نماز پڑھتے ہوئے پاتے ہیں اور ہم نماز نہیں پڑھ سکتے۔ لوگ روزہ رکھتے ہیں اور ہم روزہ نہیں رکھ سکتے۔ لوگ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور ہم ذکر نہیں کر سکتے۔ تو وہ اپنی اس بے بسی پر افسوس کرتے ہیں۔

یہ بات ہم لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مرنے والوں سے سوالات کرنے پر مامور فرشتہ جس وقت مردہ سے سوالات کرتا ہے تو وہ شب و روز کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے لیکن مردہ وقت کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح اگر ایک انسان ایک لمبی مدت کے لیے تاریک کمرہ میں بند کر دیا جائے جس میں روشنی کے اندر آنے کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہ ہو تو ایسا ہوگا کہ وہ مقید شخص آہستہ آہستہ وقت کے احساس کی حقیقت سے غافل ہو جائے گا وہ یہ نہیں سمجھ سکے گا کہ اس وقت دن ہے یا رات پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ وہ اس احساس سے عاری ہو جائے گا کہ وہ اس حال میں اس مقام پر کتنے دن گذار چکا ہے۔

ان کیفیات سے وہ شخص آہستہ آہستہ دوچار ہوتا ہے جو زندہ ہے اور روزانہ کھانا پینا اس کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ قید خانہ کا ذمہ دار وقت سے اچھی طرح واقف ہے اور اس کے برخلاف قیدی کلی طور پر اس سے غافل ہے۔

تو اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتہ روزانہ مردوں سے سوالات کرتا ہے اور مردے ہمیشہ وہی جواب دیتے ہیں جب تک وہ برزخ میں رہیں گے۔

تو اے میرے مسلمان بھائیو! جب آپ کو مردہ شخص کی حالت اور بے بسی کا اچھی طرح علم ہوگیا تو آپ کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی طرف رجوع ہوں اس لیے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے اور آپ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور نہ غیر اللہ کو پکاریں اور نہ اس کے سامنے دستِ سوال دراز کریں اور نہ اس سے مدد کے طالب ہوں اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئاً. (سورہ النساء:۳۶)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً.

(سورہ الجن:۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

پانچویں فصل

زندہ، مردہ، کافروں اور مسلمانوں کے سننے کے مفہوم کی حقیقت

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ. (سورہ نمل:۸۰)

بیشک آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔

اور ارشادِ نبوی ہے:

ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولّی عنہ اصحابہ وانہ لیسمع قرع نعالھم.

جب کوئی بندہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

سوال نمبر(۱): حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مردے سنتے ہیں اور آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ تو کیا مردے سنتے ہیں؟ اور کافر کے سننے اور مردوں کے سننے میں کیا مشابہت ہے؟ اور زندوں اور مومنین کے سننے میں کیا مشابہت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ مومن اور کافر دونوں کا خالق ہے اور اس کی موت اور حیات کا خالق ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمثیل کے طور پر یہ فرمایا کہ مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جس طرح زندہ اور مردہ سننے میں برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح کافر اور مومن سننے میں برابر نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ، اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ. (سورہ فاطر:۲۲)

اور زندے اور مُردے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

تو قرآن وحدیث میں مذکور سماع اور عدم سماع میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب سماع بولا جاتا ہے تو اس کے دو مفہوم ہوتے ہیں۔

(۱) کبھی لفظ سماع بولتے ہیں اور اس سے مراد کلام کا ادراک اور اس کا فہم ہوتا ہے۔

(۲) اور کبھی سماع سے مراد اس سے فائدہ اٹھانا اور قبول کرنا ہوتا ہے۔

پہلی بات: وہ سماع جس سے مراد ادراک کلام ہوتا ہے:

کافر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نہیں سنتا ہے حالانکہ اس کے کان اچھی طرح کام کرتے ہیں اور وہ قوت سماع سے محروم نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سماعِ کافر کو سماعِ میت سے تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ کافر آواز سنتا ہے اور جس چیز کی طرف حضور اکرم ﷺ بلاتے ہیں اس کو سمجھتا ہے لیکن جس چیز کو سنتا ہے اس پر لبیک نہیں کہتا اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اہم ایسے شخص کے بارے میں کہیں گے کہ وہ بہرا ہے اس کے اندر قوت سماعت نہیں ہے اور ہم نے سماع کی اس لئے نفی کی کہ جو سماع ثمر آور نہ ہو وہ عدم سماع کی طرح ہے، حالانکہ حقیقتاً وہ سنتا ہے اور قوت سماع سے محروم نہیں ہے اس کے باوجود اس پر عدم سماع کا اطلاع درست اور صحیح ہے اور مخاطبت اور گفتگو کا یہ اسلوب روزمرہ کی زندگی میں کوئی غیر مانوس حقیقت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر دو شخصوں نے یہ بات سنی کہ فلاں کام کی وجہ سے خسارہ یقینی ہے تو جو شخص اس کام سے باز رہا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس نے سنا اس لئے کہ اس نے اس سے فائدہ اٹھایا اور خیر خواہی کے جو الفاظ اس نے سنے اس پر عمل کیا اور جس شخص نے اس نصیحت کو پس پشت ڈال دیا اس کو نظر انداز کر دیا تو اس کے بارے میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اس نے سنا ہی نہیں حالانکہ حقیقتاً اس نے سنا۔ پس جو شخص سننے کے بعد اس پر عمل پیرا نہ ہو کر اس سے فائدہ نہ اٹھائے گویا کہ وہ بہرا ہے اور قوت سماع سے محروم ہے اور اس وجہ تشبیہ کی وجہ سے سماع کافر کو سماع موتی سے تشبیہ دی ہے اس لئے کہ نہ خود فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ دوسروں کے لئے وجہ استفادہ بنتا ہے۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ	اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان
الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا	دوزخ کے لئے پیدا کئے جن کے دل ایسے
يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ	ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں
بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا.	ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے
(سورہ اعراف:۱۷۹)	کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے دیکھنے اور سننے کی نفی کی ہے حالانکہ حقیقتاً وہ اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھتے ہیں اور اپنے کانوں سے اچھی طرح سنتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آیت میں ہمیں یہ بات بتائی ہے کہ جو شخص سننے اور دیکھنے سے فائدہ نہ اٹھائے گویا کہ وہ قوت سماعت اور قوت بصارت دونوں سے عاری ہے۔ اور مردوں کا سننا اسی قبیل سے ہے۔ پس اگر مردہ کوئی بات سنتا ہے تو سننے کے باوجود وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ تمثیلی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ مردہ کا سننا کافر کے سننے کی طرح ہے اور کافر کا سننا مردہ کے سننے کی طرح اور دونوں اس صفت میں مشترک ہیں اور وہ یہ ہے کہ دونوں نہ تو خود فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ سن کر ان کی دعا قبول کر سکتے ہیں۔ اسی لئے مومن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مردہ کو پکارے چاہے وہ کوئی بھی ہو اور اسی طرح مومن بتوں کو بھی نہیں پکارتا اس لئے کہ وہ اس کے نزدیک مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ، وَمَا	مردے ہیں زندہ نہیں، انہیں تو یہ بھی شعور
يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ. (سورہ نحل:۲۱)	نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

چونکہ وہ پکارنے والے کی پکار نہیں سنتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سماع کی نفی کی ہے اور اس لئے کہ ان کا سننا بے فائدہ اور غیر ثمر آور ہے۔ جو کفار ان کو پکارتے

ہیں وہ ان کو فائدہ نہیں پہونچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بھی واضح فرمادیا کہ اگر اللہ کے قوانین ونوامیس کے مطابق سن بھی لیں اور اس کا ادراک بھی کرلیں تو ان میں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور اس لئے کہ ان کا تعلق جمادات سے ہے اور ہماری طرح ان میں قوت گویائی نہیں ہے اور ہماری بہ نسبت وہ مردہ ہیں۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ.

(سورہ فاطر:۱۴)

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریادرسی نہیں کریں گے۔ بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کرجائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبر نہ دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مشرکین کی سرزنش کی ہے اس لئے کہ جو غیر اللہ کو پکارتا ہے وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ. وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ.

(سورہ احقاف:۶-۵)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کن ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرسکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہوجائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کرجائیں گے۔

اور یہ عبادت جس کو اللہ تعالیٰ نے دعاء سے تعبیر کیا ہے۔ داعی (پکارنے والا) کو فائدہ نہیں پہنچاتی کیوں کہ مدعو (جسکو پکارا جارہا ہے) مردہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مردوں سے (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں) حقیقت سماع کی نفی کی ہے چاہے مردہ انسان ہو یا پتھر اس لئے کہ دونوں دعا کو قبول کرنے یا پکارنے والوں کو مطلوبہ جواب دینے کی صلاحیت سے عاری ہیں چاہے اس کو وہ شخص قیامت تک پکارتا رہے تو اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اس طرح اس حال میں پکارے۔ اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مردے یا بت سنتے ہیں اور جو سنتے ہیں اس کو شرف قبولیت سے بھی نوازتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ جو کچھ وہ سنتا ہے اس کو دوسروں کو بھی سنادے۔ ورنہ وہ ہمارے حق میں دلیل ہے۔

دوسری بات : وہ سماع جس سے مراد فائدہ اٹھانا اور قبول کرنا ہوتا ہے۔

مومن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سنتا ہے اور اس کو زندہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے مومن اور کافر دونوں کو مخاطب فرمایا اور دونوں نے آپ کی دعوت سنی لیکن ہم نے کافر سے سماع کی اس لئے نفی کی کہ اس نے حضور کی دعوت سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ اسے قبول کیا۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ. (سورہ ملک: ۱۰)

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔

اور مومن کے لئے ہم سماع کو ثابت کرتے ہیں اس لئے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی دعوت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے اور اس کا سننا فائدہ مند اور ثمر آور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایمان اور ہدایت سے سرفراز ہوتا ہے دخول جنت سے سرفراز اور جہنم سے گلوخلاصی کے مژدہ سے بہرور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمادیا کہ کافر کے مقابلہ میں

صرف مومن ہی سنتا ہے اور ہدایت یاب ہوتا ہے۔ حالانکہ حق کی آواز دونوں (مسلمان اور کافر) ایک ساتھ سنتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ، اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْ مِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (سورہ نمل:۸۱)	اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر رہنمائی کر سکتے ہیں آپ تو صرف انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں پھر وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صرف مومن ہی کو زندہ سے تشبیہ دی ہے کیوں کہ صرف وہی رسول کی دعوت پر لبیک کہتا ہے اور سماع کے ثمرات سے مستفید ہوتا ہے بہ خلاف کافر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے مردہ سے تشبیہ دی ہے کیوں کہ وہ نہ تو فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ سماع کے ثمرات سے محظوظ و بہرہ مند ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ، وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ. (سورہ انعام:۳۶)	وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ اور مردوں کو اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے۔

تو از روئے قرآن پاک ہم مومن کے لئے سماع کی تائید کرتے ہیں اس لئے کہ اس نے نبی کی دعوت کو قبول کیا اور اس سے فائدہ اٹھایا اور اس مومن کے بارے میں یہ کہیں گے کہ وہ زندہ ہے اور سنتا ہے اور کافر سے سماع کی نفی کریں گے جیسا کہ ہم مردہ سے سماع کی نفی کرتے ہیں اور کافر کے بارے میں یہ کہیں گے کہ وہ مردہ ہے اور نہیں سنتا ہے۔ اور قرآن پاک میں کئی مقامات پر سیاق مدح میں مومن کو زندہ کہا ہے اور کافر کو سیاق ذم میں مردہ کہا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

او مَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَالَهٗ نُوْراً يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا. (سورہ انعام:۱۲۲)	ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیدیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔

اس سے مومن اور کافر کے سننے میں فرق واضح ہوگیا اور اسی طرح زندہ اور مردہ کے اپنے لئے اور غیر کے لئے سننے کا فرق بھی واضح ہوگیا تو زندہ اس بات پر قادر ہے کہ دین کی بات جو اس نے سنی ہے خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائے اور مردہ جو دین کی بات سنتا ہے اس کے ثمرات سے نہ خود فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ دوسروں کو اس سے فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ اور اسی طرح زندہ سن کر جس جواب کی قدرت رکھتا ہے مردہ سن کر اس جواب کی قدرت سے بھی محروم ہے گویا کہ دونوں سننے میں برابر نہیں ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ، اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ. (سورہ فاطر:۲۲)	اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

مکلف اور پابند شریعت کے اعتبار سے بھی مردوں اور زندوں میں فرق ہے کیوں کہ زندہ مکلف ہے اسکا محاسبہ ہوگا اور اس کا عمل نہ اپنی ذات کے لئے منقطع ہوا ہے نہ دوسروں کے لئے اور وہ مردہ جو برزخ میں ہے نہ تو وہ مکلف ہے اور نہ وہ سننے کی صورت میں قابل

مواخذہ ہے اس لئے کہ تین چیزوں کے علاوہ سے اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله.	جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے رہیں یا اس کا نیک لڑکا جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے۔
(صحیح مسلم)	

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ لڑکا اس کے لئے عبادت کرتا ہے یا مثلاً نماز پڑھتا ہے بلکہ فرمایا کہ وہ اس کے لئے دعا کرتا ہے اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ ہمیں چاہئے کہ اپنے مردوں کے لئے دعا کریں کیوں کہ یہی مشروع ہے نہ کہ ہم عبادت کا ثواب ان کو بخشیں تو چاہئے کہ مسلمان عبادت تو اپنی ذات کے لئے کرے، اور اپنے مردوں کے لئے کثرت سے دعا کرے اس لئے کہ اسی میں خیر ہے اور اسلاف رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی طریقہ کار رہا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام، اور صالحین سبھوں پر موت طاری ہوئی ہے اور وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ. وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَداً لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ.	تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے سبھی مرد تھے جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے پس تم اہل علم سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔ ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔
(سورہ انبیاء: ۸-۷)	

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ، اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ.
(سورہ انعام:۳۴)

آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لئے رہ جائیں گے۔

(ا) ان ستودہ صفات اور قدسی نفوس ہستیوں میں اور ہم میں کوئی موازنہ اور مقابلہ نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر بھی ہم مامور ہیں اور ہم سے مطلوب یہ ہے کہ ہم ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور ان حضرات کے لئے ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا بارگاہ الٰہی میں اللہ کی عبادت تصور ہوگی اور ان حضرات کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہماری یہ دعا ان کے رفع درجات اور رحمت کا سبب بنے گی۔ مثال کے طور پر ہم حضور اکرم ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا کر سکتے ہیں۔

(۱) اے اللہ ہمارے نبی (ﷺ) کو وہ بہترین جزا عطا فرما جو تو کسی نبی کو اور ان کی قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرمایا ہو۔

(۲) اے اللہ اپنے رسول پر رحمت اور سلامتی نازل فرما۔

(۳) اے اللہ حضور اکرم ﷺ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔

(۴) اے اللہ ہم تجھ سے حضور اکرم ﷺ کے لئے جنت کے اعلیٰ درجہ کی درخواست کرتے ہیں۔

(ب) اور مومنین اور صالحین کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور عافیت اور رفع درجات کی درخواست ہو تو یہ دعا ان کے لئے نفع اور رحمت کا سبب ہے اور ہمارے لئے اجر اور ثواب کا ذریعہ ہے۔ مثلاً ہم وہ دعاء پڑھیں جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِي قُلُوْبِنَا غِلًّالِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ.

(سورہ حشر:۱۰)

اور (ان کے لئے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔

اور جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ.

(سورہ ابراہیم:۴۱)

اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے۔

اور جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ جب وہ قبرستان سے گذریں تو یہ دعا پڑھیں:

السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون یرحم اللہ المستقدمین منّا ومنکم والمستأخرین نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ اللّٰھم لاتحرمنا أجرھم ولا تفتّنا بعدھم واغفرلنا ولھم. (الحدیث)

اس دیار کے رہنے والے مومنو! تم پر سلام ہو اور انشاء اللہ ہم تم سے عنقریب آملیں گے۔ اللہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما۔ اور ان کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال اور ہماری اور ان کی مغفرت فرما۔

پس امر مشروع یہ ہے کہ زندہ تمام مسلمان مُردوں کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کریں تو اگر زندہ فوت شدہ قبر میں مدفون بزرگوں سے دعا اور حاجت براری کی درخواست کرنے لگے تو اس نے فی الحقیقت دین میں امر مشروع اور جائز معاملہ کو بالکل الٹ دیا۔ ہاں یہ جائز ہے کہ ہم ان بزرگوں سے جو زندہ ہیں دعا کی درخواست کریں جو ہماری بات سن سکتے ہیں اور سن کر ہماری بات کا جواب دے سکتے ہیں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں تو ہم ان کی دعا سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ ہماری خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتے ہیں، جب ہم ان سے دعا کی درخواست کریں۔ ورنہ اس معاملہ میں کفار اور مردے برابر ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ، اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ.

اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

(سورہ فاطر:۲۲)

پس گذشتہ وضاحتوں سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ جس طرح مومن اور کافر سننے میں برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ تو کیا وہ لوگ جو مردوں کو پکارتے ہیں ان سے حاجت برابری کی درخواست کرتے ہیں اور ان پر بھروسہ کرتے ہیں اپنے اس عمل غیر مشروع سے حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کے لئے تیار ہیں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صرف اپنی ذات کے لئے دعا کا حکم دیا ہے اور جو شخص دعا کرے اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازنے کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات سے دعا سے گریز کرتے ہیں ان کو جہنم کی دھمکی دی ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ،اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ.

(سورہ غافر:٦٠)

اورتمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

درج بالا آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دعا بھی عبادت ہے اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو اللہ کی ذات سے دعا سے گریز کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ تو اس کا حال ہے جو اللہ سے دعا نہ کرے لیکن جو شخص غیر اللہ سے دعا کرے وہ اس سے زیادہ سزا کا سزاوار ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے دعا کو قبول کرتا ہے، ہر چیز کا مالک ہے اور ہر شئی پر قادر ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ، اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ.

(سورہ بقرہ:١٨٦)

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.

(سورہ ق:١٦)

اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

پس جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کے علاوہ کسی کو بھی نہ پکاریں، نہ کسی نبی کو نہ فرشتے کو نہ کسی بزرگ کو نہ پتھر کو اور نہ کسی چیز کو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً. (سورۃ الجن:۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

مومنین اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے ہیں اور صرف اللہ کی ذات پر توکل کرتے ہیں جو زندہ اور ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہر اس ذات کو چھوڑتے ہیں جس کی منزل موت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ. (سورہ فرقان:۵۸)

اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں۔

دوسرا باب

انداد اور ارباب

اس باب میں درج ذیل دوفصلیں ہیں

فصل اول: انداد

(۱) اللہ تعالیٰ کا نِدّ (مدّ مقابل) بنانے کی ممانعت

(۲) انسانی انداد کی قسمیں

فصل دوم: ارباب

(۱) احبار رہبان اوران جیسے صفات کے حامل افراد کواللہ کے علاوہ ارباب بنانے کی ممانعت۔

(۲) انبیاء کرام اور فرشتوں کوارباب اور معبود بنانے کی ممانعت۔

(۳) مسلمانوں اوراہل کتاب کے درمیان مشترک عقیدہ کہ اللہ کوچھوڑ کرانسان کومعبوداور اللہ کا شریک نہ بنایا جائے۔

(۴) عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور بعض مسلمانوں کے اولیاء صالحین کے ساتھ معاملہ میں مشابہت۔

(الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں عیسائیوں کا غلو۔

(ب) اولیاء صالحین کے بارے میں مسلمانوں کا غلو۔

پہلی فصل

انداد

انداد:

لغوی مفہوم:

انداد، ند کی جمع ہے اور عربی لغت میں ندٌ مماثل، ہم سر اور مدّ مقابل کو کہتے ہیں چاہے یہ ہم سری بعض معاملات اور بعض باتوں میں ہی کیوں نہ ہو۔

شرعی مفہوم:

اور شریعت میں انداد شریک کو کہتے ہیں۔

(۱) عرب کے مشرکین نے جنوں، فرشتوں، بتوں اور نیک لوگوں کے مجسموں کو اللہ کا شریک بنایا۔

(۲) اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) نے احبار (یہودی مذہب کا روحانی پیشوا) اور رھبان (عیسائی مذہب کا روحانی پیشوا) اور نیک لوگوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

(۳) اس زمانہ میں بعض مسلمانوں نے اولیاء اور صالحین اور گمراہ علماء کو اللہ کا شریک بنالیا ہے۔

پہلی بات: کسی کو بھی اللہ کا شریک بنانے کی ممانعت:

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام انسانوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے سے روکا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ	اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت
الَّـذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ	لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔

اَلْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّكُمْ ، فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَاداً وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (سورہ بقرہ:۲۱-۲۲)	جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں رزق دیا، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔

قرآن پاک کی درج بالا آیات جن امور کی نشاندہی کرتی ہیں ہم ان کا سوال وجواب کے انداز میں تجزیہ کریں گے۔

سوال〈۱〉: انسانوں اور اللہ میں کیا نسبت ہے، بعض لوگ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے کس قسم کی عبادت کا دعویٰ کرتے ہیں، مشرکین عرب، اہل کتاب اور بعض مسلمانوں نے کس کو اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے اور وہ اپنے اس عمل کو کس چیز کا نام دیتے ہیں اور اللہ میں اور انسانوں میں کیا نسبت ہے؟ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی اللہ کا مدّ مقابل اور شریک وہمسر نہیں ہوسکتا۔

جواب: آیات بالا کی ابتدائی آیات ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.'' میں اللہ نے انسان اور اللہ کی نسبت کو واضح فرمادیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ خالق ہے اور انسان مخلوق ہے۔ اللہ عبادت کا مستحق ہے اور انسان اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو کیوں کہ وہ تمہارا رب بھی ہے اور خالق بھی، بعض لوگ جو صرف زبانی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کا دعویٰ کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقی ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں ابھی نہیں اترا ہے اور وہ لوگ اپنے اعمال کی اصلاح اور اپنے آپ کی تربیت وتزکیہ کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ ان ہی جیسے افراد کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ.
(سورہ بقرہ:۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

ایسے افراد رسم ورواج اور خاندانی روایات کو عبادت کا نام دیتے ہیں جس کو ہم شرعی طور پر عبادت نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ وہ عبادت، اللہ کے لئے نہیں ہوتی، نہ اس کی خوشنودی کی طلب مقصود ہوتی ہے اور نہ اس کی عظمت وکبریائی کا احساس ہوتا ہے، وہ لوگ اپنی اس ظاہر پرستی کے ذریعہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ احسان ہے کہ ان کو عدم سے وجود بخشا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ، فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.
(سورہ بقرہ:۲۲)

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں رزق دیا، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کو شمار کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا ہے اور تمہاری زندگی کی بقاء اور جسم کے نشوونما کے لئے پانی اور غذا مہیا کیا تا کہ لوگ اور وہ لوگ جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جان لیں کہ بندہ بندہ ہے وہ پرستش کے لائق نہیں ہے اور رب رب ہے اس کی ذات اتنی عظیم و بے پایاں ہے کہ کوئی اس کا شریک اور مدّ مقابل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن کتنی قابل تعجب بات ہے کہ صریح ممانعت کے باوجود دوسری امتوں کی طرح بعض مسلمانوں میں بھی یہ خرابی پیدا

ہوگئی اور وہ اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے اور غیر اللہ کی تعظیم اور اس کے تقرب کے حصول کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرنے لگے اور اس کو تعظیم، واسطہ اور وسیلہ کا نام دینے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی تمام صورتوں سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا یعنی تم اپنے جیسے مخلوق کی اس طرح تعظیم کرتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہو اور اس چیز کے طلبگار ہوتے ہو جس کی اللہ کے سوا کسی سے نہیں کی جاسکتی۔ یہ اسلئے کہ وہ مخلوق ہونے اور بندہ ہونے میں تمہاری طرح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری پرورش و پرداخت کی ہے اسی طرح تمہارے شرکاء کی بھی پرورش و پرداخت کی ہے۔ پس جو تم میں شکر گذار بندہ بنے گا اللہ تعالیٰ اس کی نعمتوں میں اضافہ فرمائے گا اور جو ناشکری کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے وبال کا مستحق بنے گا اور دوسروں کے لئے سامانِ عبرت، اور مشرکین عرب اس خضوع وخشوع دعا اور استعانت کو جو بتوں سے کرتے تھے عبادت کا نام دیتے تھے۔ انہوں نے اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کی طرح اس لفظ کے مفہوم میں تاویل نہیں کی۔ اس لئے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں کی طرح ان کے پاس نہ وحی تھی اور نہ کتاب جو ان کو اس سے روکتی۔ اور یہ واضح کرتی کہ ان اقسام کے افعال پر بھی عبادت کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ صرف اللہ کے لئے خاص ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کیلئے روا ہے۔ اسی لئے مشرکین عرب نے اپنے افعال پر بلا واسطہ اور بغیر کسی تاویل کے عبادت کا اطلاق کیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (سورہ زمر:۳)	ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

اور ان مشرکین عرب کی نیت بتوں، فرشتوں اور نیک لوگوں کے مجسمے کی عبادت کے ذریعہ اللہ کی عبادت ہوتی تھی۔ اگر ان کے پاس وحی اور کتاب ہوتی تو وہ اپنے ان افعال

پر لفظ عبادت کے اطلاق سے یقیناً احتراز کرتے۔ اور اس کی جگہ پر دوسرے لوگوں کی طرح توسل اور تعظیم کا لفظ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کے اپنے معبودوں کی کسی عبادت کو شرف قبولیت نہیں بخشا جبکہ ان بتوں کی عبادت سے ان کی نیت خدا کی عبادت تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ، وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ. مَانَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی. اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فِیْ مَا ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ.

(سورہ زمر:۳)

خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔ یہ جس بارے میں اختلاف کررہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔

لیکن یہود اور نصاریٰ جو صاحب شریعت اور اہل کتاب ہیں وہ غیر اللہ کے لئے خضوع وخشوع، ان سے دعا اور ان کی بندگی کو عبادت کے بجائے وسیلہ، تعظیم اور واسطہ کا نام دیتے ہیں اور وہ اپنے احبار اور رہبان کو ارباب اور انداد کے نام نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی جانب سے عبادت کے سلسلے میں قانون سازی، منکر کی حلت اور بعض پاک چیزوں کی حرمت کے عمل کو فقہ اور استنباط کا نام دیتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے علماء کی تقلید کی اور پھر ان کی اس دلیل کو واجب الطاعۃ سمجھا اور اس عمل کو دین تصور کیا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مشرکین، اہل کتاب اور بعض مسلمان سب کے سب اللہ کے ہم سر اور مدّ مقابل (انداد) کی عبادت کے واسطہ سے ان کی اصل نیت اللہ کی عبادت ہی ہوتی تھی۔ حالانکہ اس کا سبھوں کو

اقرار ہے کہ اللہ کا کوئی بھی مدّ مقابل نہیں ہے اس لئے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ'' وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' ۔یعنی تم یہ حقیقت اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ کا کوئی مدّ مقابل نہیں ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان لوگوں کی تکفیر کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک گردانتے ہیں۔ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ، قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ.

(سورہ زمر:۸)

اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجئے ! کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالو، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے۔

تو اے لوگو! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور جن کو تم نے اللہ کا شریک، سفارشی اور واسطہ بنا رکھا ہے ان کو بھی پیدا کیا اور تم سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اپنے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا کرو جو تمہارا تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنے۔اس لئے کہ اگر تم اپنے تراشیدہ شرکاء اور علماء کے خوف سے حق سے پہلو تہی کرتے ہو تو گویا کہ تمہارے نزدیک اللہ

تمہارے شریکوں سے بھی کم قابل تعظیم ہے۔ اللہ کی قربت کا ذریعہ یہ شرکاء نہیں ہیں بلکہ اللہ کے تقرب کے حصول کا ذریعہ ایمان، تقویٰ اور عمل صالح ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ.

(سورہ سبا: ۳۷)

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کردیں ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کیلئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے اور وہ نڈر و بے خوف ہوکر بالا خانوں میں رہیں گے۔

دوسری بات: انسانوں میں شرکاء کی قسمیں:

نزول قرآن کے وقت انداد (شرکاء) انسان بھی تھے اور جن، فرشتے، ستارے، سیارے، پتھر، درخت وغیرہ بھی۔ اس وقت ہماری بحث کا موضوع انسانی شرکاء ہیں، انسانی شرکاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ شرکاء جن کی لوگوں نے ان کے علم و اطلاع اور حکم کے بغیر عبادت کی۔

جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو ان کے ماننے والوں نے مقام عبد سے مقام معبود پر لا کھڑا کیا اور اسی طرح اس امت اور پہلی امتوں کے بعض ستودہ صفات لوگوں کی پرستش کی گئی حالانکہ وہ نفوس قدسیہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور نہ دین کے مسئلہ میں کسی کی تقلید کرتے تھے بلکہ وہ دین اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے اخذ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں معصوم شرکاء اور مشرکین کے سلسلہ میں واضح طور پر فرمارہا ہے کہ:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعاً ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ،فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ. فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْداً بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ. هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ.

(سورہ یونس:۳۰-۲۹-۲۸)

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر، کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر نہ تھی۔ اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کی جانچ کر لے گا اور یہ لوگ اللہ کی طرف سے جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا کرتے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا آیات کا ہم سوال و جواب کی شکل میں تحلیل و تجزیہ کریں گے

سوال نمبر(۱): کیا حشر کے دن کوئی غیر حاضر رہ سکے گا اور مشرکین اور شرکاء کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ اور ان سے کیا کہا جائے گا اور مشرکین اور شرکاء کے درمیان کیا گفتگو ہوگی؟

جواب: جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعاً ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ، فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ.

(سورہ یونس:۳۰)

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے۔

محشر میں حساب کے دن از آدم تا ایں دم سب حاضر ہوں گے اور مخلوق میں سے کوئی

بھی غیر حاضر نہ ہوگا پھر ایک طویل وقفہ کے بعد مشرکین سے کہا جائے گا اپنی جگہ پر رہو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھ اور تمہارے شرکاء کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا پھر قرآن پاک نے معصوم اور مشرکین کے معاملہ میں مذکورہ بالا الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اللہ کے سامنے مشرکوں کا اپنے شرکاء کے بارے میں سوال

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

واذارا الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ، فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ (سورہ بقرہ:۸۶)	اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے شریک ہیں جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے تھے، پس وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو۔

جس وقت مشرکین اپنے شرکا کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے اللہ یہی ہمارے شرکاء ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارتے تھے اور جن کی ہم تیرے سوا عبادت کرتے تھے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں ہیں، یہ عزیر علیہ السلام ہیں اور یہ قدسی نفوس، اصحاب علم وتقویٰ ہیں، ہم ان کی دہائی دیتے تھے ان کے لئے نذر و نیاز کرتے تھے اور ان کی خوشنودی وتقرب کے حصول کے لئے جانور ذبح کرتے تھے ہم ان کے مجسموں کی تصویروں اور قبروں کا طواف کرتے تھے جس طرح تیرے قابل احترام گھر کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے، ہم ان کے سامنے جبین نیاز جھکاتے تھے ان کو سجدہ کرتے تھے ان سے ڈرتے تھے اور ان سے ہماری امیدیں بھی وابستہ رہتی تھیں یہ سب عمل اس لئے کرتے تھے کہ ہمیں یہ یقین تھا کہ اے رب کائنات! آپ نے ان حضرات کو ایسے اختیارات مرحمت فرما رکھے ہیں جو ان کے علاوہ کسی اور فرد کو نہیں دیئے ہیں۔ ہم ان سے خیر و برکت کے طلبگار ہوتے تھے۔ اور ان کی برکت سے آلام ومصائب کو

دور کرتے تھے اور ہمیں یقین کامل تھا کہ آج میدانِ حشر میں وہ آپ کے نزدیک ہماری سفارش کریں گے اور یہ آپ کے تقرب اور خوشنودی کے حصول کا ہمارے نزدیک ذریعہ اور وسیلہ تھے الغرض مشرکین ان تمام امور کا اللہ اور شرکاء کے سامنے اجمالاً ذکر کریں گے۔

معصوم شرکاء کی اللہ کے سامنے مشرکین کے اقوال کی تردید

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ. فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ. (سورہ یونس: ۲۸)	اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر، کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر نہ تھی۔

مشرکین کی یہ باتیں سنکر معصوم شرکاء مشرکین کے اقوال کی تردید کریں گے اور یہ کہیں گے کہ تم جس وقت شرک کے ذریعہ اپنی ذات پر ظلم کرتے ہوئے ہماری عبادت کرتے تھے اس سے ہم لاعلم تھے اور آج ہم تم سے اور تمہاری عبادت سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اس لئے کہ ہم نے نہ تم کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ مجھے پکارو اور نہ اس بات کا حکم دیا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ اور یہی جواب ہر اس شخص کا ہوگا جس کی مشرکین نے عبادت کی ہوگی اور ان کو پکارا ہوگا۔ اے مشرکین کی جماعت تم یقیناً ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ تم اپنی خواہشات وجذبات کی عبادت کرتے اور ان شیاطین کی عبادت کرتے تھے جنہوں نے تم کو ان خرافات میں مبتلا کر رکھا تھا۔ درحقیقت تم لوگ ہمارے ناموں، ہمارے مجسموں اور ہماری تصویروں اور قبروں کا استحصال کرتے تھے اپنے مفاد اور دنیا کی متاعِ حقیر کے حصول کے لئے اور بس۔ اے جماعت مشرکین کیا تم لوگ اس حقیقت سے ناواقف تھے کہ عبادت اور دعا کی مستحق ذات

صرف ذات خداوندی ہے اس لئے کہ وہ مخلوقات کا خالق و مالک ہے۔ کائنات میں جو چیزیں بھی وجود پذیر ہوتی ہیں اسی کے حکم سے ہوتی ہیں نفع ونقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہم لوگ ان تمام صفات سے عاری ہیں اور ہمارے فخر کے لئے یہ کافی ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ اسی لئے آج ہم تم سے اور تمہاری دعا وعبادت سے اللہ کے سامنے برأت اور لاتعلقی ولاعلمی کا اظہار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے ذاتِ خداوندی کافی ہے کیوں کہ اس سے ہماری اور تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے اور اگر ہمیں اس کا علم ہوتا تو ہم فوراً اس سے اپنی برأت اور لاتعلقی کا اظہار کرتے بلکہ اے جماعت مشرکین تم سب جھوٹے ہو اور غلط بیانی سے کام لے رہے ہو جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

فَالْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ. (سورہ نحل:۸۶)

پس وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو۔

سوال نمبر (۲): اس دن میدان حشر میں مخلوق کو کون فائدہ پہونچائے گا؟ اور حقیقی کارساز کون ہوگا؟

جواب: اس سوال کا جواب قرآن پاک کی اس آیت میں موجود ہے جس میں ارشادِ ربانی ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ. (سورہ یونس:۳۰)

اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کی جانچ کرلے گا اور یہ لوگ اللہ کی طرف سے جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا کرتے تھے سب ان سے غائب ہوجائیں گے۔

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حشر کے میدان میں حساب وکتاب کے

وقت ہر شخص کے عمل کو چاہے وہ خیر ہو یا شر، مقبول ہو یا مردود، جو اس نے دنیا میں انجام دیا تھا پرکھا جائے گا چاہے وہ شخص عابد ہو یا معبود، مومن ہو یا منکر، شکر گذار ہو یا ناشکر گذار اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اس کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، اس میں نہ کسی ولی کو دخل ہوگا نہ کسی کی سفارش کو اور نہ اللہ کے علاوہ کسی معبود اور شریک کو۔ اس لئے کہ اس دن حساب سابقہ اعمال کی بنیاد پر ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُنَالِکَ تَبْلُوْا کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ. (سورہ یونس:۳۰)

اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کی جانچ کرلے گا

اور جیسا کہ دوسری آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (سورہ سبا:۳۳)

انہیں صرف ان کے کیے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اسی طرح کوئی شخص کسی شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَایُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی. (سورہ فاطر:۱۸)

اور کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو کہ قرابت دار ہی ہو۔

اسی طرح اس دن نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کوئی فدیہ اور بدلہ کام آئے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْماً لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئاً وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ. (سورہ بقرہ:۴۸)

اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

اس صریح اور واضح آیت کے باوجود بعض مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے شرکاء اور اولیاء ان کے لئے اللہ کے نزدیک سفارش کریں گے اور قیامت کے دن کے عذاب سے ان کو بچائیں گے۔ ہمارے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کچھ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے اس کی تصدیق کریں نہ کہ ان چیزوں کو تسلیم کریں جو گمراہ اور گمراہ کرنے والے علماء بیان کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بیان فرمادیا ہے کہ اس دن تمام انس وجن اپنے حقیقی کارساز ربّ کائنات کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے اور اس دن تمام شرکاء سفارشی غائب ہوجائیں گے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔:

وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ. (سورہ یونس:۳۰)

اور یہ لوگ اللہ کی طرف سے جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا کرتے تھے سب ان سے غائب ہوجائیں گے۔

قیامت کے دن جبکہ مشرکین اپنے شرکاء کے ساتھ، تابعین اپنے متبوعین کے ساتھ، متکبرین کمزوروں کے ساتھ، گمراہ کرنے والے گم کردہ راہ افراد کے ساتھ میدان حشر میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان تمام سے بغیر کسی تعین کے پوچھے گا کہ آج کے دن کا مالک کون ہے؟ تو تمام کے تمام بیک آواز یہ جواب دیں گے کہ اللہ۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ،وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ. (سورہ انفطار:۱۹)

(وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا، اور (تمام تر) احکام اس روز اللہ کے ہی ہوں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے انسانوں کو اپنے مکر وفریب اَور کارستانیوں کے ذریعہ گُمراہ کیا۔

لوگوں کو گمراہ کرنے والے سربرآوردہ، معزز اشخاص اور اولیاء وعلماء ہوتے ہیں جو خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ لوگوں کو اپنی وجاہت، احکام مسلسل، مکر وفریب اور اپنی بے سروپا باتوں کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں اور جاہل وکمزور عقیدہ کے حامل افراد انکا اتباع کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اسلئے انجام دیتے ہیں کہ انہیں ان کے ذریعہ خیر وفلاح کی امید ہوتی ہے ان کی برکت اور وسیلہ سے مصیبت وپریشانی کے رفع کا یقین ہوتا ہے۔ یہ لوگ ان ہی گمراہ لوگوں سے بغیر سوچے سمجھے دین حاصل کرتے ہیں اور کبھی اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ کتاب وسنت سے دین حاصل کریں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآئَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا. رَبَّنَآاٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا.

(سورہ احزاب:۸-۷)

اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْتَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا. وَاَسَرُّوْا النَّدَامَةَ

(اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ ان متکبروں سے کہیں گے، (نہیں نہیں) بلکہ دن رات مکر وفریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ . وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ، هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ.
(سورہ سبا:۳۳)

کرنے کا تمہارا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث ہوا، اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے، اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے انہیں صرف ان کے کئے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

بلکہ اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر پیروکار عذاب کو دیکھ کر اپنے متبوعین پر لعنت بھیجیں گے اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَاداً یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ،وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعاً وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ. اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ. وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ کَمَا تَبَرَّؤُا مِنَّا کَذٰلِکَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ. وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ.

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ مشرک لوگ جانتے جبکہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے۔

(سورہ بقرہ:۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷)

درج بالا آیات کے حقائق کو ہم سوال و جواب کے اسلوب کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے

سوال (۱): اللہ کو چھوڑ کر لوگوں نے کس کو کیا بنایا اور کیوں بنایا؟

جواب: اس سوال کا جواب خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَاداً . — بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہراتے ہیں۔

جن لوگوں نے اللہ کا مدّ مقابل اور ہم سر بنایا ان لوگوں نے اپنے شرکاء سے ویسی ہی محبت کی جس طرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے۔ اور یہاں شرکاء سے مراد ان کے سربرآوردہ بڑے لوگ اور اولیاء ہیں جو دینی و دنیاوی امور میں اپنے ماننے والوں کی سربراہی کرتے ہیں اور ان کے ماننے والے ان سے محبت کرتے ہیں ان کی ہر معاملہ میں اطاعت کرتے ہیں اور ان کے ہر امر و نہی پر دین و شریعت سمجھ کر عمل کرتے ہیں اور ہر قسم کی عبادت کو جو صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے اپنے شرکاء کے لئے جائز اور روا سمجھتے ہیں جیسے دعاء، نذر، ان کے نام کی قسم اور ان کے لئے سجدہ ریزی۔ اور ان کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں ان سے اپنی ضروریات کی تکمیل کی درخواست کرتے ہیں اور ان سے خیر و برکت کے طلبگار ہوتے ہیں اور ان کی برکت اور وسیلہ سے آلام و مصائب کو دور کرتے ہیں، اور ان شرکاء نے اپنے چاہنے والوں کے دل میں یہ بات بٹھادی ہے کہ دنیا میں صلاح و فلاح ان ہی کے ہاتھ میں ہے اور آخرت میں شفاعت اور نجات کی شاہ کلید کے وہی مالک ہیں۔ پس یہ لوگ جو خود گمراہ ہیں نت نئے ہتھکنڈوں میٹھے بول اور چرب زبانی کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں اور ان کے ماننے والے ان کی ہر بات میں تقلید کرتے ہیں تو اندھی محبت اس کی وجہ ہوتی ہے یا خوف و دہشت اس کا سبب ہوتا ہے یا روزی روٹی وغیرہ کی مصلحت اس کے پسِ پشت ہوتی ہے یا اس کے پس پردہ

آخرت میں شفاعت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔:

سوال (۲): اپنے شرکاء کے ساتھ کافر کی محبت اور اللہ کے ساتھ مومن کی محبت میں کیا فرق ہے؟

جواب: اس کا جواب خود آیت قرآنی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُباً لِلّٰهِ. اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں

مومن کی محبت اللہ تعالیٰ سے خالص سچی اور بے ریا ہوتی ہے اس لئے کہ مومن کسی بھی آن اور کسی حالت میں چاہے تنگی ہو یا خوشحالی، مصیبت ہو یا شادمانی اللہ کی محبت کا جوا اپنے کاندھے سے نہیں اتارتا اور اللہ کے علاوہ کسی اور کی محبت کو دل میں راہ نہیں دیتا۔ برخلاف ان لوگوں کے جو غیر اللہ کو اللہ کا مدّ مقابل بناتے ہیں وہ جب ضرورت ہوتی ہے تو قبروں میں مدفون اپنے اولیاء اور پیر و بزرگ کو پکارتے ہیں اور ان سے اپنی حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں اور جب ضرورت پوری ہو جاتی ہے یا امید بر آتی دکھلائی نہیں دیتی تو ان سے تمام ناطے رشتے توڑ لیتے ہیں اور پھر کسی اور در پر حاضری دیتے ہیں۔ ان کی محبت اور امنگوں کی مرکز کبھی یہ قبر ہوتی ہے اور کبھی وہ۔ کبھی ایک کی عبادت و پرستش اور پھر کبھی دوسرے کی اور اس پر طُرّہ یہ کہ وہ اپنے اس فعل اور اپنے شرکاء کی اس عبادت کو عبادت کا نام دینے سے گریز کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف مومن کا دل اللہ کی محبت سے پُر ہوتا ہے اور وہ مذکورہ گروہ کی طرح ہرجائی نہیں ہوتا بلکہ اس کی تمام تر وفاداریاں صرف خدا کے بزرگ و برتر کے ساتھ ہوتی ہیں اور اس کی محبت کا مرکز صرف ذات الٰہ ہوتی ہے وہ اپنے ارادہ اور اختیار کو اللہ کی مشیت کے تابع کر دیتا ہے اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام دو تو وہ کام انجام دیتا ہے اور جب اس کام کی انجام دہی سے روکدیا جاتا ہے تو وہ یک لخت رک جاتا ہے اور اس کے پیچھے صرف اللہ کی محبت، تقرب اور اسکی رضا جوئی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کی اطاعت، اس کی

محبت اور اس کی عبادت خالص ہوتی ہے اس میں شک کا ذرہ برابر شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ جب مومن اللہ کے سامنے اپنی عاجزی، فروتنی اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے اس کے سامنے جھکتا ہے اور جب عبادت کرتا ہے تو اس کی بنیاد توحید خالص اور محبت خالص ہوتی ہے اور وہ اپنے اس عمل کو بغیر کسی تردد اور پس وپیش کے عبادت کا نام دیتا ہے۔ وہ ہر وقت ان اعمال کی جستجو میں رہتے ہیں جن سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی ذات اور کائنات کی ہر چیز سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کی اس خالص اور ناپیدا کنار محبت کا محور نہ قبر ہوتی ہے اور نہ پیر و بزرگ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ۔ جو قلوب کے اسرار سے واقف ہے۔ نے اپنی ذات سے مومن کی محبت کے بارے میں خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ مومنوں کی محبت اللہ کی ذات سے، مشرکین کی اپنے شرکاء سے محبت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔

سوال (۳): شریک بنانے والے کیا دیکھیں گے اور شرک کو ظلم کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔:

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ. (سورہ بقرہ:۱۶۵)	کاش کہ مشرک لوگ جانتے جبکہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔

ظلموا سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی مخلوق کو اللہ کا شریک اور مدّ مقابل بنالیا۔ کاش کہ ان لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ اللہ قادر مطلق ہے اور اعمال پر اجر وثواب اور سزا صرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے اور اس میں ان کے شرکاء کا ذرہ برابر کوئی اختیار نہیں ہے جبکہ وہ مکمل طور پر بے دست و پا ہیں اور وہ اللہ کے عذاب سے اپنے ماننے والوں کو بچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ پاک ارشاد ہے:

وَاِذْ یَتَحَاجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُ لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ.

(سورہ غافر: ۴۷)

اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر والوں سے (جن کے یہ تابع تھے) کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟

اس وقت ان تمام باطل وپُر فریب دینی چودھراہٹ کی قلعی کھل جائے گی جس کی لوگ دنیا میں پیروی کرنا کارِ خیر اور ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ اور شرک کو ظلم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں صاحب حق کا حق دوسروں کو دیا جاتا ہے کیوں کہ جو شخص شرک کرتا ہے وہ اللہ کا حق مخلوق کو دیتا ہے، وہ عبادت جو صرف خالق کا حق ہے اس کو مخلوق کے لئے روا سمجھتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

دوسری فصل

ارباب

احبار اور رہبان اور ان جیسے لوگوں کو اللہ کے علاوہ رب بنانے کی ممانعت

ارشادِ ربانی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ، وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ،سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ.

(سورہ توبہ:۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

درج بالا آیت کی روشنی میں ہم ان بیان کردہ حقائق کی طرف نشاندہی کی کوشش کریں گے اور اس کے لئے سوال و جواب کا طریقہ اختیار کریں گے۔

سوال نمبر (۱): ارباب سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کی قوم میں ان کا کیا مقام ہے؟ اور ان کی کیا نیت تھی اور وہ لوگ ارباب کس طرح بن گئے؟ کیا ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم خالق ہیں یا یہ کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری عبادت کرو اور کیا وہ لوگ اپنے اس عمل کو عبادت کا نام دیتے تھے؟

جواب: جیسا کہ آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں نے اپنے دینی و روحانی

پیشواؤں (احبار) کو اور عیسائیوں نے اپنے دین و روحانی پیشواؤں (رہبان) کو رب بنالیا اور یہ لوگ دنیا سے بالکل لاتعلق ہو گئے یہ سمجھ کر کہ عبادت کے لئے اور تقویٰ اور اصلاح میں اضافہ کے لئے دنیا سے کنارہ کشی ضروری ہے اس لئے انہوں نے رہبانیت اختیار کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَرَهْبَانِيَةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ. (سورہ حدید: ۲۷)

ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی، ہم نے ان پر حساب واجب نہ کیا تھا۔

اور اس سلسلہ میں ان کی نیت بھی صحیح تھی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے

إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ

سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔

(سورہ حدید: ۲۷)

لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ تقرب کے حصول کے وہی ذرائع صحیح تصور کئے جائیں گے جو قرآن وسنت سے ثابت ہوں۔ ایجاد بندہ اور احبار و رہبان کے ایجاد کردہ طریقے تقرب الٰہی کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ کیوں کہ تقرب الٰہی کے حصول کے لئے کوئی طریقہ ایجاد کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کے علاوہ ان کو بھی قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ وہ جس طرح چاہیں عبادت کا، اعمال کا اور دعاؤں کا کوئی طریقہ ایجاد کر سکیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے دینی پیشواؤں کی اس امر میں اطاعت کی کہ انہوں نے اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دیا اور ان کے ماننے والوں نے حلت و حرمت میں شریعت کو چھوڑ کر اپنی مذہبی عبادت کی وجہ سے وہ مشرک قرار پائے اور احبار و رہبان اپنی اس قانون سازی کی وجہ سے ارباب بن گئے حالانکہ ان احبار و رہبان نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ کائنات کے معبود ہیں اور کائنات اور آسمان و زمین کے امور میں تصرف کرتے ہیں اور نہ انہوں نے اپنے ماننے والوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا بلکہ ان کا صرف یہ عمل تھا کہ انہوں

نے اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیا تھا اور اہل کتاب نے اس عمل میں ان کی اطاعت کی تھی۔ اور قرآن پاک نے ان کی اسی اطاعت کو عبادت کا نام دیا اور ان کے احبار و رہبان کو ارباب کہا اور اہل کتاب نے ان کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ان کو وسیلہ اور ذریعہ بھی بنایا اور پھر اس میں آگے بڑھ کر انہیں گناہوں کو بخشنے کا حق بھی مرحمت فرمادیا جس کو چاہیں رحمت حق سے نواز دیں اور جس کو چاہیں رحمت خداوندی سے محروم کردیں حالانکہ گناہوں کو بخشنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (سورہ آل عمران:۱۳۵)

پس وہ اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟۔

اور اہل کتاب کے یہاں پوپ کی عصمت کا تصور اور ہر قسم کی عبادت اور تحلیل و تحریم میں ان کی اطاعت کے ضروری اور لابدی ہونے کے باوجود اہل کتاب اپنے اس فعل کو اپنے مذہبی پیشواؤں کی عبادت سے تعبیر نہیں کرتے ہیں بلکہ برملا کہتے ہیں کہ ہم اسی طرح اللہ اور مسیح ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے :

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. (سورہ توبہ:۳۰)

اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔

اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ عمل عبادت ہے۔ عدی بن حاتم جو نصرانی تھے اور پھر مشرف بہ اسلام ہوئے، بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سورہ برأت کی آیات تلاوت فرما رہے تھے جب آپ مذکورہ بالا آیت پر پہونچے تو عدی بن حاتم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ اللہ کی حلال کردہ شئی کو وہ حرام قرار دیتے تھے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو وہ حلال قرار دیتے تھے تو تم اس کو

حلال سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا ہاں ہم لوگ ایسا کرتے تھے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی ان کی عبادت ہے۔

تو اے ہمارے مسلمان بھائیو! یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اگر کسی عالم، کسی عابد یا کسی ولی صالح کو اللہ کے علاوہ دین میں قانون سازی کا حق دیدیا گیا اور اس میں ان کی اطاعت کی گئی تو یہی ان کو ربّ بنانا ہے اور ان اشخاص کو ربّ العالمین کے ہمسر قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ.

(سورہ اعراف:۳)

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اس لئے کہ یہ بات قرآن پاک کی آیات سے ثابت ہے کہ قانون سازی کا حق صرف خدا کو ہے اور حضور اکرم ﷺ مبلّغ ہیں اور علماء اس کے شارح ہیں۔ شارع نہیں ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ.

(سورہ مائدہ:٦٧)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ.

(سورہ نحل:۴۴)

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں۔

تیسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سورہ جاثیہ:۱۸)

سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں۔

تو اگر غیر اللہ کو پکارے یا اس سے ایسی چیز کا طلبگار ہو جو مخلوق کے بس میں نہ ہو یا اس کو سجدہ کرے یا اس کے تقرب اور خوشنودی کے حصول کے لئے جانور ذبح کرے اور اس جانور پر اس کا نام لے یا اس کی قبر کا طواف کرے اور اس کو چھوئے اور اس کا بوسہ لے جیسا کہ شریعت کے احکام سے ناواقف بعض لوگ بزرگوں کی قبروں کے پاس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے ان اعمال کے ذریعہ اللہ کے علاوہ ان کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں اور اگر ان کا یہ اعتقاد ہو کہ رزق اور بندوں کے معاملات کے اختیارات ان کو حاصل ہیں تو ایسے عقائد کے حامل افراد نے ان کو رب بنالیا۔ ہم اللہ کی اس بات سے پناہ چاہتے ہیں کہ کسی کو ربوبیت اور الوہیت میں اللہ کا شریک قرار دیں۔ بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے دین کو خالص رکھتے ہیں اور اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِىْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ.

(سورہ زمر:۳)

خبر دار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔

سوال (۲): اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو کس چیز کا حکم دیا تھا اور انہوں نے کیا کیا؟ اور ان

کو کس نام سے موسوم کیا، اور کیا آج بعض مسلمان وہی کام کرتے ہیں جو یہود ونصاریٰ کیا کرتے تھے؟ اور کیا ان پر اسی حکم کا انطباق ہوگا جو حکم یہود ونصاریٰ پر منطبق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آیت میں جو بیان کیا ہے کیا اسلئے کہ ہم اہل کتاب کی اتباع کریں یا اس لئے کہ ہم ان امور کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔؟

جواب: قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (سورہ توبہ:۳۱)

حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

یہود ونصاریٰ نے اپنی قوم کے عبادت گذاروں اور نیک کاروں کو اور مذہبی پیشواؤں کو اللہ کے سوا کر رب بنالیا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب اور الٰہ بنالیا حالانکہ توراۃ میں حضرت موسیٰ کے ذریعہ اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو ایک خدا کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا اور وہی ان کا رب اور ہر چیز کا رب ہے اور ان کا مالک بھی ہے کیوں کہ شرعی اور عقلی لحاظ سے اللہ کے علاوہ کوئی رب اور معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" اور اللہ تعالیٰ نے احبار اور رہبان کو رب کے مترادف قرار دیا کیوں کہ تحلیل وتحریم کو وہ اپنے لئے جائز سمجھتے تھے اور جن لوگوں نے ان امور میں ان کی اطاعت کی اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرک قرار دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "سُبْحَانَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" اور آج بعض مسلمانوں کا کم وبیش تحلیل وتحریم کے معاملہ میں اپنے دینی ومذہبی پیشواؤں کے ساتھ وہی معاملہ ہے بلکہ دو قدم اور آگے بڑھے ہوئے ہیں اور وہ اس طرح کہ زندگی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کی عبادت کرتے ہیں اور جن غیر شرعی باتوں کی انہوں نے اپنے پیروؤں کو تلقین کی ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علماء ومشائخ غیبی قوت کے مالک ہوتے ہیں اور نفع ونقصان ان کے ہاتھ میں ہے یہ حیثیت ان کو یا تو مستقل بالذات حاصل ہے یا واسطہ وشفاعت کے ذریعہ۔ حالانکہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ:

اتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ.	تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔
(سورہ اعراف:۳)	

اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے مشرکانہ اعمال کا تذکرہ قرآن شریف میں اس لئے فرمایا ہے کہ ہم ان کے نقش قدم پر نہ چلیں اور شرک وگمراہی کے جس دلدل میں وہ جا پھنسے ہیں ہم اس سے بچیں، یہود ونصاریٰ اور ان کے اعمال ہمارے لئے سامان عبرت ہیں تاکہ ہم عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمادے کہ کون سی چیز تمہارے لئے حلال ہے اور کون سی شئی حرام۔ تاکہ تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی، اور تمہیں انبیاء اور اپنے نیک بندوں کے طریقے بتلاتا ہے کہ ان پر عمل پیرا ہوکر کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہو جاؤ۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ.	اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔
(سورہ نساء:۲۶)	

فرشتوں اوراور انبیاء کرام کو اللہ کے بجائے الٰہ اور رب بنانے کی ممانعت

ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ.

(سورہ آل عمران:۷۹)

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہوجاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔

مذکورہ آیتوں میں جن امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، سوال وجواب کی صورت میں ہم ان باتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

سوال (۱): انبیاء کرام اور اللہ کے رسولوں کے لئے کیوں ناممکن ہے یہ بات کہ وہ لوگوں کو اس بات کی دعوت دیں کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ، اور انبیاء کرام کی دعوت کیا تھی اور ان کا پیغام کیا تھا؟

جواب: اس سوال کا جواب خود قرآن پاک کی درج ذیل آیت میں ہے۔:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (سورہ آل عمران:۷۹)

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

یعنی کسی ایسے انسان کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے نوازا ہو اس پر وحی آئی ہو اور اس پر کتاب نازل ہوئی ہو، یہ تصور ہی ناممکن ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دے چاہے یہ عبادت مستقل بالذات انبیاء کرام کے لئے ہو یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ان کی بھی عبادت ہو، چاہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ہو یا حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہو یا دیگر انبیاء کرام ہوں۔ کیوں کہ تمام انبیاء کرام نے صرف اسی بات کی دعوت دی ہے کہ صرف اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (سورہ انبیاء:۲۵)	تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

بلکہ تمام انبیاء کرام نے جن الفاظ سے اپنی دعوت کی ابتدا کی ہے قرآن پاک نے ان کو یوں بیان فرمایا ہے۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. (سورہ اعراف:۷۳)	انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔

تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی قوموں کو اسی کی دعوت دی اور اسی کا حکم دیا کہ صرف خدا ہی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اپنی قوم سے یہ بات کھول کھول کر بیان کر دیں کہ عبادت اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ خالص اللہ کے لئے ہو اور اس میں دوسروں کے لئے عبادت کا شائبہ تک نہ ہو اس طور پر کہ اللہ کے سوا نہ کسی سے مانگا جائے اور نہ اس کے سوا کسی کو پکارا جائے۔ جس طرح انبیاء کرام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی قوم سے یہ بات وضاحت کے ساتھ کہدیں اسی طرح اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی دیا

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔:

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّیْنَ . وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ.

(سورہ زمر:۱۲-۱۱)

آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص کرلوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِاللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّیْنُ. اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ، اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ.

(سورہ زمر:۳)

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔

سوال (۲): حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو کس چیز کا حکم دیا اور انسان ربانی (اللہ والا) کس طرح بنتا ہے اور وہاں تک پہونچنے کا کیا راستہ ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب قرآن پاک کی اس آیت میں موجود ہے، آیت یہ ہے:

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. (سورہ آل عمران:۷۹)	بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔

حضور اکرم ﷺ ان لوگوں کو جن کو حکم اور کتاب دی گئی ہے، یہ حکم فرما رہے ہیں کہ تمہارا انتساب ربّ کی طرف بلا واسطہ ہونا چاہئے، ایسا انتساب جس میں ذرہ برابر بھی کسی کا واسطہ اور وسیلہ نہ ہو اور خدا تک بلا واسطہ پہونچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو پڑھو اور اس کا بہ غور مطالعہ کرو۔ اسلئے کہ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد جب انسان عمل کرے گا تو وہ حقیقی ربانی (اللہ والا) بنے گا اور وہ مقبول عند اللہ ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ سے تقرب کا ذریعہ اللہ کی کتاب ہی ہوسکتی ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (سورہ آل عمران:۱۵۵)	اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی، سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔

اور رسول اکرم ﷺ اللہ کی کتاب کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. (سورہ مائدہ:۶۷)	اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ کسی شخص کے لئے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے رسول ﷺ کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے بلکہ اللہ کے رسول، اللہ کی طرف سے جو لے کر آتے ہیں اس کو وسیلہ اور ذریعہ بنا کر ہی اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے اس لئے کہ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(سورہ آل عمران:۳۱)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

(سورہ حشر:۷)

اور تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے، رک جاؤ۔

سوال نمبر(۳): کیا رسول نے اللہ کو چھوڑ کر فرشتوں اور انبیاء کرام کو رب بنانے کا حکم دیا؟ اور کیا جو بات فرشتوں اور انبیاء کرام کے لئے صحیح اور جائز نہیں ہوسکتی وہ اولیاء کے لئے صحیح ہوسکتی ہے۔ ان امور کی وضاحت آیت کے شان نزول کے ساتھ ذیل میں ذکر کی جارہی ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب قرآن پاک کی اس آیت میں موجود ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا.

(سورہ آل عمران:۸۰)

اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالیں کا حکم کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ

تمہارے بھیجے گئے نبی اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کا حکم نہیں دے سکتے چاہے معزز فرشتہ ہو یا مبعوث رسول ۔ اے مسلمانو! جب کوئی نبی اور کوئی فرشتہ اس لائق نہیں ہوسکتا کہ اس کی عبادت کی جائے تو بدرجہ اولیٰ اولیاء اور صالحین عبادت کے لائق نہیں ہو سکتے ۔ آیت میں جب اس قدر صراحت موجود ہے تو پھر اللہ کو چھوڑ کر اولیاء کرام اور صالحین کی عبادت کرنا اور اس پر اصرار کرنا اللہ کے مقابلہ میں بڑی جرأت اور گستاخی کی بات ہے۔ نعوذ باللّٰہ من ذالک ، حضور ﷺ دنیا کے تمام انسانوں کو غیر اللہ کی عبادت سے تاحیات روکتے رہے، آپ ﷺ نے قریش کو فرشتے اور صالحین (اللہ کے نیک بندوں) کی عبادت سے روکا اور یہود ونصاریٰ کی آپ ﷺ نے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت اور پرستش سے روکا، آپ نے مسلمانوں کو اس بات سے بھی روکا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں اور اللہ کے علاوہ آپ کی عبادت کریں اور آپ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ سجدہ بھی عبادت ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۱) آیت کا شان نزول: علاقہ نجران کے یہودی اور عیسائی علماء حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں؟ اہل نجران میں سے ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا کہا کہ اے محمد (ﷺ) کیا آپ وہی چاہتے ہیں (جس کا تذکرہ ابھی ہوا ہے) اور اس کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: خدا کی پناہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کریں یا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کا حکم دیں، اس کام کے لئے اللہ نے مجھے نبی نہیں بنایا ہے اور نہ اس کا حکم دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ...الخ

(۲) حضرت حسن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو سلام کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح ہم میں سے بعض ایک دوسرے کو سلام

کرتے ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں تا کہ آپ کی خصوصیت محسوس ہو۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے سجدہ نہ کرو لیکن اپنے نبی کی عزت کرو اور صاحب حق کا حق پہچانو اسلئے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ صحیح نہیں ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَاکَانَ لِبَشَرٍ...الخ

شانِ نزول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جن لوگوں نے حضور ﷺ کو سجدہ کرنا چاہا یا جن لوگوں کا یہ گمان تھا کہ حضور ؐ اپنی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کا گمان غلط تھا اور ان کی خواہش غلط تھی۔ حضور ﷺ نے سختی سے اس کی تردید فرمادی اور فوراً قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی جس میں اس کی مزید وضاحت کردی گئی کہ عبادت کے لائق صرف خدا کی ذات ہے انبیاء کرام اور فرشتے بلند مرتبہ ہونے کے باوجود اس لائق نہیں ہیں۔

سوال نمبر (۴): اللہ کو چھوڑ کر فرشتوں اور انبیاء کرام کو رب تسلیم کر لینا اگر کفر ہے تو کیا رسول اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا؟

جواب: اس سوال کا جواب بھی آیت قرآنی میں موجود ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (سورہ آل عمران:۸۰)

کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی سے ان باتوں کی نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ نبی نے اپنی امت کے کسی فرد کو نہ یہ حکم دیا اور نہ ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ کے بجائے ان کو سجدہ کریں یا ان کی عبادت کریں۔ اس طرح کی بات کسی نبی سے سرزد ہونا ناممکن اور محال ہے اس لئے کہ یہ ایمان اور اللہ کی مکمل اطاعت کے بعد کفر اور مکمل گمراہی کی بات ہے اور اللہ کا رسول ایمان ویقین کی دعوت دیتا ہے نہ کہ کفر اور گمراہی کی۔ تو جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی سے ایسی بات کا سرزد ہونا محال اور ناممکن ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اللہ کے کسی ولی کی زبان سے ایسی

بات نہیں نکل سکتی کیوں کہ اولیاء اللہ، نبی کے حکم کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی کوئی بات سنت رسول کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس لئے آج تک اللہ کے کسی ولی کی زبان سے یہ بات نہیں سنی گئی کہ انہوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے یہ کہا ہو کہ اے لوگو! میں اللہ کا ولی ہوں اور مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تمہاری ضروریات پوری کر سکتا ہوں۔ اسلئے تم مجھے سجدہ کرو اور مرنے کے بعد میری قبر کا طواف کرو اس سے برکت حاصل کرو پھر کوئی بھی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے طلب کیا کرو اور میں تمہارے اور خدا کے درمیان وسیلہ اور ذریعہ ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسی باتوں کا حکم دیتا ہے تو قرآن پاک کی مذکورہ آیت کے مطابق ایمان کے بجائے کفر کی دعوت دیتا ہے اور کفر وضلالت کا حکم دیتا ہے اور اس کا یہ عمل رسول اکرم ﷺ کی دعوت اور قرآن پاک کے احکام کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے:

اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ (سورہ آل عمران:۸۰)

کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

بلکہ اس طرح کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں اور شیطان نے ان کی گمراہی اور بے دینی کو ان کے سامنے ایسا مزین کر کے پیش کیا ہے کہ وہ لوگ اسی میں مگن ہیں۔ ایسے ہی لوگ اپنے جیسے انسانوں کی پرستش کرتے ہیں اور دین سے ناواقف لوگ ان لوگوں کے مکر وفریب میں مبتلا ہو کر ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ان کی یہ ساری کوششیں رائیگاں گئیں اور ان کے کئے پر پانی پھر گیا اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، دین نہیں تھا بلکہ سراپا بددینی اور گمراہی تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

افحسب الّذین کفروٓا ان یتّخذوا عبادی من دونی اولیآء انّآ اعتدنا جھنم للکفرین نزلا. قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا. الذین ضلّ سعیھم فی الحیوۃ الدّنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا. اولٰئک الذین کفروا بایٰت ربّھم ولقآئہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا.

(سورہ کہف:۱۰۲تا۱۰۵)

کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ (سنو) ہم نے ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ کہہ دیجئے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمہیں بتادوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہوگئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا، اس لئے انکے اعمال غارت ہوگئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔

تیسری بات: مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان وہ عقیدہ جو یکساں ہے وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کو معبود، شریک اور رب نہ بنائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

قل یٰاھل الکتٰب تعالوا الٰی کلمۃ سوآء بیننا وبینکم الّا نعبد الّا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتّخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانّا

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس

مُسْلِمُوْنَ. (سورہ آل عمران:۶۴)

میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

سوال و جواب کی شکل میں ہم درج بالا آیتوں کی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

سوال نمبر(۱): درج بالا آیت کا کیا مفہوم ہے اور اس میں بیان کردہ امور کا کیا مقام ہے اور کیوں؟

جواب: مذکورہ آیات قرآنی میں دین کے بنیادی امور کا تذکرہ ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ آیتیں وضاحت کے ساتھ بغیر کسی ایچ پیچ کے اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ عبادت، دعا کی مستحق ذات صرف ذات خداوندی ہے اور انسان یا اور کوئی دوسری مخلوق ہرگز ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ اس کو معبود، شریک اور ربّ تسلیم کیا جائے یہ وہ یکساں بات ہے جس کا ذکر قرآن، انجیل اور تورات میں بغیر کسی کمی و زیادتی کے موجود ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے روم کے گورنر ہرقل کے نام جو مکتوب روانہ فرمایا تھا اس دعوتی مکتوب میں مذکورہ آیت کو سرنامہ بنایا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا جیسا کہ بخاری کی روایت ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. من محمد بن عبداللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم .سلام علی من اتبع الھدی. اما بعد، فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام ، اسلم تسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین. یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی

اللہ کے نام سے جو نہایت مہرباں اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے روم کے گورنر ہرقل کے نام، اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم مسلمان ہو جاؤ تو محفوظ ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم اسلام کی دعوت سے

كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ.

(سورہ آل عمران:۶۴)

روگردانی کروگے تجھ پر ان سب کسانوں کا وبال ہوگا جو تیری رعایا ہیں۔اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

سوال نمبر(۲): مسلمانوں اور اہل کتاب میں یکساں تین امور کی وضاحت کیجئے جن کا ذکر قرآن پاک میں انجیل میں اور تورات میں ہے اور جن کی یکسانیت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے؟

جواب: وہ تین امور جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مشترک ہیں، یہ ہیں۔

(۱) اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی اور عبادت نہ کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

(۳) اللہ کو چھوڑ کر ہم میں سے بعض بعض کو رب نہ بنائیں۔

امر اول کی تشریح: اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی اور عبادت نہ کریں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تمام عبادتوں کا محور صرف خدا کی ذات واحد ہو اور ہم جب عبادت کریں تو دل میں صرف خدا کی ہی عبادت کی نیت ہو۔ مکمل اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کریں اور عبادت کو اللہ کے علاوہ کسی کیلئے بھی جائز اور صحیح نہیں سمجھیں اور نہ کسی اور کے لئے (اللہ کے علاوہ) عبادت کے اس مقدس فعل کو انجام دیں اور یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اہل کتاب کی عبادت یہ تھی کہ اپنے ہی جیسے انسانوں کو پکارتے تھے اور ان سے مانگتے تھے اور ان کی بے پاں تعظیم کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ واضح

فرمادیا ہے کہ ''دعاء'' بھی عبادت ہے۔ارشادخداوندی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ،إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ. (سورہ غافر:۶۰)	اورتمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقین مانو کہ جولوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے درج بالا آیت میں اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ جولوگ دعا میں تکبر کی روش اختیار کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔یعنی دعا میں تکبر کی روش پر انسان جہنم کا مستحق ہوتا ہے تو وہ انسان جو اللہ کے علاوہ کسی نبی، ولی اور کسی دوسری شئے سے مانگے اور اس سے دعا کرے تو اس کا انجام بد کیا ہوگا، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنا کہ جب صرف تیری عبادت کی دعوت دی جائے تو انکار کردیں اور جب شرک کی دعوت دی جائے تو فوراً سر تسلیم خم کردیں۔ارشادخداوندی ہے:

ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ. (سورہ غافر:۱۲)	یہ (عذاب) تمہیں اس لئے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان یہی یکساں بات اور یکساں عقیدہ یہ ہے کہ ہم غیر اللہ کو چاہے وہ انسان ہو یا کوئی اور چیز، معبود نہ بنائیں۔

امر ثانی: آیت بالا کے دوسرے جزء ''وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا'' کی توضیح

آیت کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور حکم میں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ

کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم یہ نہیں کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے تھے اور نہ یہ کہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے۔ اور اسی طرح دعا اور عبادت میں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں، چاہے وہ رسول ہو، نبی ہو، ولی ہو، راہب ہو، فرشتہ ہو، اور نہ بت، صلیب، قبر، درخت اور کسی چیز کو کسی بھی نام سے چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان، خدا کا شریک نہ بنائیں اور اسی طرح حکم میں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں تو یہ خیال باطل اور غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام یا ان کے علاوہ دوسری مقرب شخصیتیں اللہ کی شریک ہیں جو سفارش کرتی ہیں اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان وسیلہ کا مقدس فریضہ انجام دیتی ہیں اور ان کی ضروریات پوری کرتی ہیں یا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کی خاطر اور ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کر کے فلاں شخص یا اشخاص کی ضروریات و حاجات پوری فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدہ اور گمان کی قرآن پاک میں مکمل نفی فرمادی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَالَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔ (سورہ کہف:۲۶)

سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ فرمادیا، اپنی مخلوق کے بارے میں وہ فیصلہ اٹل ہے اور وہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ کسی رسول، نبی فرشتہ اور ولی کو چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ، اللہ کے قضا وقدر اور حکم میں دخل اندازی کا ذرہ برابر بھی حق حاصل نہیں ہے اور نہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس حکم میں اللہ تعالیٰ سے تبدیلی کا مطالبہ کریں۔ اسلئے کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ۔ (سورہ انبیاء:۲۳)

وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔

اور دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے:

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْد. جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔

(سورہ بروج:۱۶)

اللہ کے یہ نیک اور برگزیدہ بندے ان دعویداروں سے زیادہ بلکہ بہت زیادہ اس بات سے واقف ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے شریک اور مدّ مقابل نہیں ہیں۔ اوران کے فخر کے لئے یہ مقام ومرتبہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرف عبدیت سے نوازا ہے۔اور بندے کو کبھی یہ قدرت حاصل نہیں ہوسکتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات کے احکام کے سلسلے میں دوسرے احکام کے نفاذ میں مجبور کرے۔اس لئے کہ تمام انبیاء کرام اور صالحین اور رسولوں کے سردار حضور اکرم ﷺ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کی ہمیشہ صراحت کرتے ہیں کہ تمام امور اور معاملات کے مکمل اختیارات صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی کو بھی یہ اختیارات جزوی طور پر بھی حاصل نہیں، کُلّی اختیارات تو دور کی بات ہیں۔ بلکہ ان پر فرض یہ ہے کہ وہ دوسری امتوں کی طرح اخلاص کامل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے علاوہ اپنے معاملات کو کسی اور کے سپرد نہ کریں اور نہ اللہ کے علاوہ کسی پر تکیہ اور بھروسہ کریں، چاہے وہ شخصیت کوئی بھی ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ.

(سورہ ہود:۱۲۳)

زمینوں اور آسمانوں کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، تمام معاملات کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

یعنی دعا، عبادت اور حکم میں کسی بھی شئی کو چاہے وہ انسان ہو یا پتھر یا کوئی اور شئی ہو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں۔اور یہ عقیدہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان مشترک ہے جس کا ذکر

قرآن پاک انجیل اور تورات میں ہے اور بنیادی عقیدہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔

پس آیت قرآنی کے دوسرے حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان جو بات مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ''اللہ کے ساتھ کسی کو بھی چاہے وہ انسان ہو یا کچھ بھی ہو شریک نہ ٹھہرائیں۔''

امر ثالث: آیت کے تیسرے جزء **وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** کی تشریح:

مسلمان ہو یا اہل کتاب وہ اس سلسلے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا اور اس کا عذر اللہ کی بارگاہ میں قبول نہ ہوگا کہ وہ اپنے لئے اللہ کے علاوہ کسی کو رب بنالے اس دلیل کی بنیاد پر کہ وہ ایسے علماء ہیں جن کو علم میں رسوخ حاصل ہے اور وہ عبادت گذار اور متقی ہیں اور اللہ کے نیک بندے ہیں حالانکہ وہ ہماری طرح انسان ہیں۔ اور رب ماننے اور تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی بات کو دین اور شریعت میں حجت اور دلیل تصور کریں اور کسی شئی کو حلال اور حرام قرار دینے میں ان کی بات اور ان کے حکم کو حرف آخر سمجھیں چاہے اللہ کا حکم اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کسی کو یہ حق دینا ہی قرآن کی نگاہ میں اس کو رب مان لینا ہے اور وہ شخص ربوبیت میں شرک کرنے والا سمجھا جائے گا۔ تو آیت قرآنی میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ اے اہل کتاب نہ تم اور نہ ہم مسلمان اللہ کے علاوہ کسی کو رب تسلیم کریں اس لئے کہ یہ شرک فی الربوبیۃ ہے جیسا کہ اللہ نے اپنی پاک کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ. (سورہ شوریٰ:۲۱)	کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے کہ:

وَلا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَّهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ.

(سورہ نحل:۱۱۶)

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو۔

اور قرآن پاک کی ہدایت اور حکم کے برعکس آج اہل کتاب اور بعض مسلمانوں نے اپنے بڑوں، مذہبی پیشواؤں اور اولیاء کو رب بنالیا ہے اور آنکھ بند کر کے ان کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہتے ہیں اور قرآن پاک اور حدیث کی طرف رجوع ہونے کی ان کو ذرہ برابر بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے سختی سے روکا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ.

(سورہ اعراف:۳)

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اور بصیرت سے محروم لوگ یہ کہتے ہیں کہ نجات کا دارومدار ان ہی کے اتباع میں ہے۔ حالانکہ قرآن پاک نے سختی سے اس کی تردید کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا.

(سورہ نساء:۱۲۳)

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے، جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے۔

تو اے مسلمانو اور اے اہل کتاب! تم میں سے جو بھی کوئی ایسا کام کرے گا جو اللہ کی

نازل کردہ شریعت کے خلاف ہوگا وہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق سزا کا مستحق ہوگا۔ غلط کار کو کوئی سزا سے نہیں بچا سکے گا۔ اور نیکو کار کو ثواب کے حاصل کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ کوئی ذات ایسی نہیں ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق جزا و سزا سے اللہ کو روک سکے اور اس کے قانون کے درمیان حائل ہو نہ کوئی نبی، نہ رب، اور نہ کوئی ولی جس کو لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر رب، ند (مد مقابل) اور معبود بنا رکھا ہے۔ اس مفہوم میں نہیں کہ ان کے اندر پیدا کرنے کی صلاحیت ہے بلکہ اس مفہوم میں کہ وہ شخصیتیں سفارش کرتی ہیں اور وسیلہ بنتی ہیں۔ یہ سب انکی غیر معقول ذہنی آرزوئیں تمنائیں اور تصورات ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور ان خیالات کی حقیقت سراب کی سی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کھلم کھلا اس قسم کے عقیدے کو باطل قرار دیا ہے اور اس بات کو بار بار واضح فرمایا ہے کہ نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ جس کے اعمال اچھے ہوں گے وہ کامیابی سے سرفراز ہوگا اور جس کے اعمال بُرے ہوں گے ہلاکت اس کے حصہ میں آئے گی۔ اور اس مسئلہ میں مسلمان اور اہل کتاب برابر ہیں اور جس کا ذکر قرآن پاک، انجیل اور تورات میں موجود ہے۔

پس قرآن پاک کی مذکورہ آیت کے تینوں حصوں سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں جو ہم میں اور اہل کتاب میں مشترک ہیں۔

(۱) **پہلی ہدایت:** اللہ کے علاوہ کسی کو بھی چاہے وہ انسان ہو یا کچھ اور معبود نہ بنائیں اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہ

(۲) **دوسری ہدایت:** اللہ کے ساتھ کسی کو بھی چاہے وہ انسان ہو یا کچھ اور، شریک نہ ٹھہرائیں اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ: ولا نشرک بہ شیئا

(۳) **تیسری ہدایت:** اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہ بنائیں چاہے وہ انسان ہو یا کچھ اور اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ: ولا یتخذ بعضنا بعضا ارباباً مّن دُوْن اللّٰہ

اگر ہم درج بالا آیت میں غور وفکر کریں تو ہم اس حقیقت تک پہنچیں گے کہ یہ آیت دین کی اساس اور بنیاد ہے۔ پس اگر اہل کتاب اور مسلمان اس آیت کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ان کے پاس اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اسکے برخلاف کی دلیل قرآن پاک تورات اور انجیل میں موجود ہے۔

چوتھی بات: عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ اور بعض مسلمانوں کے اولیاء صالحین کے ساتھ معاملہ میں مشابہت۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا غلو

اس مسئلہ کو ہم تین مرحلوں میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلا مرحلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور نشو ونما

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰہِ	اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی
کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ	مثال آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی
کُنْ فَیَکُوْنُ. (سورہ آل عمران:۵۹)	سے بنا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔

قرآن پاک کی درج بالا آیت سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس کو ہم سوال و جواب کے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

آیت کا شانِ نزول:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میرے علم میں یہ بات لائی گئی کہ اہل نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وفد میں نجران کے دو سردار سید اور عاقب بھی تھے۔ وفد نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے صاحب (بزرگ وقابل تعظیم) کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے صاحب کون

ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ عیسیٰ ابن مریم جن کے بارے میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ یہ سنکر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً وہ اللہ کے بندے ہیں اور کلمہ ہیں جس کا القاء اللہ نے حضرت مریم کی طرف کیا اور آپ کی روح ہیں۔ یہ سنکر وفد ناراض ہوگیا اور کہا کہ اگر آپ کی بات صحیح ہے تو کوئی ایسا بندہ دکھایئے جو مردوں کو زندہ کرتا ہو اور جذام میں مبتلا انسان کو اچھا کر دیتا ہو اور مٹی کا پرندہ بناتا ہو اور اس میں پھونک مار کر اس کو زندہ کر دیتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ وہ تو اللہ ہیں۔حضور اکرم ﷺ یہ سنکر خاموش ہوگئے۔فوراً حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اے محمد ﷺ عیسائیوں نے کفر کیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ، اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ، وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ.

(سورہ مائدہ:۷۲)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے ۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

پھر اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ وہ لوگ مجھ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظیر کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.

(سورہ آل عمران:۵۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہوگیا۔

سوال نمبر (۱): کیا یہ جائز ہے کہ حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کی جائے اور ان کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے صرف اس وجہ سے کہ توالد و تناسل کے عام طریقہ سے ہٹ کر ان دونوں حضرات کی پیدائش ہوئی ہے اور ان دونوں حضرات کے مقابلہ میں اولیاء کرام کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟

جواب: یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام طریقہ سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بغیر باپ کی ہوئی ہے لیکن یہ خصوصیت ایسی نہیں ہے جسکو بنیاد بنا کر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیں اور ان کی عبادت کریں اگر ان کو خدا ماننے اور ان کی عبادت کرنے کی بنیاد عام طریقہ سے ہٹکر بغیر باپ کے ان کی پیدائش ہے تو ان کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ حضرت آدم کی پیدائش بغیر ماں باپ کے مٹی کے ذریعہ اللہ کی قدرت کاملہ سے ہوئی ہے۔ دونوں حضرات کی پیدائش اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے اور اس میں اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا کہ وہ ان دونوں کی عبادت کریں یا ان کو وسیلہ بنائیں یا اللہ کے علاوہ ان کو پکاریں حالانکہ عام انسانوں کے مقابلہ میں ان کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ پس ان دونوں حضرات کے مقابلہ میں وہ اولیاء کرام جنکی پیدائش توالد و تناسل کے عام قاعدہ کے مطابق ہوئی ہے کس طرح اس بات کے مستحق ہو سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

پس اے مسلمانو! انبیاء کرام جن کا مقام و مرتبہ اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے ہمیں ان کی عبادت اور وسیلہ کا حکم نہیں دیا گیا ہے تو ایسے اشخاص کی عبادت اور وسیلہ کس طرح جائز ہوگا جن کا ذکر اور تعیین اللہ نے اپنی مقدس کتاب میں نہیں کی ہے نہ اس امت کے افراد کا اور نہ پچھلی امتوں کے افراد کی تعیین اولیاء اور صالحین کی حیثیت سے، بلکہ مسلمانوں کے سامنے ہمیشہ یہ حقیقت رہنی چاہئے کہ ہم تمام سے اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ اولیاء صالحین میں ولایت پر کسی

کی اجارہ داری نہیں ہے اور نہ اللہ کے اولیاء کی تعداد، ہر زمانہ کے لئے متعین ہے کہ اس کے علاوہ لوگ ولی بن ہی نہیں سکتے کیوں کہ کوٹہ مکمل ہو چکا ہے بلکہ اعمال صالحہ کے ذریعہ انسان اللہ کا مقرب بندہ بنتا ہے اور کون مقرب ہے اور کون راندہ درگاہ خداوندی ہے اس کا علم صرف خدا کی ذات کو ہی ہے۔

دوسرا مرحلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول کی حیثیت سے

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَسُولاً اِلٰی بَنِیٓ اِسْرَآئِیلَ اَنِّی قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْراً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَمُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ. اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ.

(سورہ آل عمران: ۵۱-۵۰-۴۹)

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا، کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں، اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور میں توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی

لایا ہوں، اس لئے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو
اور میری فرمانبرداری کرو۔ یقین مانو! میرا
اور تمہارا رب اللہ ہی ہے، تم سب اسی کی
عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

سوال وجواب کے طریقہ سے درج بالا آیت کی وضاحت

سوال نمبر (۱): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جو معجزات ظاہر ہوئے وہ کیا تھے اور ان کا مقصد کیا تھا؟ اور کرامت کا مقصد کیا ہے اور اگر ہم اس کی تصدیق کریں یا اس کی تکذیب کریں تو کیا ہمیں جزا وسزا دی جائے گی؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدائش کے عام طریقہ کے خلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اللہ نے آپ کو رسول بنایا اور آپ کے ہاتھ پر بہت سارے معجزات ظاہر ہوئے جیسے پرندہ کی پیدائش، نابینا اور جذامی کو اچھا کر دینا، گھر میں پوشیدہ چیزوں کی اطلاع، بغیر باپ کے پیدائش، بچپن میں گفتگو وغیرہ۔ ان تمام معجزات کی غرض یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان معجزات کو اپنی قوم کے سامنے اپنی نبوت اور رسالت کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کریں۔ اور یہ چیزیں آپ کی نبوت کے ثبوت ہیں نہ کہ آپ کی عظمت وجلال کے دلائل اس طور پر کہ آپ کی عبادت کی جائے اور اللہ کو چھوڑ کر آپ کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے اور اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اعتراف کیا کہ ان معجزات کا صدور اگر چہ میرے ہاتھ پر ہوا ہے لیکن یہ حقیقتاً اللہ کی طرف سے ہیں اور اللہ کے حکم ہی سے یہ سب کچھ ہوئے ہیں اور یہ سب نبوت کے دلائل ہیں اور جب ان معجزات کے ذریعہ حجت قائم ہوگئی تو حضرت عیسیٰ نے لوگوں کو تقویٰ، اللہ کی اطاعت اور اللہ پر ایمان لانے کا ہی حکم دیا اور تمام عبادات میں بغیر کسی کمی اور زیادتی کے اتباع کا حکم دیا اور عقائد وعبادات میں ابتداء اپنی ذات سے کی۔ اور اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی، اپنی عبودیت کا

اعتراف کیا اور لوگوں کو بھی صرف خدا کی ہی عبادت کی دعوت اور اس کا حکم دیا اور یہ بتایا کہ یہی راستہ دنیا اور آخرت میں فلاح کا ضامن ہے۔ پس معجزات کی غرض چیلنج اور مدعوبین کو بے بس کر دینا ہے تا کہ ان معجزات کو دیکھ کر نبوت اور رسالت کی تصدیق کریں۔ پس نبی کے لائے ہوئے طریقہ کی جس نے تصدیق کی وہ مومن کہلایا اور جس نے تصدیق نہیں کی وہ کافر ٹھہرا۔ اور ہر ایک جزا اور سزا کا مستحق ہوگا۔

اور رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ دعوت کو بے کم وکاست لوگوں تک پہنچائے تا کہ اس دعوت کی پیروی کی جائے، نہ کہ اس کی پرستش اور عبادت کی جائے اور امت اس بات کی پابند ہے کہ اس کی اتباع اور پیروی کرے۔ اور معجزہ کے مقابلہ میں کرامت کا تعلق چیلنج اور کسی انسان کو عاجز اور بے بس کرنے کے لئے نہیں ہے اس لئے کرامت کا تعلق صرف صاحب کرامت سے ہوتا ہے یعنی جس کے ہاتھ پر کرامت کا صدور ہو رہا ہے اس کا تعلق کسی قوم یا کسی فرد یا جماعت سے نہیں ہوتا اور نہ اس کی کرامت کی ترویج وتشہیر کی جاتی ہے اور نہ مقصود ومطلوب ہے اس کے برخلاف معجزہ کہ وہ نبوت کی دلیل ہے اور اس کی تکذیب کی صورت میں قوم عذاب کی مستحق ہوتی ہے اس کے برخلاف کسی کی کرامت کو تسلیم کرنا کسی انسان کے لئے ضروری نہیں ہے اور نہ اس کی تصدیق وتکذیب پر جزا وسزا کا مستحق ہوتا ہے۔

سوال نمبر (۲): کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش صرف اس وجہ سے جائز ہوگی کہ ان کے ہاتھ پر معجزات کا صدور ہوا ہے؟ اور کیا حضرت عیسیٰ نے اس کا حکم دیا ہے؟ اور کیا کسی بزرگ کی عبادت اور پرستش اور اس سے مانگنا اور پکارنا صرف اس وجہ سے جائز ہوگا کہ ان کے ہاتھ پر کرامت کا صدور ہوا ہے؟ اور کیا کسی بزرگ نے اس کا حکم دیا ہے اور کیا کسی بزرگ کی بزرگی کا شرک کے لئے استحصال جائز ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب اس آیت میں موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ. (سورہ آل عمران:۵۱)

یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے، تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف منسوب کذب وافتراء سے اپنی برأت کا اظہار فرمارہے ہیں۔اور وہ ہر اس بات سے بری ہیں جن کی نسبت لوگوں نے ان کی طرف کردی ہے، سوائے اس وصف کے جسکی نسبت انہوں نے اپنی ذات کی طرف کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کرۂ ارض پر موجود اللہ کے بندوں کی طرح وہ اللہ کے بندے ہیں اور ان بندوں کے اور میرے وجود کا مقصد بھی ایک ہی ہے اور وہ ہے صرف اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے اسی کے ذریعہ اللہ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا۔اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میری پیدائش توالد وتناسل کے عام طریقہ کے خلاف ہوئی اور میرے ہاتھ پر معجزات اسی لئے صادر ہوئے کہ تم میری عبادت کرو، میرا وسیلہ اختیار کرو اور اللہ کو چھوڑ کر مجھے پکارو اور نہ یہ فرمایا کہ میں تمہاری ساری دنیاوی ضروریات کی تکمیل کردوں گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میرے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے تمہاری ضروریات پوری فرمادے گا اس لئے کہ میں تمہارے اور اللہ کے درمیان وسیلہ اور ذریعہ ہوں۔ بلکہ ان تمام باتوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ نے صاف صاف فرمایا کہ۔ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہ.

اور موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ بزرگوں کی کرامت کا ذکر کرتے تھکتے نہیں ہیں حالانکہ اگر ان بزرگ سے کرامت صادر ہوئی بھی تھی تو انہوں نے کبھی اسکو مشہور کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ عموماً بزرگوں کا حال یہ رہا ہے کہ انہوں نے اسکو چھپانے کی کوشش کی ہے۔اور صرف اس کرامت کی وجہ سے اس بزرگ کی تعظیم کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی عبادت بھی کرتے ہیں، اس کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔اس سے مدد چاہتے ہیں

۔اس کے تقرب کے حصول کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں۔اس کی قبر کا طواف کرتے ہیں اوراس سے ایسی چیزیں مانگتے ہیں جن کا مانگنا اللہ کے سوا کسی سے روانہیں ہے جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بزرگ ہستی نے ان عبادات اورافعال کا اپنی زندگی میں لوگوں کو حکم نہیں دیا تھا اور جونہی ان کی آنکھ بند ہوئی لوگوں نے ان کے ساتھ خدا جیسا معاملہ کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو لوگوں کے ان اعمال پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات صادر ہونے کے باوجود ان کی امتوں کے لئے یہ اعمال جائز نہیں ہیں چاہے زندگی میں ہو یا موت کے بعد تو یہ عبادات اور اعمال اولیاء صاحب کرامت کے حق میں کیسے جائز ہوسکتے ہیں، حالانکہ ان اولیاء کا مقام ومرتبہ انبیاء کرام سے بہت کم ہے اوران کی کوئی امت بھی نہیں ہے۔ پس ان اولیاء کرام کی دعوت ان کا پیغام کسی مومن کی طرح یہی تھا کہ نبی کی پیروی کریں صرف اللہ کی عبادت کریں اور اخلاص کو اپنا شیوہ بنائیں۔

اے میرے مسلمان بھائیو! اگر کرامت کی وجہ سے ولی کی عبادت جائز ہوتی تو اس سے پہلے معجزہ کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت جائز ہوتی، پس جو بات کل ناجائز اور ناقابلِ قبول تھی وہ بات آج جائز اور قابل قبول کیسے ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ رب ایک ہے، اور دین ایک ہے اور حساب کتاب کی جگہ بھی ایک ہے۔ تو جو شخص اپنی ذات کے لئے خیر کا طلبگار ہے اس کے لئے سب سے بہتر اور آسان راستہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کا اتباع کرے اوران ہی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے، اس لئے کہ ہر شخص کو وہی چیز جزا کے طور پر ملے گی جو اس نے کیا ہوگا چاہے وہ رسول ہو، نبی ہو، ولی صالح ہو، یا مومن یا یا فر ہو اور یہی عدل وانصاف اور عدل گستری کا تقاضہ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی .وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی .وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی .ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی.

(سورہ النجم:۳۸ تا ۴۱)

کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ اور یہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ.

(سورہ الانعام:۱۶۴)

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو جتلائے گا جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

تیسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے۔:

لَایُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَاكَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَااكْتَسَبَتْ .

(سورہ بقرہ:۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے۔

تیسرا مرحلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سامنے اس غلو کے بعد جو ان کے ماننے والوں

نے ان کے ساتھ کیا۔

وَاِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ انْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِى وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَايَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَالَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآاَعْلَمُ مَافِىْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ. مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآاَمَرْتَنِىْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ.

(سورہ مائدہ: ۱۱۷-۱۱۶)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو! عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اور میں ان پر گواہ رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا۔ اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔

سوال نمبر (۱) ا(اَ) لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر افتراء پردازی کیوں کی

حالانکہ انہوں نے عبادت کا اور اپنی ذات کو معبود بنانے کا حکم نہیں دیا تھا اور کیا معجزہ کسی نبی کی عبادت کے لئے وجہ جواز ہوسکتا ہے؟

(ب) لوگوں نے اولیاء صالحین پر افتراء پردازی کیوں کی حالانکہ انہوں نے اپنی ذات کی عبادت اور اپنی ذات کو معبود بنانے کا حکم نہیں دیا تھا اور کیا کسی ولی کی کرامت اس کی عبادت کے لئے وجہ جواز ہوسکتی ہے؟

(ج) کیا اللہ کے نیک بندوں کی پرستش کی بدعت صرف بعض مسلمانوں میں ہی پائی جاتی ہے یا مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں بھی ہے۔

(د) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی وضاحت اور کیا ان کی عبادت اولیاء صالحین کی عبادت کے مشابہ ہے اور شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

وَاِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ انْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِى وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (سورہ مائدہ:۱۱۶)	اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو!

یعنی قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ عیسائیوں کا آپ کے اور حضرت مریم کے سلسلہ میں جو عقیدہ الوہیت ہے کیا آپ نے ان سے یہ کہا تھا یا کہ انہوں نے آپ کی طرف ان باتوں کی غلط نسبت کر دی تھی۔ یہ سنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان باتوں سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے لیکن یہاں پر ایک سوال جو جواب طلب ہے وہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم کے بغیر ان کو خدا مان لیا۔ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ معمول کے خلاف آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ہے اور آپ نے گود میں گفتگو کی اور آپ کے ہاتھ پر معجزات صادر

ہوئے جیسے کے پرندہ کو اڑانا، مردے کو زندہ کرنا، جذامی اور اندھے کو اچھا اور بینا کرنا، چھپی ہوئی اشیاء کی خبر دینا۔ ان باتوں کی وجہ سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ گھڑ لیا اور شیطان نے اس عقیدہ کو اپنانے میں ان کی مدد کی اور یہ باور کرایا کہ یہ چیزیں تو صرف خدا ہی سے صادر ہو سکتی ہیں۔ ان معجزات کی طرف ان کی نظر گئی لیکن یہ بات ان کی نظر سے پوشیدہ رہی کہ انہوں نے ہر معجزہ کے بارے میں باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) فرمایا اور اس کے ذریعہ ہے بتانا چاہا کہ ان معجزات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم میری عبادت کرو اور مجھ کو خدا بنالو بلکہ اسلئے ہے کہ ان معجزانہ دلائل کے ذریعہ تم لوگ میری نبوت اور رسالت کی تصدیق کرو۔ عبادت کے لائق ذات تو صرف خدا کی ہی ہے اور میں تم لوگوں کی طرح اللہ کا بندہ ہوں اور ہم سب کا رب صرف ایک خدا ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اَن اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ (تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے)

ٹھیک اسی طرح آج ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض مسلمان اولیا، اور اللہ کے نیک بندوں کی کرامات سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں حالانکہ ان بزرگوں نے نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس کی اجازت دی تھی۔ حالانکہ معجزہ اور کرامت کے صدور کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صاحب معجزہ اور صاحب کرامت کی عبادت کی جائے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو تمام انبیاء کرام عبادت کے مستحق ہو جاتے اور ہم اللہ کے ساتھ تمام انبیاء کرام کو شریک کرتے حالانکہ اللہ نے اپنی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب میں اس کا حکم نہیں دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (سورہ انبیاء: ۲۵)	تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کو اللہ کا شریک گردانا جاتا ہے چاہے اس شریک کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں بالاستقلال نفع اور نقصان پہونچانے کی صلاحیت ہے جیسا کہ بعض نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسا عقیدہ ہے یا یہ عقیدہ رکھا جائے کہ شریک میں بذات خود تو نفع اور نقصان پہونچانے کی صلاحیت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرت دینے کی وجہ سے ان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بعض معاملات اولیاء کے سپرد کردیئے ہیں جو اسباب سے پرے ہیں اور یہی عقیدہ آج بعض مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اور وہ اس قسم کا عقیدہ اولیاء اللہ کے بارے میں رکھتے ہیں حالانکہ وہ اپنی اپنی قبروں میں مدفون ہیں۔ تو اس قسم کے لوگ کبھی تو اللہ کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ایک ساتھ خدا اور ولی دونوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ولی کو اللہ اور بندے کے درمیان وسیلہ بناتے ہیں اور یہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے۔ یہ عقیدہ بھی عیسائیوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ آج تک عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد، احبار، رہبان، بزرگ اور پوپ، اللہ اور لوگوں کے درمیان وسیلہ ہیں۔ ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارباب اور انداد کہا ہے اور ان کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو مشرک کہا ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم ذکر کر چکے ہیں اور آج بعض مسلمانوں کا ٹھیک وہی عقیدہ ہے اور عیسائیوں کے فعل میں اور مسلمانوں کے فعل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب فعل یکساں ہے تو نام میں بھی یکسانیت ہوگی اور جب نام میں یکسانیت ہوگی تو اللہ کے حکم میں بھی یکسانیت ہوگی۔ اور شرک ہر حال میں ناقابلِ قبول ہے۔ چاہے شریک رسول ہو یا نبی یا ولی یا کوئی اور شئی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ.
(سورہ زمر:۶۵)

یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہوجائے گا۔

اے میرے دینی بھائیو! ہمیں چاہئے کہ پچھلی امتوں کے احوال وواقعات سے عبرت حاصل کریں نہ یہ کہ ان کے ان عقائد واعمال کی نقالی کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے مردود قرار دیا ہے تاکہ ہمارا ٹھکانہ سابقہ امتوں کا سا نہ ہو۔

سوال نمبر (۲): حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی برأت کس طرح ظاہر کی اور انہوں نے کیا دلیل پیش کی اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اولیاء غیب داں ہوتے ہیں؟

جواب: قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب نقل کیا گیا ہے۔

قَالَ سُبْحٰنَکَ مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ.
(سورہ مائدہ:۱۱۶)

عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ اے اللہ میں نے کبھی بھی لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ میری عبادت کرو اور اللہ کو چھوڑ کر مجھے معبود بنالو۔ اور اپنے اس دعویٰ پر دلیل پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میری یہ اوقات نہیں ہے کہ میں زبان سے ایسی بات کہوں جس کا مجھے ذرہ برابر بھی حق نہیں ہے اس لئے کہ تو نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور ایسی خلاف واقعہ بات کہنے سے میری حفاظت فرمائی ہے مجھے معصوم بنایا ہے۔ مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ. اور اگر بہ فرض محال مجھ سے ایسی بات سرزد ہوئی ہے تو تیری علیم وخبیر ذات اس سے واقف ہے اس لئے کہ تجھ سے میری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ نہ وہ بات جو میں نے زبان سے کہی اور نہ وہ بات جو میرے دل میں ہے۔ اے اللہ تو اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہے کہ نہ میں نے یہ بات کہی ہے اور نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے۔ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ آپ نے مجھے نبی اور رسول بنایا ہے اور معجزات کے ذریعہ میری تائید فرمائی ہے اس کے باوجود مجھے یہ اعتراف ہے کہ جو چیزیں آپ نے پوشیدہ رکھی ہے اور مجھ کو ان پر مطلع نہیں فرمایا ہے اس سے میں قطعی ناواقف ہوں۔ مجھے صرف ان ہی امور کا علم ہے جن امور کا علم وحی کے ذریعہ آپ نے مجھے دیا ہے اور ہو رہے اور ہونے والے تمام غیبی امور پر صرف آپ کی ذات واحد ہی محیط ہے۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ.

اے میرے دینی بھائیو! جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نبی ہیں اپنی ذات سے غیب کی نفی کر رہے ہیں اور علم غیب کی نسبت خدا کی طرف کر رہے ہیں تو اس حقیقت کے علم کے بعد یہ کہنا کہ اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے اور وہ اس علم غیب کی بنیاد پر قبر میں مدفون ہونے کے باوجود مخلوق کے معاملات کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں اور مخلوق اور اللہ کے درمیان واسطہ اور ذریعہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ کہاں تک صحیح ہوگا؟

سوال نمبر (۳): آیت قرآنی کی روشنی میں یہ بتلایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

کس چیز کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز کی تبلیغ کی اور اللہ کے علاوہ معبود بنانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا جواب قرآن پاک کی اس آیت میں موجود ہے۔

مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآاَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ. (سورہ مائدہ:۱۱۷)

میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ اگر اللہ کے ساتھ رسول کو یا کسی اور ذات کو شریک گردانا جائے تو اللہ کی الوہیت میں نقص لازم آئے گا۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب کی ابتداء ''سبحانک'' سے کی، یعنی یہ کہا کہ اے اللہ میں اپنے علم یقینی کی بنیاد پر اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ آپ اپنی ذات وصفات میں پاک و بے عیب ہیں اور آپ کی الوہیت میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں نے لوگوں کو جس چیز کا حکم دیا اور جس چیز کی تبلیغ کی وہ یہ تھی کہ صرف ذات خداوندی ہی عبادت کے لائق ہے اور اللہ میرا، تمہارا اور سب کا رب ہے اور جس طرح تم لوگ اللہ کے بندے ہو اسی طرح میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ اَن اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ.

اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اور اللہ کے سوا رسول، نبی اور ولی کو معبود بنانے کا مفہوم یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے چاہے صرف اسی کی خالص عبادت کی جائے یا اس میں کسی کو شریک کیا جائے چاہے وہ شرکت دعا کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سے اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم خالصۃً اللہ کی عبادت کریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (سورہ بینہ:۵)

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔

سوال نمبر (۴): (اَ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس بات پر گواہی دیں گے اور کب تک دیں گے اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے پیروکاروں کے اقوال وافعال کا مشاہدہ کرتے ہیں؟ اور کیا اولیاء صالحین اپنی وفات کے بعد اپنے چاہنے والوں کے افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں؟

(ب) حضرت عیسیٰ اور اولیاء صالحین کس چیز کا اقرار کرتے ہیں اور لوگوں کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں۔

(ج) عبادات کے بعض اقسام کی تشریح اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے لئے ان عبادات کو بجالانے کا حکم چاہے وہ غیر اللہ کوئی بھی ہو۔

جواب: اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَّادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ شَهِيْدٌ. (سورہ مائدہ:۱۱۷)

اور میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا۔ اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے اللہ جب تک میں ان کے درمیان موجود تھا ان کے افعال واقوال کا میں مشاہدہ کرتا رہا۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَادُمْتُ فِيْهِمْ (سورہ مائدہ:۱۱۷)

اور میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں رہا۔

اور جب آپ نے مجھے اپنے پاس بلالیا اور میں ان کے درمیان نہیں رہا تو ان کے افعال واقوال کی نگرانی صرف آپ کر رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا اس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں ہے آپ اے اللہ ان امور سے بھی اچھی طرح واقف ہیں جو انہوں نے میری موجودگی میں کیا اور ان امور سے بھی واقف ہیں جو انہوں میری غیر موجودگی میں کیا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ شَهِيْدٌ. (سورہ مائدہ:۱۱۷)

پھر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا۔ اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔

اور اے اللہ آپ کی شہادت اور گواہی سے بڑھ کر کس کی شہادت اور گواہی ہوسکتی ہے اور خود آپ ہی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

قُلْ أَيُّ شَيْئٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ. (سورہ انعام: ۱۹)

آپ کہئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے، آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

ان تمام دلائل کے سامنے آجانے کے بعد بھی ہم میں سے بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء صالحین کو علم غیب حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو غیبی طاقت عطا فرمائی گئی ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کے حالات سے باخبر رہتے ہیں اور ان کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں حالانکہ وہ مرچکے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں مدفون ہیں۔

آیت مذکورہ بالا کی صراحت کے بعد اس طرح کے عقیدہ کی کوئی گنجائش ہوسکتی ہے اور اس کو کوئی وجہ جواز حاصل ہوسکتی ہے۔ آیت میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کریں گے اور اپنی غیب دانی کی نفی کریں گے۔ تو جب ایک برگزیدہ نبی کو اپنے ماننے والوں کے افعال واقوال کی کوئی خبر نہیں اور

وہ اس سے قطعی طور پر ناواقف ہیں تو اولیاء ان امور سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں جب کہ انبیاء کرام کے مقابلہ میں ان کی حیثیت اور مقام و مرتبہ بہر حال کم ہے۔ پس جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں کے افعال سے بری ہیں اور ان کو ان افعال کا ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے اسی طرح اولیاء صالحین بھی اپنے چاہنے والوں کے افعال سے بری ہیں اور ان کو ان کے افعال و اقوال کا ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے۔

تو اے میرے دینی بھائیو! انبیاء کرام اور اولیاء سے سوال اور ان کو پکارنا یہ سب باتیں لوگوں کی اپنی ذہنی اختراع ہے۔ انبیاء کرام اور اولیاء ان سب باتوں سے بری ہیں انہوں نے کبھی بھی اس کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ وہ قدسی نفوس حضرات اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ اور انبیاء کرام اس بات کا برملا اقرار کرتے تھے کہ وہ انسان ہیں اور اللہ کے دوسرے بندوں کی طرح اللہ کے بندے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت و رسالت کے مقام پر فائز کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا.

(سورہ کہف: ۱۱۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

یہ انبیاء کرام یہی حکم دیتے تھے کہ جو شخص کامیابی کا راز چاہتا ہے تو اس کے حصول کا واحد ذریعہ عمل صالح ہے اور کوئی عمل، عمل صالح اس وقت ہوگا جبکہ وہ نبی کے طریقہ کے مطابق ہو اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو اور اللہ اور بندوں کے درمیان کوئی وسیلہ اختیار

نہ کیا ہو چاہے وہ وسیلہ رسول، نبی، ولی صالح، مقرب فرشتہ اور کسی اور کا ہی کیوں نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ہمارے ذہن میں مرکوز رہنی چاہئے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہی عبادت نہیں ہے بلکہ دعا بھی عبادت ہے۔ سجدہ بھی عبادت ہے۔ مانگنا بھی عبادت ہے۔ مدد طلب کرنا بھی عبادت ہے۔ ڈرنا بھی عبادت ہے۔ توکل بھی عبادت ہے۔ جانور ذبح کرنا بھی عبادت ہے۔ نذر بھی عبادت ہے۔ طواف بھی عبادت ہے۔ امید رکھنا بھی عبادت ہے۔ تو اگر کوئی شخص ان امور کا ارتکاب غیر اللہ کے لئے کرتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے اور مشرک اللہ کی مغفرت سے محروم ہوتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (العیاذ باللہ)

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ. (سورہ نساء:۱۱۶)	اسے اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

اولیاءصالحین کے سلسلہ میں مسلمانوں کا غلو

جولوگ قبر میں مدفون اولیاءصالحین کے سلسلہ میں غلو سے کام لیتے ہیں وہ شرک میں کیوں کر مبتلا ہوئے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ہم قرآن پاک کی اس آیت کو پیش کریں گے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ ھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْئٍ وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْھَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَاُخْرٰی ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ.

(سورہ انعام:۱۶۲-۱۶۴)

آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔ آپ فرمادیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

سوال و جواب کے ذریعہ ہم درج بالا آیاتِ قرآنی کی وضاحت کریں گے۔

سوال نمبر (۱): صلوٰۃ کا کیا معنی ہے اور اس سے کیا مراد ہے، اور نماز کی روح اور اس کے عناصر کیا ہیں جس میں ان لوگوں سے جو نیک لوگوں کے مرنے کے بعد ان کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں۔ شرک واقع ہوتا ہے۔

جواب: ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (سورہ اعراف:۶۲)

آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

صلوٰۃ کا لغوی اور اصلی معنی دعاء کے ہیں اور یہاں اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد ہے جو فرض سنت اور مستحب سب پر شامل ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نماز کی روح دعاء، تعظیم، اللہ کی طرف قلب کی توجہ، اس کے خوف اور اس کی رحمت کی امید اور دوسری چیزیں ہیں اور جو لوگ نیک لوگوں کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں ان سے ان تمام امور میں شرک واقع ہوتا ہے۔

(۱) اسی لئے ہم پاتے ہیں کہ ایسے لوگ دعا میں اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَاھُمْ یُشْرِکُوْنَ. (سورہ عنکبوت:۶۵)

پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

اور جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً لَّئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ. قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ.

(سورہ انعام: ۶۴-۶۳)

آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے نجات دیتا ہے۔ تم اس کو پکارتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے، کہ اگر تو ہم کو ان سے نجات دیدے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے، تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔

اور یقیناً اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں جب ہم کوئی ایسی چیز طلب کریں اور مانگیں جس پر انسان قادر نہ ہو اور کائنات میں اللہ کے قوانین کے مطابق انسان اس کام کو انجام دینے سے عاجز ہو، جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا.

(سورہ جن: ۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ صاف صاف یہ بات بتادیں کہ دعاء میں بھی اللہ کے ساتھ شرک جائز نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا.

(سورہ جن: ۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ اس بات کو واضح فرمادیا ہے کہ دعاء بھی عبادت

ہےاورضروری ہے کہ دعاء بھی خالصۃً اللہ ہی سے کی جائے۔ارشادِخداوندی ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ،اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ.
(سورہ غافر:۶۰)

اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

اورقرآن کریم ان لوگوں پر تنقید کرتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔جیسا کہ ارشادِخداوندی ہے:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَايَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْئٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَاهُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَادُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ.
(سورہ رعد:۱۴)

اسی کو پکارنا حق ہے۔جولوگ اوروں کواس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑجائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں' ان منکروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے۔

اوردرج بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ صحیح اور حقیقی دعا جوسنی اورقبول کی جاتی ہے،وہ ہے جواللہ سے مانگی جائے جو سننے والا، جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت والا ہےاور جو دعا غیر اللہ سے مانگی جاتی ہے وہ بالکل غلط ہےاور وہ دعاء صاحبِ دعا کوکوئی فائدہ نہیں پہونچاتی۔جن کو پکارا جاتا ہے وہ قبول کرنے پر قادرنہیں ہوتے اوران کی امیدوں کو برلانے کی ان میں استطاعت نہیں ہوتی۔اور غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال اس پیاسے کی ہے جو دریا کے

کنارے کھڑا ہو یا کنویں کے کنارے کھڑا ہو اور اپنا ہاتھ اس کی طرف پھیلائے اور پانی پانی چلائے تا کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے اور اس کی پیاس اور تشنگی کو بجھا دے، لیکن پانی پانی پکارنے کے باوجود پانی اپنی جگہ پر ہے اور پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ رہا ہے اور اس طرح پیاس اس کی جان لے لیتی ہے حالانکہ پانی اس کے سامنے ہے اس لئے کہ وہ ایسی چیز کو پکار رہا ہے جس میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے اور ایسی چیز سے اپنی امید کو وابستہ کرلیا جس کے اندر امید کو پورا کرنے کی قدرت نہیں ہے اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ذات کو پکارے جو اس کی پکار سے غافل ہو اور اس میں دعا قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ. وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ .

(سورہ احقاف:۶-۵)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرسکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور انکی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو جب کوئی بات سنتے ہیں تو اچھی بات کا اتباع کرتے ہیں۔

(۲) اسی طرح ایسے لوگ تعظیم میں بھی اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

ہم لوگ ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو بزرگوں کی ٹھیک اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح اللہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ذکر، تسبیح، قیام، رکوع اور پورے خشوع خضوع کے ساتھ سجدے سے ہوتی

ہے۔ٹھیک اسی طرح ہم لوگوں کو پاتے ہیں کہ وہ اولیاء کرام کے لئے ان امور کو روا رکھتے ہیں۔اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں۔رکوع کرتے ہیں اور خضوع وخشوع کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کو ادا کرتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر یہ فرمادیا ہے کہ یہ افعال خاص عبادت کا حصہ ہیں جن کو غیر اللہ کے لئے کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ارشادِ خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(سورہ حج:۷۷)

اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَايَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ.

(سورہ اعراف:۲۰۶)

یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَاِنْ مِّنْ شَيْئٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا.

(سورہ اسراء:۴۴)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کررہے ہیں۔ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔

یہ تمام عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اوران میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا جائز نہیں۔ اسلئے کہ کائنات میں سب سے زیادہ تعظیم اور توقیر کی مستحق ذات صرف خدا کی ہے۔ اس لئے مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی تعظیم کرے اور اللہ کی تعظیم کا جو حق ہے اس کو پہچانے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَاراً. (سورہ نوح:۱۳) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

اسی لئے ہم مخالفین کو پاتے ہیں کہ وہ اللہ کی ویسی تعظیم نہیں کرتے ہیں جیسی کرنی چاہئے۔ اور اللہ کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر نہ جانے چاہے لفظی اعتبار ہی سے کیوں نہ ہو جیسے کہے ماشاء اللّٰہ وشئت: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

لاتقولوا ما شاء الله وشاء فلان ولٰكن قولوا ماشاء الله ثم شاء فلان. (ابوداؤد شریف) یہ نہ کہو کہ جو اللہ نے چاہا اور فلاں شخص نے چاہا بلکہ یہ کہو کہ اللہ نے چاہا پھر فلاں شخص نے چاہا۔

جب ایسی باتوں سے شریعت نے مسلمانوں کو روکا ہے پھر ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جائے جو قبر کے سامنے قیام کرتا ہے رکوع کرتا ہے اور صاحبِ قبر کو سجدہ کرتا ہے۔ اس سے مانگتا ہے۔ اس سے ڈرتا ہے اس سے امیدیں وابستہ کرتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہے۔ ایسے شخص کے نزدیک اللہ ایک طرف ہے اور صاحبِ قبر ایک طرف ہے اور صاحب قبر کو اپنی مخاطبت میں دل و دماغ دے بیٹھتا ہے اور اللہ کے لئے صرف ظاہری بدن اور زبان کو باقی رکھتا ہے اس طرح صاحب قبر مخلوق کو خالق پر مقدم رکھتا ہے اس طرح وہ مخلوق کی تعظیم کرتا ہے اور اللہ کی تنقیص کرتا ہے اور اس طرح ایسا شخص مخلوق کو اللہ کا مدّ مقابل بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گمراہی کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا

ہے۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (سورہ شعراء:۹۸-۹۷)

قسم اللہ کی یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔

اللہ ایسی گمراہی سے ہم تمام کی حفاظت فرمائے۔

(۳) ایسے لوگ امید وبیم اور خوف ورجاء میں اللہ کا شریک بناتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ یہ افعال عبادت ہیں اور یہ افعال صرف خدا ہی کے لئے کئے جاسکتے ہیں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (سورہ آل عمران:۱۷۵)

یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ امید وبیم کے ساتھ اللہ کو عاجزانہ پکاریں۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ. (سورہ اعراف:۵۶-۵۵)

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کردی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے امید وار رہتے

ہوئے بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے اوراپنی رضا وخوشنودی کا اظہار فرمایا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور امید وبیم کے ساتھ اس کو پکارتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَهَباً وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ. (سورہ انبیاء:۹۰)

یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ طمع اورڈر وخوف سے پکارتے تھے۔ اورہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

اور بعض لوگ دعاء، تعظیم، رکوع، سجدہ، خوف ورجاء اور خشوع وخضوع جیسے عبادات کو بزرگوں کے لئے روا جانتے ہیں پھر بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مومن ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان جیسے لوگوں کے بارے میں قرآن پاک میں فرمادیا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ. (سورہ بقرہ:۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. (سورہ یوسف:۱۰۶)

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔

تو اے ہمارے مسلم بھائیو! ہم سب کے لئے ضروری ہے کہ ہماری تمام عبادات خالص اللہ کے لئے ہوں اور ہم اللہ کی عبادت اور اس کا تقرب اسی چیز کے ذریعہ حاصل کریں جس کی شریعت نے اجازت دی ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ. (سورہ بیّنہ:۵)

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر۔

اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کی خوشنودی حاصل کرو تو اپنی دعاء کو اللہ کے لئے خاص اور خالص کرو، تمہاری تعظیم بھی صرف خدا کے لئے ہو، تمہاری توجہ خالص اللہ کے لئے ہو، تمہارا قیام خالص اللہ کے لئے ہو، تمہارا رکوع خالص اللہ کے لئے ہو، تمہارا سجدہ خالص اللہ کے لئے ہو، پس جب یہ چیزیں ہوں گی تو یہ کہا جائے گا کہ تمہاری عبادت خالص اللہ کے لئے ہے اور اس وقت تم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا کہ تمہاری نماز کائنات کے ربّ اللہ کے لئے ہے۔ پس تم اولیاء کی عبادت نہ کرو چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور جو لوگ اولیاء کے ان امور کو جائز سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو کاذب اور کفار فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ. (سورہ زمر:۳)

خبر دار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ

لوگ جس کے بارے میں اختلاف
کررہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ
(خود) کرے گا جھوٹے اور ناشکرے
(لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسی عبادت کو قبول فرماتا ہے جو اس کے لئے خالص ہو اور جس کا اس نے حکم دیا ہے اور جس کی اطلاع اس نے کتاب کے ذریعہ دی ہے۔

عبادت کیساتھ ذبح اور نذر میں بھی اللہ کیساتھ شرک کا ارتکاب

سوال نمبر (۲): نسک (قربانی) کا معنی کیا ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ اور بت پرستوں کے نزدیک نسک کی کیا صورت تھی اور اہل کتاب کے لئے اس کو کیوں مشروع کیا گیا اور انہوں نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور مسلمانوں میں سے جو ایسا کرتا ہے اس پر کیا حکم لگایا جائے گا مخالفین ان عبادات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ عادات اور رسم ورواج ہیں تو عبادات اور عادات میں کیا فرق ہے؟

جواب: اس کا جواب قرآن پاک کی اس آیت میں موجود ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (سورہ اعراف:۱۶۲)

آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

نسک کا لفظی معنی عبادت کے ہیں اور عام طور پر اس کا استعمال حج کی عبادت کے لئے ہوتا ہے اس طرح جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان پر نسک کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.
(سورہ بقرہ:۱۲۸)

اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم وکرم کرنے والا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ.
(سورہ بقرہ:۹۶)

تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزہ رکھ لے، خواہ صدقہ دیدے، خواہ قربانی کرے۔

اسی طرح مذہبی ذبیحہ پر اس کا اطلاق درست ہے چاہے وہ فدیہ ہو یا قربانی ہو یا نذر کی قربانی ہو حج یا اس کے علاوہ دیگر مواقع پر۔ اور قربانی بت پرستوں کے نزدیک عبادت تصور کی جاتی تھی اور اس کو وہ اپنے معبودان باطل کے تقرب اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اس قربانی پر وہ اپنے معبودانِ باطل کا نام لیتے تھے۔ پھر اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) مشروع قربانی کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام اور مذہبی پیشواؤں کے نام کی بھی قربانی کرنے لگے اور یہ سب کے سب اللہ کی عبادت میں شرک ہے اور مسلمانوں میں سے جو بھی ایسا کرے گا تو ان پر بھی ان مشرکین کا حکم لگے گا۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ.
(سورہ بقرہ:۱۷۳)

اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے۔

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ.
(سورہ کوثر:۲)

پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ رسم ورواج اور عادات ہیں اور عبادت نہیں ہیں تو ان

سے کہا جائے گا کہ نماز عادت نہیں عبادت ہے اور ذبح عادت نہیں عبادت ہے اور عبادت اور عادت میں فرق یہ ہے کہ عبادت میں توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے اس کی خوشنودی اور تقرب مقصود و مطلوب ہوتا ہے اور خدا کی تعظیم ملحوظ ہوتی ہے۔ اور ثواب اور شریعت کا اتباع مصحح نظر ہوتا ہے چاہے اس کام کو انجام دینے والا اس کو عبادت کہے یا نہ کہے پس جس کے لئے وہ اس کام کو کر رہا ہے اس کو اس نے اپنا معبود بنالیا۔

اور عبادت صرف اسی ذات کے لئے روا ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے تو اگر کوئی شخص خدا کے علاوہ کسی نیک بندے کے نام ذبیحہ کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ شرک ہوگا اس لئے کہ اللہ کی بارگاہ میں وہی عبادت قابل قبول ہے جو خالص اس کے لئے کی گئی ہو۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ. (سورہ بیّنہ:۵)

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ. (سورہ حج:۳۱)

اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔

سوال نمبر (۳): وہ آیت کس چیز پر زور دیتی ہے اور کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟

جواب: اس کا جواب خود آیت قرآنی میں موجود ہے۔

وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (سورہ اعراف:۱۶۲)

اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

محیا اور ممات کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی حیات میں جو کچھ کرتا ہوں اور جس ایمان وعمل صالح پر میری موت واقع ہوگی وہ سب اللہ کے ہے۔ اس طرح یہ آیت توحید الوہیت کی جامع اور اس پر دلالت کرنے والی ہے اور وہ اس طرح کہ موحد مسلمان اپنی زندگی میں جو بھی عمل کرتا ہے اور جس پر اس کی موت واقع ہوگی ان تمام امور کو کائنات کے خالق ربّ کے لئے کرتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ. (سورۃ الملک:۴)	جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے ، اور وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔

اور مومن کے سامنے ہمیشہ یہ بات رہنی چاہئے کہ اس کی زندگی اور موت صرف اللہ ہی کے لئے ہو جس میں وہ صلاح اور اصلاح کی فکر کرے اور اس میں حدّ کمال تک پہونچنے کی کوشش کرے اس ایمان ویقین کے ساتھ کہ اس کے عمل کا اجر اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلاً. (سورہ کہف:۳۰)	یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔

سوال نمبر ﴿۴﴾: حضور اکرم ﷺ نے کس چیز کا حکم دیا اور کیوں؟ اور انسان اللہ کے ساتھ کس طرح شرک کرتا ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں؟

جواب: جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. (سورہ اعراف:۱۶۳)

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور کوئی بھی مخلوق اس کی عبادت میں شرکت کی مستحق بھی نہیں کہ بندہ اللہ کی عبادت میں اس مخلوق کو بھی مرکز توجہ بنائے اس وجہ سے کہ وہ اس کے ارادہ میں موثر ہے اس طور پر کہ اللہ کے لئے نماز پڑھے۔ اور بندوں کو اس میں شریک کرے۔ یا صرف اسی کے لئے نماز پڑھے یا صرف اسی کے لئے ذبح کرے یا ذبح میں اللہ کے ساتھ اس کو بھی شریک کرے اس مقصد کے تحت کہ ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرے اور انکے واسطے سے اللہ کی بارگاہ میں اس کی سفارش کو شرف قبولیت حاصل ہو، یہ گمان کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص معیّن کو سفارش کرنے کا اختیار دیا ہے اور وہ شخص معیّن، اللہ کی مشیت اور ارادہ میں موثر ہے، حالانکہ یہ گمان غلط اور باطل ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ. (سورہ بقرہ:۵۵۲)

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔

اس طرح یہ گمان رکھنا کہ اللہ کے ساتھ حکم میں اور اس کے حکم میں موثر ہونے میں اس شخص معین کو شرکت حاصل ہے۔ حالانکہ واضح طور پر ارشادِ خداوندی ہے کہ:

وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَداً. (سورہ کہف:۲۵)

اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اور یہ گمان رکھنا کہ وہ معیّن شخص اللہ کے ارادہ اور مشیت میں موثر ہے گمان باطل ہے کیوں کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ. (سورہ نحل:۴۰)	ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. (سورہ بروج:۱۶)	جو چاہے اسے کرگزرنے والا ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ جو اپنے رب کے امر اور نہی پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے ہیں فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں شرک جلی اور شرک خفی سے دور رہوں اور تمام نفسانی خواہشات، انسانی رسم ورواج اور عقلی نظریات کو اللہ کے حکم کے سامنے ترک کردوں اس لئے کہ اللہ کی عبادت اسی طریقہ پر کی جائے گی جس طرح اس نے عبادت کا حکم دیا ہے اور حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی نماز، ان کی قربانی، ان کی زندگی اور ان کی موت کائنات کے رب کے لئے خالص ہو اور مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں شریک نہ کیا جائے چاہے اس شخص کا مقام اللہ کے نزدیک یا مخلوق کے نزدیک کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اس لئے کہ اللہ کے قرب کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ. وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. (سورہ مائدہ:۷۲)	یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

سوال نمبر (۵): حضور اکرم ﷺ نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو رب کیوں نہیں بنایا

اوراس کی کیاصورت ہے؟

جواب: اس کا جواب قرآن پاک میں موجود ہے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْئٍ۔ (سورہ اعراف:۱۶۴)

آپ فرمادیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا۔

توحید الوہیت کی مکمل وضاحت کے بعد توحید الوہیت کی دلیل ربّ کائنات نے توحید ربوبیت سے دی ہے۔ اوراس آیت میں استفہام انکار اور تعجب کے لئے ہے اوراس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا جو پوری کائنات کا خالق ہے اوراس کا حقیقی مربی ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے رب کا طلبگار بنوں اوراس کو اپنی عبادت میں شریک کروں اس طور پر کہ اس سے مانگوں، اس کی طرف توجہ کروں، اس کے نام پر جانور ذبح کروں اوراس کے لئے نذر مانوں۔ تاکہ وہ بھی نفع پہونچائے یا مجھ سے پریشانیوں کو دور کرے یا مجھ کو اپنی ذات کا تقرب بخشے۔ اللہ کی بارگاہ میں میرے لئے شفارش کرے جیسا کہ تم لوگ اپنے معبودوں کے ساتھ کرتے ہو۔ اللہ ہر چیز کا رب ہے وہ اس کا بھی رب ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے اوراس کا بھی رب ہے جس کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔ وہی ہے جس نے سورج، چاند، فرشتے اور مقربانِ بارگاہ انبیاء کرام کو پیدا فرمایا۔ پس جب اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے، زندہ کرنے والا ہے، سردار، مالک اور مدبّر ہے جس نے ہر شئی کو پیدا کیا اوراس میں تاثیر رکھی۔ تو یہ بات نہایت بری ہوگی کہ ایسے رب کو چھوڑ کر مخلوق کو اپنا خدا بنالوں۔

سوال نمبر (۶): وہ کون سا بنیادی قاعدہ ہے جو تمام انبیاء کرام کی نبوت ورسالت میں دین کے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا وآخرت میں انسان کی کامیابی وکامرانی کس چیز پر منحصر ہے۔

جواب: قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى.
(سورہ اعراف:۱۶۴)

اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔

قرآن پاک کی یہ آیت غیر اللہ کو رب بنانے کے خلاف اور توحید کے اثبات کی واضح دلیل ہے۔ اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد اور اہم قاعدہ فراہم کرتی ہے اور یہی اہم اور بنیادی قاعدہ تمام انبیاء کرام کی نبوت ورسالت میں اہم رہا ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى. وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى.
(سورہ نجم:۳۶-۳۹)

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے۔ اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا۔ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى.
(سورہ فاطر:۱۸)

کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قرابت دار ہی ہو۔

اور یہ قاعدہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اصلاح بشری کی عظیم بنیاد میں سے ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ بت پرستی اور شرک کی بنیاد کو ڈھا دیتی ہے اور انسان کی ایسی بات کی طرف

رہنمائی کرتی ہے جو اس کو دنیا و آخرت میں سرخروئی و کامیابی عطا کرتی ہے اس لئے کہ کامیابی و ناکامی کی بنیاد ''عمل'' ہے اور اس کی بنیاد پر لوگوں سے پوچھا جائے گا اور اس پر محاسبہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

فَوَ رَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ. (سورہ حجر:۹۲)

قسم ہے تیرے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔

اور لوگوں کے حساب و کتاب کا وقت بھی بہت قریب ہے لیکن لوگ اس سے غافل ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِی غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ. (سورہ انبیاء:۱)

لوگوں کے حساب کا وقت آ گیا پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

اور حساب کے وقت ہر انسان اپنے چھوٹے بڑے اعمال کو نامۂ اعمال میں پائے گا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَا لِهٰذَا الْکِتٰبِ لَایُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِراً وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَداً. (سورہ کہف:۴۹)

اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا عمل بغیر گھیرے کے باقی ہی نہیں چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اعمال پر ہی جزا و سزا کا دارومدار ہوگا جیسا کہ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (سورہ صافات:۳۹)

تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔

اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَالْيَوْمَ لَاتُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَّ لَاتُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

(سورہ یٰسین:۵۴)

پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائیگا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔

اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (سورہ سبا:۳۲)

انہیں صرف ان کے کئے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اس دن حساب وکتاب میں جو اعمال کے اعتبار سے کئے ہوں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے۔:

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْناً ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِىْ وَرُسُلِىْ هُزُوًا.

(سورہ کہف:۱۰۶-۱۰۵)

اس لئے ان کے اعمال غارت ہوگئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیوں کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں اڑایا۔

اور وہ لوگ قیامت کے دن حسرت وندامت اور اپنی بے بسی کا اظہار کریں گے۔

فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ. وَلَمْ اَدْرِ مَاحِسَابِيَهْ. (سورہ الحاقۃ: ۲۶-۲۵)

تو وہ کہے گا کہ کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔ اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔

اور جو صاحب ایمان ہوں گے اور ان کے اعمال اچھے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے گا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً. (سورہ کہف: ۱۰۷)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کے لئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔

اور ایسے خوش بخت اور کامران کامیابی سے ہمکنار مسلمان کہیں گے۔

فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ. اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ. (سورہ الحاقۃ: ۲۰-۱۹)

تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہر انسان سے اس کے عمل کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی جو نیکوکار ہوں گے ان کو ان کی نیکوکاری کا فائدہ پہونچے گا اور جو بدکار ہوں گے اور جن کے اعمال برے ہوں گے انکے اعمال بد کا وبال ان کے سر پر ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ. (سورہ جاثیہ: ۱۵)

جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لئے اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور ہر انسان سے صرف اسی کے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور دوسروں کے عمل کے بارے میں اس سے کسی بھی قسم کی باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ

خداوندی ہے:

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ.

(سورہ یونس:۴۱)

اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔

بت پرستوں اور مشرکوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ نقصان کا دفعیہ اور نفع کا حصول اللہ کے بعض ایسے بندوں کے ذریعہ جو مخصوص خصائص کے مالک ہیں سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر محنت کے دنیا میں ان کو جو وہ چاہتے ہیں دے دیتا ہے اور اسباب ومسببات کے جو طریقے اللہ نے دنیا میں رکھے ہیں اس کو وہ بروئے کار نہیں لاتے۔ اور وہ اپنے چاہنے والوں اور اپنے ماننے والوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں تاکہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ان کو عذاب سے دور رکھتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں سے ان کو لطف اندوز ہونے کا موقع عنایت فرما دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے اس قسم کے خیالات کی قرآن پاک میں سختی سے تردید کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ.

(سورہ بقرہ:۴۸)

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

ان دونوں آیتوں سے جو قاعدہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بھی انسان دوسرے شخص کے کئے ہوئے کا ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ ہر شخص صرف اپنے بوجھ کا ذمہ دار ہوگا۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ. (سورہ بقرہ:۲۸۶)

جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آخرت میں سعادت و کامرانی اور شقاوت و بدبختی کا دارومدار اعمال پر ہے اور اس کائنات کا خالق و مالک ہر انسان اور اس کے اعمال کی نگرانی فرما رہا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ. (سورہ رعد:۳۳)

ایا وہ اللہ جو نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی اس کے کئے ہوئے اعمال پر۔

پس کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے عمل سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا اور نہ کسی دوسرے کی بدعملی سے نقصان میں مبتلا ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی عمل میں اسوہ اور نمونہ ہوگا تو وہ اس شخص کے عمل کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوگا جس نے اس کی رہنمائی کی وجہ سے اس کام کو انجام دیا ہوگا اور اس عمل کرنے والے کے ثواب میں ذرہ برابر بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی اور جس نے کوئی برائی ایجاد کی اور اس برائی پر کوئی شخص عمل پیرا ہوا تو وہ موجد گنہگار ہوگا اور کرنے والے کے گناہ میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ .

(سورہ نحل:۲۵)

اسی کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصہ دار ہوں گے جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالاً مَّعَ اَثْقَالِهِمْ .

(سورہ عنکبوت:۱۳)

البتہ یہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور بوجھوں کے ساتھ ہی اور بوجھ بھی۔

اور وہ صورت جس میں انسان اپنے غیر کے عمل سے مستفید ہوگا بلکہ حقیقتاً وہ اس کا عمل تصور کیا جائے گا کیوں کہ وہ اس عمل کا سبب بنا تھا جیسے اولاد کی دعا اور صدقہ وخیرات اور حج وزیارت وغیرہ کیوں کہ بخاری شریف، مسلم شریف اور سنن کی روایات سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث: صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله.

(مسلم، ابوداؤد)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل اس سے ختم ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں سے، صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

اس مفہوم کی قرآن پاک میں یہ آیت ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ.

(سورہ طور:۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اوران کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچادیں گے اوران کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے۔

اور صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی شخص کی اولاد اس کی کمائی ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: انسان کا سب سے اچھا مال جس سے وہ کھاتا ہے اس کی کمائی ہے اور اس کی اولاد اس کی کمائی ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ولد الرجل من اطیب کسبه فکلوا من اموالهم. (الحدیث)

کسی انسان کی اولاد اس کی بہترین کمائی ہے تو تم ان کے مال سے کھاؤ۔

اولاد کے علاوہ کے عمل کو اولاد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ مردہ کو ہر شخص کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے چاہے وہ عامل اس کی اولاد نہ ہو تو ایسا شخص قرآن وحدیث کی صراحت کے خلاف بات کہتا ہے اور حدیث میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور آج کل قرآن خوانی کا جو رواج چل پڑا ہے اور اسطرح کرائے پر قرآن پاک کی تلاوت کے لئے لوگوں کو بلانے کا طریقہ بھی بدعت ہے۔ اور اس کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر اس کی شریعت میں کوئی اصل ہوتی تو اسلاف اس سے ناواقف نہ ہوتے اور اگر اس کی اصل ہوتی تو اس پر ضرور عمل کرتے اور اگر صحابہ کرام سے یہ عمل ثابت ہوتا تو ان کے اس عمل کو تواتر کے ساتھ نقل بھی کیا جاتا اور ہر زمانہ میں لوگ اس پر عمل بھی کرتے صحابہ کرام کے عمل کی وجہ سے۔ جن کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً. (سورہ احزاب: ۲۳)

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

سوال نمبر ⟨۷⟩: آخرت میں ہم کس کی طرف لوٹیں گے تاکہ ہمارے درمیان جو اختلافات ہیں ان میں فیصلہ کرے؟

جواب: اس سوال کا جواب بھی قرآن پاک کی آیت میں موجود ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (سورہ انعام: ۱۶۴)

پھر تم سب کو اپنے رب کی پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

یعنی اس دنیاوی زندگی کے بعد آخرت کی زندگی میں صرف خدا کی ذات ہی سے رجوع ہوں گے اور ان معبودانِ باطل سے رجوع نہ ہوں گے جن کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے یہ سمجھ کر کہ وہ اللہ کی خوشنودی اور تقرب کا ذریعہ ہیں اور ان کو انداد، ارباب اور اولیاء بنا رکھا ہے جو خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ اور اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی بدلہ دے گا اور تمام معبودانِ باطل غائب ہو جائیں گے اور اس دن اللہ کی بارگاہ میں لوگ تنہا ہی حاضر ہوں گے وہاں کوئی بھی ان کے ساتھ نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ.

(سورہ انعام:۹۴)

اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گذرا ہوا۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.

(سورہ جاثیہ:۱۰)

ان کے پیچھے دوزخ ہے، جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا، انکے لئے تو بہت بڑا عذاب ہے۔

تیسرا باب

مسلمانوں اور کافروں میں فرق کرنے والے امور

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان مذاہب کی شریعتوں سے واقف ہوں، جن میں حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تا کہ وہ سمجھ سکیں کہ ان ادیان کے ماننے والوں کا اللہ کے بارے میں کیا عقیدہ تھا، ان کی عبادت کی کیا صورت تھی اور اللہ کی عبادت کے سلسلہ میں ان کے اخلاص کی کیا حقیقت تھی۔ جب ان امور کا مسلمانوں کو علم ہوگا اس سے بچنے کی کوشش کریں گے اور اگر کچھ خرابیاں ہوں گی تو انکی تلافی کی بھی کوشش کریں گے تا کہ دائمی خسارہ سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.
(سورہ عنکبوت:۵۲)

جو لوگ باطل کو ماننے والے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے ہیں وہ زبردست نقصان اور گھاٹے میں ہیں۔

اس باب میں درج ذیل چھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: وہ چار اصول جن کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور جن کا ہر مسلمان کے لئے جاننا ضروری ہے۔

دوسری فصل: لوگوں کی مسلمان اور کافر کے لحاظ سے درجہ بندی اور مخالفین کے دلائل کی تردید۔

تیسری فصل: واسطہ اور الٰہ۔

چوتھی فصل: وکیل اور حفیظ حق پر توکل۔

پانچوی فصل: شفاعت اور مخالفین کے شبہات اور شرک کی تمام صورتوں کی نفی۔

چھٹی فصل: معجزات، آیات اور کرامات۔

پہلی فصل

وہ چار اصول جن کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے

پہلا اصول: اللہ تعالیٰ نے جس وقت حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت مختلف مذاہب وادیان موجود تھے اور ان مذاہب کے ماننے والوں کی عبادتوں کے طریقے بھی جدا جدا تھے، بعض لوگ فرشتوں اور جنوں کی عبادت کرتے تھے اور بعض لوگ نبیوں اور صالحین کی پرستش میں مصروف تھے، بعض لوگ پتھر اور درختوں کے سامنے سر جھکاتے تھے اور بعض لوگ سورج اور چاند کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) فرشتوں کو معبود بنانے کی دلیل۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ. قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (سورہ سبا:۴۱-۴۰)	اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا والی تو تو ہے نہ کہ یہ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں کے اکثر کا انہی پر ایمان تھا۔

(۲) انبیاء کرام کو معبود بنانے کی دلیل۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ	اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو! عیسیٰ عرض

مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ.

(سورہ مائدہ:۱۱۶)

کریں گے کہ میں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔

(۳) صالحین کو معبود بنانے کی دلیل۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا. اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا.

(سورہ اسراء:۵۷-۵۶)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

(۴) درختوں اور پتھروں کو معبود بنانے کی دلیل۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی. وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی. (سورہ نجم:۲۰-۱۹)

کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور منات تیسرے پچھلے کو۔

درختوں کو معبود بنانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی روایت ابو واقد لیثی نے کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین کے لئے نکلے اور ہم

ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ قریب میں ایک بیری کا درخت تھا جہاں مشرکین بیٹھے تھے اور وہ اس پر اپنے ہتھیار لٹکا دیتے تھے جس کو ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا۔ جب ہم لوگ ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ذکر کیا کہ جس طرح مشرکین کے لئے ''ذات انواط'' ہے ہمارے لئے ''ذات انواط'' مقرر فرما دیجئے، یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر، خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم نے وہی بات کہی جو قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا دیجئے جس طرح ان (قوم فرعون) کے لئے معبود ہے، بے شک تم لوگ جاہل ہو۔

(۵) سورج اور چاند کو معبود بنانے کی دلیل۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (سورہ فصلت: ۳۷)	اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کے لئے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے۔

آیات اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ لوگ فرشتوں، جنوں، انبیاء کرام، صالحین، درختوں، پتھروں اور سورج کی پرستش اور عبادت کرتے تھے۔

دوسرا اصول: پہلے اصول کے تحت جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سبھوں کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ ہی خالق (پیدا کرنے والا) رازق (رزق دینے والا) محیی (زندہ کرنے والا) ممیت (مارنے والا) نافع (نفع دینے والا) اور ضارّ (نقصان پہونچانے والا) اور وہی تمام معاملات کو سرانجام دیتا ہے اور ان باتوں کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ، فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ .

(سورہ یونس ۳۱)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ'' تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں تم نہیں ڈرتے۔

لیکن اس اقرار کے باوجود وہ مسلمان نہیں سمجھے گئے بلکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو جہنم کی بشارت دی۔

تیسرا اصول: پہلے اصول کے تحت جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ برملا اس کا اظہار کرتے تھے کہ ہمارا ان کی طرف متوجہ ہونا اور ان کو پکارنا صرف قربت اور شفاعت کی طلب میں ہے ورنہ ہم اللہ ہی سے چاہتے ہیں ان سے کچھ نہیں چاہتے لیکن اللہ سے ان کی قربت اور شفاعت کا ذریعہ چاہتے ہیں۔

قربت کی دلیل۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى.

(سورۂ زمر:۳)

اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں،

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ.

(سورہ یونس:۱۸)

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچاسکیں اور نہ ان کو نفع پہنچاسکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں اور زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

ان کے واسطے سے شفاعت اور قربت ان لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل نہ کرسکی بلکہ اس کے برعکس اللہ کے رسول نے ان کو جہنم کی خوشخبری دی۔

چوتھا اصول: جن لوگوں کا ہم نے پہلے اصول کے تحت ذکر کیا ہے وہ سخت پریشانی کی حالت میں اللہ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے اور جوں ہی پریشانی دور ہوئی، پھر اپنی پرانی روش یعنی شرک پر لوٹ آتے تھے۔اس کی دلیل، اللہ کیا ارشاد ہے:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ.

(سورہ عنکبوت:۶۵)

پس یہ لوگ جو کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کرکے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

لیکن پریشانی کی حالت میں اخلاص وتوحید اور اطمئنان وسکون کی حالت میں شرک ان کو دائرہ اسلام میں داخل نہ کرسکا بلکہ اللہ کے رسول نے ان کو جہنم کی خوشخبری سنائی۔

اور ہمارے زمانہ کے جو مشرک ہیں پریشانی اور سکون دونوں صورتوں میں ان کا شرک

تسلسل کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے مشرکین جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور جن کے ساتھ آپ نے جہاد کیا ہمارے زمانے کے مشرک کے مقابلہ میں نسبتاً کم درجہ کے مشرک تھے اور ان کا شرک ان کے شرک کے مقابلہ میں کم درجہ کا تھا اور ان مشرکین کی عبادت یہی تھی کہ وہ انکو پکارتے تھے ان سے امیدیں وابستہ کرتے تھے، ان سے مدد چاہتے تھے، ان پر بھروسہ کرتے تھے۔ ان سے التجا کرتے تھے۔ ان کے لئے نذر اور جانور ذبح کرتے تھے۔ لیکن ان سب کے باوجود ان مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ جن کو وہ پکارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ کی قدرت و دسترس میں ہیں اور کوئی تدبیر نہیں کر سکتے صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی تدبیر ہے تنہا وہی مالک ہے اور اس کو کائنات میں تصرف کا اختیار ہے۔ رہے وہ لوگ جن کو یہ پکارتے تھے انکے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کے نزدیک ان کی جاہ ہمارے لئے شفاعت کا سبب ہے۔ اس لئے وہ مشرکین اللہ سے ہی مانگتے تھے مگر ان کے وسیلہ سے اللہ کی قربت تلاش کرتے تھے۔ مگر ان کے واسطے سے۔ اس طرح ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے بندوں کو اولیاء بنالیا اور قرآن نے ان لوگوں کے ان عقائد پر ان کی تکفیر کی۔ اللہ نے فرمایا:

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا۔

(سورہ کہف:۱۰۲)

کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔

دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

(سورہ اعراف:۱۹۴)

واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم انکو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کردیں اگر تم سچے ہو۔

دوسری فصل

لوگوں کی مسلمان اور کافر کے لحاظ سے درجہ بندی اور مخالفین کے دلائل کی تردید

سوال نمبر (۱): مسلمان اور کافر کے لحاظ سے لوگوں کی درجہ بندی کس طرح ہوتی ہے اور اس کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: اس سے پہلے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس میں فرشتوں، جنوں، انبیاء کرام، صالحین، پتھر، درخت، سورج اور چاند کی پرستش کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اللہ کی ربوبیت یعنی اللہ کے رب ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ اور پریشانی کی حالت میں اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے تھے اور یہ مشرکین ان کی عبادت صرف شفاعت اور اللہ کی قربت کی طلب کے خیال سے کرتے تھے اور یہ سب درمیان میں صرف واسطہ تھے اور وہ مشرکین اللہ ہی سے چاہتے تھے ان سب سے نہیں چاہتے تھے۔

پس اگر عبادات کے وہ طریقے جو مشرکین میں رائج تھے، اللہ کو راضی کرنے والے ہوتے تو ایسی حالت میں حضور اکرم ﷺ کو مبعوث کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لیکن چونکہ عبادات کے وہ طریقے اللہ کو ناپسند تھے اور اللہ چونکہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں فرماتا ہے، اس لئے اللہ نے ان پر احسان فرمایا اور حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور حضور اکرم ﷺ کی رسالت اور دعوت کی اساس اور بنیاد یہی ہے کہ صرف اللہ ہی کو پکارا جائے اور صرف اسی کی بندگی اور عبادت کی جائے۔ اس میں نہ کوئی واسطہ ہو اور نہ اس میں کسی کی شرکت،

کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا. (سورہ نساء:۳۶)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً. (سورۃ الجن:۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

اور اللہ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اسکے علاوہ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں ان میں سے کسی کی بھی ہرگز ہرگز عبادت نہ کریں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (سورہ اسراء:۲۳)

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

''توحید عبادت'' یعنی صرف خدا کی عبادت، یہی حضور اکرم ﷺ کی دعوت تھی اور یہی تمام انبیاء کرام کی دعوت تھی۔ اسی لئے تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی قوموں سے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ. (سورہ اعراف:۵۹)

اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں۔

پس الوہیت (اللہ کو معبود ماننا) اور عبودیت (صرف اسی کی عبادت کرنا) اسی کو زیبا ہے اور اسکے علاوہ کوئی اس لائق نہیں ہے کہ اس کو الٰہ اور معبود بنایا جائے۔

جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّیْنَ .اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ فِی مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ،اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ.

(سورہ زمر:۳-۲)

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔خبردار!اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔

اور عبادت اسی وقت معتبر ہوگی جب اس میں اخلاص ہو کیوں کہ شرک کی آمیزش اور ملاوٹ اگر عبادت میں ہوئی تو وہ شرک، عبادت کو لاحاصل بنادیتا ہے اور وہ عمل بیکار اور اکارت ہوجاتا ہے۔اور اس قسم کی عبادت کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا مستحق ہوجاتا ہے۔چاہے اس عبادت سے اس کی نیت عبادت اور قرب کیوں نہ ہو، کیوں کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

مَاکَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَاللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ ،اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِی النَّارِهُمْ خٰلِدُوْنَ .

(سورہ توبہ:۱۷)

لائق نہیں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔درآں حالیکہ وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں، ان کے اعمال غارت واکارت ہیں، اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں۔

اس لئے جس نے شرک کیا اس نے توحید کو چھوڑ دیا۔ توحید اور شرک دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ جب جب شرک پایا جائے گا تب تب توحید نہیں پائی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ کے انداد (اللہ کا مدّ مقابل اور ہمسر) بنانے کی وجہ سے وہ کافر ہیں اور انداد وہ ہیں جن کو یہ لوگ عبادت میں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَاداً لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلاً اِنَّكَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (سورہ زمر:۸)

اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجئے! کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالو، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے۔

اسی لئے شرک اور کفر کو مسترد کرنے کے لئے اللہ نے اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو جو فرشتوں، انبیاء، صالحین، پتھر، درخت اور سورج و چاند کی عبادت کرتے ہیں، کلمہ توحید کی دعوت دیں تاکہ یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن سکے۔ اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ'' سے مراد صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ ان کلمات کی حقیقت اور دلالت مراد ہے۔ اور کفار اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ اس کلمہ توحید سے حضور کی کیا مراد ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کلمہ توحید کا مطلب ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو پکارا جائے اور اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کی جارہی ہے اور جن کو پکارا جارہا ہے ان کا صاف صاف انکار اور ان سے اپنی برأت اور لاتعلقی کا اظہار کیا جائے۔ اسی لئے جب کفار و مشرکین سے یہ کہا گیا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار

کرلو، تو انہوں نے جو جواب دیا اس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِداً اِنَّ هٰذَا لَشَيْئٌ عُجَابٌ. (سورہ ص:۵)	کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَاباً مَّسْتُوْراً. (سورہ اسراء:۴۵)	جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔

تو خلاصۂ کلام یہ کہ عبادت میں اخلاص اور دعا میں صرف ذات خداوندی کی طرف توجہ اور صرف اسی سے تعلق ہی ایسی بات ہے جو انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کرتی ہے اور اسی مسئلہ میں مسلمانوں اور مشرکین میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ جو مشرکین اللہ کو چھوڑ کر فرشتوں، انبیاء، صالحین، پتھر، درخت، سورج اور چاند کی بندگی کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ اللہ کا قرب ڈھونڈتے ہیں اور اپنے اس عمل اور عقیدہ کو صحیح اور درست خیال کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کی خاطر جنگ کرتے ہیں اور اس راہ میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ ان سب عقائد باطلہ کے باوجود وہ اللہ کی ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں کرتے ہیں اور سخت پریشانی کے وقت صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ اپنے دین کے کچھ حصے کو اللہ کے لئے اور کچھ حصہ کو ان معبودان باطل کے لئے خاص کر دیتے ہیں جن کو وہ واسطہ، سفارشی اور تقرب کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے رسول کو بغیر کسی تفریق کے ان ہی لوگوں سے جہاد کا حکم دیا تھا تاکہ پورا دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے اور اس میں کسی کی شرکت باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ. (سورہ انفال ۳۹)

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔ اور دین اللہ ہی کا ہوجائے۔

فریق مخالف کے دلائل کی تردید

اعتراض: فریق مخالف یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں میں قرآن پاک نازل ہوا وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی نہیں دیتے تھے اللہ کے رسول کو جھٹلاتے تھے، آخرت کا انکار کرتے تھے، قرآن پاک کی تکذیب کرتے تھے اور اس کو جادو خیال کرتے تھے اور ہم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی تصدیق کرتے ہیں۔ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ پھر آپ ہمیں ان جیسا کیوں گردانتے ہیں اور ہماری تکفیر کیوں کرتے ہیں جبکہ ہم مسلمان ہیں؟

جواب: ہم ذیل میں پانچ دلیلیں اس بات کی پیش کررہے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایسے لوگوں کی تکفیر کی جائے جب ان سے خلاف شریعت امر سرزد ہو اور وہ اس سے توبہ نہ کریں اور ایسے مسلمان اور کفار کفر میں برابر ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے، چاہے ایسے مسلمان شہادتین کی گواہی دیتے ہوں، نماز پڑھتے ہوں، قرآن پاک اور آخرت کی تصدیق کرتے ہوں اور حج اور زکوٰۃ دیتے ہوں۔

پہلی دلیل: توحید دین کی اصل ہے اور وہ عظیم فریضہ ہے جس کو لیکر حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے اور وہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے عظیم ہے۔ اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں حضور کی تصدیق کرے اور کسی معاملہ میں حضور کی تکذیب کرے تو اس کے کافر ہونے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص توحید کا اقرار کرے اور نماز کی فرضیت کا انکار کرے تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائے، ایسا شخص کافر ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص توحید اور نماز کی

فرضیت کا اقرار کرے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے تو ایسا شخص کافر ہے یا توحید، نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار کرے اور روزہ کی فرضیت کا انکار کرے تو ایسا شخص کافر ہے، یا توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار کرے اور حج کی فرضیت کا انکار کرے تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائیگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں پوری طرح اسلام کے تابع نہیں ہوئے تھے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ. (سورہ آل عمران: ۹۷)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ اور کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا اقرار کرے اور بعث بعد الموت (موت کے بعد اٹھایا جانا) کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی بعض باتوں پر ایمان لاتا ہے اور بعض باتوں کا انکار کرتا ہے تو وہ شخص یقینی طور پر کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس

عَذَاباً مُّهِيْنًا.
(سورہ نساء:(۱۵۱-۱۵۰)

کے بین بین کوئی راہ نکالیں۔ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار رکھی ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر بندہ رسول کی لائی ہوئی تمام باتوں پر عمل کرے اور کسی ایک بات کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر کوئی شخص دین کی بنیاد ''توحید'' ہی کا انکار کر بیٹھے تو بھلا اس کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور ہمارے زمانہ کے مشرکین تکفیر کے اسی لئے مستحق ہیں کہ انہوں نے دین کی اصل اور اساس ''توحید'' کا انکار کر دیا ہے حالانکہ وہ اس کے علاوہ دین کی تمام دوسری فروع (شاخوں) کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے مشرکین کی تکفیر اس لئے کی گئی کہ وہ دین کی اصل اور فروع دونوں کا انکار کرتے تھے۔ اور ہمارے زمانہ کے مشرکین فروع کی تصدیق کرتے ہیں اور دین کی اصل کا انکار کرتے ہیں پس کفر میں دونوں برابر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

دوسری دلیل: وہ مسلمان جو لا الٰہ الا اللہ کی تصدیق کرتا ہے اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کا قائل ہے اور بعث بعد الموت پر بھی اس کا ایمان ہے لیکن بعض دفعہ ایک معمولی بات اس کی تکفیر کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ بات جو اپنی زبان سے کہتا ہے اور دل میں وہ بات نہیں ہوتی حالانکہ وہ اس بات کے زبان سے نکالنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے، یا وہ بات مذاق اور ٹھٹھا کے طور پر زبان پر نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ.
(سورہ توبہ:۷۴)

یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک بات کی وجہ سے ان کی تکفیر کی حالانکہ وہ حضور کے زمانے میں ہیں وہ لوگ آپ کے شانہ بہ شانہ جہاد بھی کرتے ہیں، آپ کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا:

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ. لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. (سورہ توبہ:۶۶-۶۵)	کہہ دیجئے! کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ انہوں نے اسلام کے بعد کفر کیا حالانکہ وہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے صرف ایک بات بطور مذاق کہہ دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بات پر ان کی تکفیر کی حالانکہ وہ لا الٰہ کی گواہی دیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملکر جہاد کرتے تھے۔ نماز، زکوٰۃ، حج کی ادائیگی بھی کرتے تھے اور موحد بھی تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی خلاف شرع امر سرزد ہو تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی کے باوجود اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اگر ایسا شخص توبہ نہ کرے تو وہ کافر ہے۔ اور شہادتین نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا۔ ایسا شخص اللہ، اس کے رسول اور تمام مومنین کے نزدیک کافر ہے اور جس کی قرآن پاک نے تکفیر کی ہو اس کے کفر میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

تیسری دلیل: ایسا مسلمان جو لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ جہاد کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے روزہ رکھتا ہے حج کرتا ہے صدقہ کرتا ہے اور بعث بعد الموت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ بھی شرک کی بعض قسموں میں مبتلا ہو سکتا ہے جس کے شرک ہونے کے بارے میں وہ لاعلم ہے پھر بھی اس کی تکفیر کی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا جب انہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ:

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھاً کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ ۔ (سورہ اعراف: ۱۳۸)

کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے! جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔

ٹھیک اسی طرح بعض صحابہ کرامؓ نے جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ ہمارے لئے ''ذات انواط'' مقرر کر دیجئے جس طرح مشرکوں کے پاس ''ذات انواط'' ہے۔ اور بنی اسرائیل اور بعض صحابہ کرام کافر نہیں ہوئے اس لئے نبی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا لیکن انہوں نے بت کی پوجا نہیں کی اسی طرح بعض صحابہ کرام نے حضور سے مطالبہ کیا لیکن ذات انواط نہیں بنایا لیکن بنی اسرائیل اگر پرستش کرتے تو ان کی تکفیر کی جاتی اسی طرح بعض صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کے روکنے کے باوجود ذات انواط بناتے تو ان کی تکفیر کی جاتی۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان کی بعض دفعہ اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات کی وجہ سے تکفیر ہوتی ہے اور وہ اس کے کلمہ کفر ہونے کو نہیں جانتا ہے تو جاننے والے اس کو اس کی اطلاع دیں گے۔ اس اطلاع کے بعد اگر اسے فوراً ندامت ہوئی اور توبہ کر لیا تو تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ بنی اسرائیل اور بعض صحابہ کرام نے کیا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر چہ کہ تکفیر نہیں کی جائے گی لیکن ایسے لوگوں کیلئے سخت الفاظ استعمال کئے جائیں گے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے کیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عملاً شرک کی بعض قسموں میں واقع ہونے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی بھی تکفیر کی جائے گی، حالانکہ وہ اس سے ناواقف ہیں یا زبان سے کفریہ کلمہ نکلنے کی وجہ سے بھی تکفیر کی جائے گی، حالانکہ وہ اس کے کلمہ کفر ہونے سے لاعلم ہیں۔ اگر تنبیہ کے باوجود ایسے لوگ توبہ نہ کریں تو وہ کافر ہیں نہ ان کے لئے کلمہ توحید سودمند ہے اور نہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور نہ جہاد اور نہ عبادت کی کثرت اور نہ دعوائے اسلام۔ اور وہ اس لئے کہ اس نے خلاف شروع عمل کا ارتکاب کیا ہے۔

چوتھی دلیل: حضور اکرم ﷺ کے اصحاب نے بنی حنیفہ کی تکفیر کی اور ان سے قتال کیا حالانکہ وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے اور وہ کلمہ توحید کی گواہی دیتے تھے لیکن اس گواہی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ مسیلمہ بھی نبی ہیں۔ پس وہ شخص جو کسی انسان کو مقامِ نبوت تک پہنچا دے تکفیر کا مستحق ہے اور اس کا مال اور خون حلال ہے۔ اور نہ شہادتین اس کے لئے سودمند ہے اور نہ نماز۔ تو وہ شخص جو کسی ولی اور بزرگ کو مقام الوہیت تک پہنچا دے اور اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارے یا اللہ کے ساتھ اس کو بھی پکارے تو مستحق تکفیر ہوگا یا نہیں؟

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ شہادتین کی گواہی، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے باوجود بعض مسلمانوں کی تکفیر کی جائے اگر اس سے خلاف شرع، موجب تکفیر قول یا عمل صادر ہوا اور وہ اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے نزدیک کافر ہیں لیکن اگر توبہ کرلیں تو تکفیر نہیں کی جائے گی۔

پانچویں دلیل: حضرت علیؓ نے جن لوگوں کو آگ میں ڈال کر سزا دی وہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ اصحاب علی سے تھے لیکن اولیاء اور صالحین کے بارے میں ہمارے زمانہ کے مشرکوں کے اعتقاد کی طرح ان کا اعتقاد تھا۔ اسی لئے صحابہ کرام نے انکی تکفیر کی اور ان کے قتل اور کفر پر اتفاق واجماع کیا۔ اور کلمۂ توحید، نماز، کثرت عبادت اور اسلام کا دعویٰ ان کے کچھ کام نہ آیا کیوں کہ ان سے خلاف شرع ایسی بات سرزد ہوئی جو موجب کفر تھی تو کیا جو اعتقاد حضرت علی کے بارے میں صحابہ کرام کے نزدیک موجب کفر تھا اسی قسم کا اعتقاد صالحین کے بارے میں اس زمانہ میں موجب کفر نہ ہوگا۔!

فریق مخالف کا دوسرا شبہ

فریق مخالف کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت اسامہؓ سے

ناراض ہوئے جب حضرت اسامہؓ نے ایک شخص کو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد کیوں قتل کیا؟ اسی طرح وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے لوگوں سے جنگ کروں مگر ان لوگوں سے جنگ نہ کروں جو لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیں۔ مخالفین کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی چاہے وہ کچھ بھی کرے۔

جواب: جس وقت حضور اکرم ﷺ نے بنی المصطلق پر دھاوا بولنا چاہا ایک شخص کی اس اطلاع کی بنا پر کہ اس قبیلہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے تو فوراً آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ ۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ. (سورہ حجرات:٦)	اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

اس آیت کی تعلیمات کی روشنی میں حضورؐ کے حضرت اسامہ سے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جب اس نے لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ اسلام ظاہر کر دیا تو اس سے بچنا ضروری تھا اور اس کو قتل کرنا ناروا تھا جب تک کہ خلاف شرع امر کی اس کے سلسلے میں تحقیق نہ ہو جائے۔ اسی طرح حدیث کے مضمون کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا. (سورہ نساء:٩٤)	اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو۔

تو یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ کا اظہار کرے تو اس کے قتل

سے احتراز کیا جائے گا اور تحقیق کی جائے گی۔ اگر اس کے بعد تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ خلاف شرع موجب کفر عمل کرتا ہے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اسی اصول کی بناء پر مرتدین کا قتل جائز ہے حالانکہ مرتد ہونے سے پہلے بھی وہ لا الہٰ الا اللہ کہتے تھے اور مرتد ہونے کے بعد بھی دین کے بعض فروع کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ لا الہ الا اللہ کہتے تھے۔

لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ لا الہٰ الا اللہ پڑھنے والوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو قتل کیا جائے گا چاہے وہ کچھ بھی خلاف شرع اور موجب کفر کام کرے۔

ان مخالفین سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا آپ حضرات اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ:

(۱) حضور اکرم ﷺ نے یہودیوں سے قتال کیا اور ان کو قیدی بنایا حالانکہ وہ لا الہٰ الا اللہ کی گواہی دیتے تھے۔

(۲) حضور کے اصحاب نے بنوحنیفہ سے قتال کیا حالانکہ وہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے تھے۔

(۳) حضرت علیؓ نے بعض لوگوں کو آگ کے ذریعہ سزا دی حالانکہ وہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے تھے۔

(۴) مسلمانوں میں سے جو شخص بعث بعد الموت کا انکار کردے تو اس کی تکفیر کی جائے اور وہ واجب القتل ہے۔ اگرچہ کہ وہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو۔

(۵) مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص بعض ارکانِ اسلام کا انکار کردے تو اس کی تکفیر کی جائے اور وہ واجب القتل ہے۔ چاہے وہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو۔

ان تمام باتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لا الہٰ الا اللہ کا اقرار مذکورہ بالا

افراد کے کچھ کام نہ آیا تو ان مخالفین کو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا فائدہ پہنچائے گا۔ پھر بھی اگر کوئی یہ کہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے والے کی کسی حال میں تکفیر نہ کی جائے گی، چاہے اس سے ایسے خلاف شریعت اعمال سرزد ہوں جو موجب کفر ہوں۔ تو اس سے قرآن وحدیث کے دلائل کے سوا اور کیا بات کہی جاسکتی ہے۔

تیسری فصل

واسطہ اور الٰہ

سوال نمبر (۱): کیا واسطہ ہی الٰہ ہے؟

جواب: کلمۂ توحید کفر اور اسلام کے درمیان فرق کرنے والا کلمہ ہے اور یہ کلمہ نفی اور اثبات پر مشتمل ہے۔ نفی اس بات کی ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی حتی کہ فرشتے، صالحین اور انبیاء وغیرہ الٰہ نہیں ہیں سوائے خدا کے، اور اثبات یہ ہے کہ صرف ذات خداوندی ہی الٰہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الوہیت کو اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے اور تمام مخلوقات سے الوہیت کی نفی کی ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ کی الوہیت میں ذرہ برابر بھی شریک نہیں ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں اللہ کی الوہیت میں شرک کا دوسرا نام لوگوں نے ولایت اور واسطہ رکھا ہے۔ اور وہ لوگ ولی اور وسیط کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بہت ہی خاص ہیں اور اللہ نے ان خاصۂ خاصان کو ایسے مقام بلند پر فائز کیا ہے کہ اگر لوگ ان کی پناہ ڈھونڈیں، ان سے امیدیں وابستہ کریں، ان سے مدد مانگیں اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بنائیں تو اللہ خوش ہوتا ہے، اور اللہ ان کے اس عمل سے راضی ہوتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے اہل شرک اولیاء صالحین اور مشائخ کے ساتھ جس طرز عمل کو واسطہ سے تعبیر کرتے ہیں اسی کو پچھلے لوگ ''الٰہ'' سے تعبیر کرتے تھے۔ وہ لوگ بھی فرشتوں، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور قوم نوح کے صالحین کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے تھے جو عقیدہ ہمارے زمانہ کے اہل شرک رکھتے ہیں وہ لوگ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو ایک خاص مقام عطا کیا ہے اور وہ اس لائق ہیں کہ انکو پکارا جائے، ان سے مانگا جائے، یا اللہ سے ان کے واسطہ سے سوال کیا جائے، ان سے امیدیں وابستہ کی جائیں یا ان کے واسطہ سے اللہ سے امید کی جائے۔

ان عقائد کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ان کی تکفیر کی، حالانکہ وہ لوگ یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ ہی خالق، رازق اور مدبر ہے۔ اس بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:

(۱) ہمارے زمانہ میں اہل شرک کے وسائط انبیاء، اولیاء اور صالحین وغیرہ ہیں۔

(۲) پہلے زمانہ کے اہل شرک کے ''الٰہ'' انبیاء، اولیاء اور صالحین وغیرہ تھے۔

ہمارے زمانہ کے اہل شرک ''وسائط'' سے جس قربت اور شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔ پہلے زمانہ کے مشرکین ''الٰہ'' سے اسی قربت اور شفاعت کی امید رکھتے تھے اور اس کی دلیل قرآن میں موجود ہے جس میں ان مشرکین کے قول کو نقل کیا گیا ہے۔

دلیل قربت: ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (سورہ زمر: ۳)

اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

شفاعت کی دلیل:

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ. (سورہ یونس: ۱۸)

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ واسطہ ہی الٰہ ہے۔ مسمّٰی میں فرق ہے لیکن مفہوم ومراد میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ واسطہ اور الٰہ کے بارے میں قدماء اور عصر حاضر کے لوگوں کا عقیدہ بالکل یکساں ہے گویا کہ یہ ایک ہی شئی کے دو نام ہیں قدماء اس کو ''الٰہ'' کہتے تھے ہمارے زمانہ کے اہل شرک اس کو ''واسطہ'' کہتے ہیں۔ حالانکہ کلمہ توحید ''لا الٰہ الا اللہ'' کا

مطلب وسائط یا الٰہ (معبود) کی مکمل نفی تھا اور اس کا معنی ومفہوم یہ تھا کہ صرف خدا ہی کو معبود مانا جائے، اسی سے مانگا جائے، اسی کو پکارا جائے، اسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں، اسی سے مدد طلب کی جائے، اسی کیلئے نذر ونیاز اور ذبح کو حلال سمجھا جائے۔ اور یہی وہ توحید الوہیت ہے جس کی اللہ کے رسول ﷺ نے دعوت دی۔ اور کفار ومشرکین کلمہ توحید کے مفہوم سے اچھی طرح واقف تھے جبھی تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے جنگ کی اور حضور نے ان سے جہاد کیا لیکن مقام تعجب ہے کہ کلمۂ توحید کے جس مفہوم سے کفار آشنا تھے آج کے بہت سارے مسلمان ناآشنا ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف زبان سے کلمہ توحید کا تلفظ کافی ہے چاہے دل میں اس کی حقیقت نہ اترے۔ حالانکہ منافقین بھی زبان سے سب کچھ کا اقرار کرتے تھے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کچھ ادا کرتے تھے لیکن چونکہ دل سے اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (سورہ نساء:۱۴۵) منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے۔

لیکن منافقین کو زبان سے کلمہ توحید کے تلفظ نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

پس جو شخص بھی عبادت کی قسموں میں کسی بھی قسم کو غیر اللہ کے لئے انجام دیتا ہے تو وہ غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کا مرتکب ہو رہا ہے اور اس نے اس غیر اللہ کو الٰہ (معبود) بنالیا اور اس کو اللہ کے خالص حق میں شریک کرلیا، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی عبادت نہیں ہے بلکہ دعا بھی عبادت ہے، خوف وامید بھی عبادت ہے، ذبح اور نذر بھی عبادت ہے، توکل اور توسل بھی عبادت ہے۔ پس ان امور کا غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہے، چاہے اس عمل کا مرتکب اپنے اس عمل کو شرک اور عبادت کا نام دینے سے پہلوتہی اختیار کرے۔ اسلئے کہ نام بدل دینے سے کسی چیز کی حقیقت وماہیت تبدیل نہیں ہوتی، یہ بات اتنی عیاں ہے کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح سود اور شراب کو اگر کوئی اچھا سا نام دے دیا

جائے تو ان کی حقیقت نہیں بدلے گی اور نہ وہ شئی جائز ہوگی۔ شرک بھی اپنی ذات میں قبیح اور حرام ہے اس لئے کہ اس میں اللہ کی تنقیص اور مخلوق سے تشبیہ لازم آتی ہے تو نام کے بدل جانے سے شرک کی خرابیاں ختم نہیں ہوں گی، چاہے ہم اس کا نام واسطہ رکھدیں یا وسیلہ یا شفاعت۔ پس شرک شرک ہے چاہے اقرار کرے یا انکار، جس طرح سود خوار سود خوار ہے اقرار کرے یا انکار۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے بعض لوگ سود کو بیع کے نام سے حلال قرار دیں گے اور شراب کو کوئی اور نام دیکر حلال قرار دیں گے۔ تو اگر حکم کا تعلق صرف نام سے ہوتا اور حقیقت سے نہ ہوتا تو یہ لوگ مذمت کے مستحق نہ ہوتے اور یہ شیطان کا مکر وفریب ہے جس میں اس نے پہلے ہی لوگوں کو پھانس لیا تھا اور آج بھی جکڑ رکھا ہے اور آج شرک کو واسطہ، وسیلہ اور شفاعت کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے اور آج یہ عقیدہ بہت سارے مسلمانوں کے دل میں گھر کر گیا ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ آج قبریں ہر مانگنے والے کی جائے سکونت، ہر مدد طلب کرنے والے کی جائے پناہ، ہر خوف زدہ کی سکون گاہ اور ہر بیمار کی شفا گاہ بن چکی ہیں۔ اللہ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

چوتھی فصل

وکیل اور حفیظِ حق پر توکل

(۱) وکیل

سوال: کیا حضور اکرم ﷺ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے وکیل ہیں اور کیا قبروں میں مدفون صالحین اور مشائخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے وکیل ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ.

(سورہ یونس:۱۰۹-۱۰۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف پہنچ چکا ہے۔ اس لئے جو شخص راہ راست پر آجائے سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ اور آپ اس کی اتباع کرتے رہئے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اعلانِ عام فرمادیں کہ تمہارے رب کی طرف سے حق مبین آچکا ہے جبکہ یہ حق مبین گذشتہ انبیاء کرام کی دعوت سے ناواقفیت اور انبیاء متاخرین کی کتابوں میں تاویل وتحریف کے سبب غیر واضح اور پوشیدہ تھا۔ اب اس کتاب مبین قرآن نے اس حق کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

تو جو شخص حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کر کے ہدایت یاب ہونا چاہے گا تو اسکا فائدہ اس کی ذات کو پہنچے گا اور وہ دین و دنیا اور آخرت کی سعادت و کامرانی سے سرفراز ہوگا۔ اور دوسروں کا عمل دوسروں کا واسطہ اور دوسروں کی جاہ اس کو کچھ بھی فائدہ نہ پہونچا سکے گی اور جو شخص اس حق کو لائحہ عمل نہ بنا کر گمراہ ہوگا اس کی اس گمراہی کا وبال صرف اسی کے سر ہوگا اس لئے کہ وہ اس گمراہی کی وجہ سے آخرت میں مستحق عذاب ہوگا اور حضور اکرم ﷺ اس کی کچھ مدد نہیں فرما سکیں گے۔ اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ میں رسول کی حیثیت سے اللہ کی طرف سے تمہارے معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ میں تم پر داروغہ ہوں کہ تم کو ایمان پر مجبور کروں یا اپنی قوت وقدرت سے تم کو کفر اور نافرمانی سے روک دوں جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ. (سورہ غاشیہ:۲۱-۲۰)

پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیوں کہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

میں تو اس بات کی وضاحت کے لئے آیا ہوں کہ اللہ ہی وکیل حق (حقیقی کارساز) ہے اور تمام امور کی ذمہ دار تنہا اس کی ذات ہے، اور میں رسول کی حیثیت سے تمہاری ہدیت، نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ. (سورہ ہود:۱۲)

آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔

اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ علم، عمل اور تعلیم کے لحاظ سے قرآن پاک کی پیروی کروں اور اولوالعزم انبیاء کرام اور رسولوں کی طرح راہِ حق میں ثابت قدم رہوں اور صبر کروں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے اور بے شک سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والی ذات اسی کی ہے۔

جس طرح آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا کہ لوگوں سے صاف صاف بتلادیں کہ میں وکیل نہیں ہوں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔

(سورہ یونس ۱۰۸)

اسی طرح دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی سے صفت وکالت کی نفی فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

اِنَّـآ اَنْـزَلْـنَـا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِـلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا، وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ.

(سورہ زمر:۴۱)

آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لئے نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہ راست پر آجائے اس کے اپنے لئے نفع ہے اور جو گمراہ ہوجائے اس کی گمراہی کا (وبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔

اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ میں نے آپ کو وکیل کے منصب پر سزاوار کر کے رسول نہیں بنایا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔:

رَبُّـكُـمْ اَعْـلَـمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَـرْحَـمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِبْكُمْ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلاً.

(سورہ اسراء:۵۴)

تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کردے یا اگر وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے۔ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں نازل فرمائی جن میں اسلامی تربیت کے اصول بیان فرمائے اور یہودیوں کے کافر ہونے کے باوجود ان کے ساتھ منصفانہ معاملہ

فرمایا، کیوں کہ بغیر کسی وکیل اور برہان کے کسی پر تہمت لگانا کسی حال میں جائز نہیں ہے اور اسی طرح باطل اور ظلم کی پشت پناہی بھی روا نہیں ہے چاہے وہ ظالم مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ قیامت کے دن کوئی وکیل نہیں ہوگا جو انکی طرف سے اللہ کے نزدیک دفاع کر سکے اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ وَلَاتَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا. وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ،اِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ،اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا. یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ، وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا. هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْهِمْ وَکِیْلًا.

(سورہ نساء:۱۰۵-۱۰۹)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو! بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گنہگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔ وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔ ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ

تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی
حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو انکا
وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟۔

شانِ نزول: ان آیات کا شانِ نزول درج ذیل ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک خاندان بنوابیرق کے نام سے معروف تھا ان میں سے ایک شخص جس کا نام ترمذی اور حاکم کی روایت میں بشیر ذکر کیا گیا ہے اور بغوی اور ابن جریر کی روایت میں (طعمہ) نام بتلایا گیا ہے، اس نے حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر چوری کر لی۔ ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ شخص درحقیقت منافق تھا، مدینہ میں رہتے ہوئے بھی صحابہ کرام کی توہین میں اشعار لکھ کر دوسروں کے ناموں سے ان کی اشاعت کیا کرتا تھا۔ اور چوری کی صورت یہ ہوئی کہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان فقر و فاقہ کیساتھ تنگی سے بسر اوقات کرتے تھے اور ان کی عام خوراک جو کا آٹا تھا یا کھجوریں یا گیہوں کا آٹا جو بہت کم میسر تھا اور مدینہ میں ملتا بھی نہ تھا۔ ملک شام سے جب آتا تو کچھ لوگ مہمانوں کے لئے یا کسی خاص ضرورت کے لئے خرید لیا کرتے تھے۔ حضرت رفاعہؓ نے اس طرح کچھ گیہوں کا آٹا خرید کر ایک تھیلی میں اپنے لئے رکھ لیا، اس میں کچھ اسلحہ وغیرہ بھی رکھ کر ایک چھوٹی کوٹھری میں محفوظ کر دیا۔ بنوابیرق کے بشیر یا (طعمہ) نے اس کو بھانپ لیا اور نقب لگا کر یہ تھیلی نکال لی۔ حضرت رفاعہؓ نے جب صبح کو یہ ماجرا دیکھا تو اپنے بھتیجے قتادہ کے پاس آئے اور چوری کے واقعہ کا ذکر کیا سب نے مل کر محلہ بھر میں تفتیش شروع کر دی۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ آج رات ہم نے دیکھا کہ بنوابیرق کے گھر میں آگ روشن تھی ہمارا خیال ہے کہ وہی کھانا پکایا گیا ہے۔ بنوابیرق کو جب راز فاش ہونے کی خبر ملی تو خود آئے اور کہا کہ یہ کام لبید بن سہل کا ہے۔ حضرت لبید کو ہم جانتے تھے کہ مخلص مسلمان اور نیک بزرگ ہیں۔ ان کو جب

یہ خبر ہوئی تو وہ تلوار کھینچ کر آئے اور کہا کہ چوری میرے سر لگاتے ہو، اب میں تلوار اس وقت تک میان میں نہ رکھوں گا جب تک چوری کی حقیقت واضح نہ ہو جائے۔ بنو ابیرق نے آہستہ سے کہا کہ آپ بے فکر رہیں، آپ کا نام کوئی نہیں لیگا نہ آپ کا یہ کام ہو سکتا ہے، بغوی اور ابن جریر کی روایت میں اس جگہ یہ ہے کہ بنو ابیرق نے چوری ایک یہودی کے نام لگا دی اور ہوشیاری یہ کی کہ آٹے کی تھیلی کو تھوڑا سا پھاڑ دیا تھا جس سے آٹا گرتا رہا اور رفاعہ کے مکان سے یہودی کے مکان تک اس آٹے کے آثار پائے گئے۔ شہرت ہونے کے بعد چوری کیا ہوا اسلحہ اور زرہیں بھی اسی یہودی کے پاس رکھوادیں اور تحقیق کے وقت اسی کے گھر سے برآمد ہوئیں۔ یہودی نے قسم کھائی کہ زرہیں مجھے بنو ابیرق نے دی ہیں۔ ترمذی کی روایت اور بغوی کی روایت میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بنو ابیرق نے اولاً چوری لبید بن سہل کے نام لگایا ہو پھر جب بات بنتی نظر نہ آئی تو اس یہودی کے سر ڈالا ہو۔ بہر حال اب معاملہ یہودی اور بنو ابیرق کا بن گیا۔

ادھر حضرت قتادہ اور رفاعہؓ کو مختلف صورتوں سے یہ گمان غالب ہو گیا تھا کہ یہ کارروائی بنو ابیرق کی ہے۔ حضرت قتادہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر چوری کا واقعہ اور بہ سلسلۂ تفتیش بنو ابیرق پر گمانِ غالب کا ذکر کر دیا۔ بنو ابیرق کو جب اس کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت رفاعہ اور قتادہؓ کی شکایت کی کہ بلا ثبوتِ شرعی چوری ہمارے نام لگا رہے ہیں حالانکہ مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا ہے۔ آپ ان کو روکئے کہ ہمارا نام نہ لگائیں، یہودی پر دعویٰ کریں۔ ظاہری حالات و آثار سے آنحضرت ﷺ کا بھی اسی طرح رجحان ہو گیا کہ یہ کام یہودی کا ہے۔ بنو ابیرق پر الزام صحیح نہیں، یہاں تک کہ بغوی کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کا ارادہ ہو گیا کہ یہودی پر چوری کی سزا جاری کر دی جائے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

اِدھر جب حضرت قتادہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ آپ بغیر دلیل اور ثبوت کے ایک مسلمان پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں۔ حضرت قتادہؓ اس معاملہ سے بہت رنجیدہ ہوئے اور افسوس کا اظہار کیا کہ کاش کہ میں اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی بات نہ کرتا اگرچہ میرا مال بھی جاتا رہتا اسی طرح حضرت رفاعہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ارشاد فرمایا ہے تو انہوں نے بھی صبر کیا اور کہا: واللہ المستعان۔

اس معاملہ پر ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوگئیں۔ قرآن پاک نے بنوابیرق کی چوری کھولدی اور یہودی کو بری کردیا۔

چوری کے واقعہ کی اصل حقیقت بیان فرما کر اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن اور وحی اسلئے نازل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم و معرفت آپ کو عطا فرمایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں اور خائنوں کی یعنی بنوابیرق کی طرفداری نہ کریں اور اگرچہ ظاہری حالات اور قرائن کی بنا پر چوری کے معاملہ میں یہودی کی طرف آپ کا رجحان کوئی گناہ نہ تھا مگر تھا تو واقعہ کے خلاف اس لئے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا اور پھر یہ فرمایا گیا کہ خیانت کرنے والوں کی طرف سے آپ کوئی جواب دہی نہ کریں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اور آگے یہ بھی فرمادیا گیا کہ تم نے دنیا میں تو کسی طرح حمایت حاصل کرلی مگر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوگیا جب معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا تو وہاں کون حمایت کرے گا۔

بہرحال ان حالات میں یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ نے ظاہری حالات کے مطابق بنوابیرق کو بری الذمہ قرار دیا اور یہودی کو موردِ الزام ٹھہرایا تو اللہ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ وَلَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡماً. وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ ،اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡراً رَّحِیۡماً. وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ ،اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ خَوَّاناً اَثِیۡماً. یَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمۡ اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ ، وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطاً. ھٰٓاَنۡتُمۡ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡھُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فَمَنۡ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنۡھُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَمۡ مَّنۡ یَّکُوۡنُ عَلَیۡھِمۡ وَکِیۡلاً.

(سورہ نساء:۱۰۹-۱۰۵)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو! بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گنہگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔ وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔ ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو انکا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟۔

انبیاءِ کرام کے قاتلوں کے لئے بھی اس شریعت میں انصاف ہے۔ اس لئے کہ

اس شریعت کی بنیاد ہی انصاف پر مبنی ہے یہاں ظلم کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ اوران آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی کسی کا وکیل اور کارساز نہیں ہے اور یہ آیتیں ان خیالات کی نفی کرتی ہیں جو خیالات لوگوں کے دلوں کے اندر وکیل کے تعلق سے گھر کر گئے ہیں کہ ہمارے وکلاء قیامت کے دن اللہ کے نزدیک ہماری طرف سے دفاع کریں گے۔ وہاں کوئی وکیل کسی کی طرف سے جوابدہ نہ ہوگا بلکہ ہر شخص خود ہی اپنا جوابدہ ہوگا۔ قرآن پاک میں اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ. (سورہ نحل:۱۱۱)

جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لئے لڑتا جھگڑتا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور لوگوں پر (مطلقاً) ظلم نہ کیا جائے گا۔

اے مسلمانو! ذرا غور کرو یہ حضور اکرم ﷺ ہیں جو انبیائے کرام کے سردار ہیں سید اولادِ آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنکو وحی کے ذریعہ مخاطب فرماتا ہے اور جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ان سے اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آپ کسی کے وکیل اور کارساز نہیں ہیں۔ تو پھر اولیاء اور مشائخ (جو اپنی قبروں میں مدفون ہیں) دنیا اور آخرت میں وکیل کیسے ہوسکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے فرمایا ہے کہ:

اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلاً. (سورہ فرقان:۴۳)

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں۔؟

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. (سورہ یوسف:۱۰۶)

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں رائیگاں گئیں اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اچھا کام انجام دے رہے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعاً.

(سورہ کہف:۱۰۴)

وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔

(۲) حفیظ

سوال: کیا حضور اکرم ﷺ اللہ کے بندوں کے افعال کے حفیظ (نگہبان) ہیں اور کیا اپنی قبروں میں مدفون اولیاء اور صالحین، اللہ کے بندوں کے افعال کے حفیظ (نگہبان) ہیں؟

جواب: اس کا جواب خود قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ.

(سورہ انعام:۱۰۴)

اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے دلائل عقلیہ فطریہ اور دلائل نقلیہ علمیہ پہنچ چکے ہیں تو جو شخص ان دلائل سے فائدہ اٹھائے گا وہ اپنا بھلا کرے گا اور جو شخص ان دلائل کو پس پشت ڈال دے گا وہ خود ہی اپنا نقصان کرے گا اور بدبختی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے گا۔ اور اللہ کے نزدیک کسی عمل کے سلسلہ میں کوئی بدلہ فدیہ قابل قبول نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ. (سورہ بقرہ:۱۲۳)

نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی، نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صاف صاف یہ اعلان فرمادیں کہ میں تم پر نگہبان نہیں ہوں کہ تمہارے اعمال کی نگرانی کروں۔ ان کو شمار کروں، ان کو محفوظ رکھوں اور پھر ان اعمال پر تم کو بدلہ دوں۔ میں تو صرف بشیر ونذیر ہوں نگراں اور نگہبان کی ذات تو صرف خدا کی ہے وہ تمہاری جلوت سے باخبر ہے اور اس کو تمہاری خلوت کا بھی علم ہے وہی تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا۔ اس کے ذمہ حساب ہے اور میرے ذمہ بلاغ (دین کو پہنچادینا) ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. (سورہ رعد:۴۰)

آپ پر تو صرف پہنچادینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہی ہے۔

اسی طرح دوسری آیت میں اللہ نے بتلادیا ہے کہ ہم نے آپ کو لوگوں کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا. (سورہ نساء:۸۰)

اس رسول کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

جو شخص آپ کی اطاعت سے (جو دراصل اللہ کی اطاعت ہے) اعراض برتے اور پہلوتہی کرے تو رسول کی ذمہ داری نہیں ہے کہ اس پر کو مجبور کریں آپ صرف بشیر ونذیر اور داعی الی اللہ ہیں، آپ حفیظ (نگہبان) اور رقیب (نگراں) نہیں ہیں کہ لوگوں کے اعمال

کی نگرانی کریں، ان کی حفاظت کریں اور کارِ خیر پر لوگوں کو مجبور کریں۔ آپ کی رسالت کے فرائض میں یہ بات سرے سے داخل ہی نہیں ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا، وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ.

(سورہ انعام:۱۰۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا۔ اور نہ آپ ان پر مختار ہیں!۔

اے میری دینی بھائیو! جب رسول اللہ ﷺ حفیظ اور رقیب نہیں ہو سکتے تو قبروں میں مدفون اولیاء اور مشائخ حفیظ اور رقیب کیسے ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ عقیدہ کہ مشائخ اور اولیاء لوگوں کے امور کی نگرانی ہی نہیں کرتے بلکہ انکی تدبیر (کام انجام دینا) بھی کرتے ہیں حالانکہ ان سے افضل بلکہ کائنات کے سردار حضور اکرم ﷺ اس منصب پر فائز نہیں ہیں تو اولیاء ومشائخ کو یہ مقام کیسے مل سکتا ہے۔ مشائخ اور اولیاء کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ سراسر گمراہی ہے اور اللہ کی کتاب اس عقیدہ کو بالکلیہ مسترد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی رہنمائی فرمائے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۳) وکیل حق (کارساز حقیقی) پر توکل

سوال: ہم کس پر بھروسہ کریں اور ہمارا وکیل کون ہے اور کن امور میں ہم توکل کریں اور کیوں کریں؟

جواب: اس سوال کا جواب دیتے ہوئے قرآن پاک فرماتا ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ.

(سورہ انعام:۱۰۲)

یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ وَّكِيْلٌ. (سورہ زمر:٦٢) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی تنہا تمام اشیاء کا خالق ہے اور اپنی مخلوقات کی ہر چھوٹی بڑی، پوشیدہ اور ظاہر سے باخبر ہے اور جس کی یہ شان ہوگی وہی رب ہونے کا مستحق ہوگا۔ نہ کہ وہ اشخاص جن کو تم نے اولیاء، انداد اور ارباب بنالیا ہے اور عبادات میں ان کو اللہ کا شریک بنالیا ہے اور یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ یہ شرکاء مخلوقات کے معاملہ میں اللہ کے وکیل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وکالت سپرد کردی ہے کہ جسکو چاہیں اللہ سے قریب کردیں اور جس کو چاہیں اللہ سے دور کردیں۔ لیکن اس مقام پر ہمیشہ یہ حقیقت ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ اللہ بغیر کسی کی شرکت کے عبادت کا مستحق ہے کیوں کہ وہ ربّ اور خالق ہے اور اس کے سوا پوری دنیا مخلوق ہے تو مخلوق کے لئے ضروری ہے کہ اپنے خالق کی عبادت کرے اور اس کو وکیل بنائے نہ کہ اپنی جیسی مخلوق کو وکیل والہ بنائے۔

وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ وَّكِيْلٌ. اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔
(سورہ زمر:٦٢)

یعنی کائنات کی ہر شئی اس کے ذمے ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق اس میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اور دنیا کی ہر شئی اس کی نگرانی میں ہے۔ اس حقیقت کے اعتقاد اور اعتراف کے بعد ہمارے لئے کسی طرح یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کو اپنا وکیل بنادیا ہے۔ بلکہ صرف اللہ ہی کو وکیل بنائیں جیسا کہ اس نے اپنی پاک کتاب میں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلاً. (سورہ مزمّل:٩) مشرق ومغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔

پس اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم صرف اللہ ہی پر توکل کریں اور اللہ کے علاوہ کسی پر توکل نہ کریں کیوں کہ توکل عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ جن کو ہم وکیل سمجھتے ہیں ان پر موت طاری ہوتی ہے اس لئے توکل حقیقی کی مستحق ذات وہی ہونی چاہئے جس پر موت طاری نہ ہوتی ہو، وہ ذات صرف خدا ہی کی ہوسکتی ہے اس لئے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ . (سورہ فرقان:۵۸) اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں۔

اللہ تعالیٰ تم سے اے انسانو! یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسی پر بھروسہ کرو اور تم کو کوئی ضرورت ہو تو اللہ سے دعا کرو کہ اے اللہ میری مدد فرما۔ اور جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے یہ دعا کرو کہ اے اللہ اس کام کو میرے لئے آسان فرما۔ اسی طرح جب کوئی مشکل پیش آئے تو اسی خدا سے مدد طلب کرو اس لئے کہ وہ زندہ ہے اس پر موت کبھی طاری نہیں ہوگی اور اسی کی ذات باقی رہنے والی ہے جب کہ سب ختم ہو جائیں گے اور وہی طاقتور ہے اور طاقتور رہے گا جبکہ سب کمزور ہو جائیں گے اور وہی صاحب قدرت ہے جبکہ پوری دنیا کی قدرت زوال آشنا ہو جائے گی۔ صرف اس کی قدرت میں ہے کہ مشکل کو آسانی میں بدل دے۔ تاریکی کو روشنی میں تبدیل فرمادے۔ تنگی کو فراخی میں مبدّل فرمادے اور اللہ کو ان کاموں کے لئے تم سے کوئی فیس یا نذرانہ نہیں چاہئے بس تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ اس سے یہ کہو:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. (سورہ فاتحہ:۴) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

پھر یہ بات کیسی بے تکی ہوگی کہ تم ایسے طاقتور خدا کو چھوڑ دو اور اسکے مقابلہ میں بے بس مخلوق سے مدد طلب کرو۔ زندہ خدا پر توکل چھوڑ دو اور مُردہ ولی پر توکل کرو۔

حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً. (سورہ احزاب:۳)

آپ اللہ ہی پر توکل رکھیں، وہی کارسازی کے لئے کافی ہے۔

اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ شیطان کا داؤ ان مؤحد مسلمانوں پر نہیں چلتا ہے۔ جو اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ. (سورہ نحل:۹۹-۱۰۰)

ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا۔ ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔

اور دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کہ:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلاً. (سورہ اسراء:۶۵)

میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں۔ تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے۔

دفع مضرت اور حصول مراد میں توکل سب سے بڑا ہتھیار ہے اس لئے کہ اللہ نے اس شخص کے رزق کی ذمہ داری لی ہے جو اس کی عبادت کرے، اور جو اس پر توکل کرے اس کے دفعِ مضرت کی ذمہ داری لی ہے، اور جو اس سے مغفرت طلب کرے اس کے درگذر فرمانے کا وعدہ کیا ہے اور جس کی فکر کا محور اللہ کی ذات ہوتی ہے اللہ اس کی کفایت فرماتا ہے۔

توکل کبھی اختیاری ہوتا ہے اور کبھی اضطراری، اضطراری توکل اس وقت ہوتا ہے جب سارے اسباب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ ہو جاتی ہیں اور آدمی

سمجھ لیتا ہے کہ اب اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو اس وقت کشادگی اور آسانی آتی ہے۔ اور توکل اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ اسباب کے باوجود توکل کرے۔ پس اگر سبب مامور بہ ہو اور مطلوب ہو تو اس کے ترک پر گنہگار اور سزاوار مذمت ہوگا اور اگر سبب اختیار کرے اور توکل چھوڑ دے تو بھی قابل مذمت ہوگا اس لئے کہ توکل اور اسباب کا اختیار کرنا دونوں واجب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ .
(سورہ آل عمران:۱۵۹)

اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔

اور اللہ پر توکل اجزائے ایمان میں سے ہے اور یہ کمال ایمان کی دلیل ہے اور یہ وہ بہتر چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لو أنكم تتوكلون على الله حق التوكل لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصاً وتروح بطاناً .
(احمد و ترمذی)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو وہ تم کو اسی طرح رزق دیگا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ پرندے صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کے وقت شکم سیر لوٹتے ہیں۔

پانچویں فصل

شفاعت اور مخالفین کے شبہات اور شرک کی تمام صورتوں کی نفی

سوال نمبر (۱): مکمل شفاعت کا حق کس کو حاصل ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مکمل شفاعت کا حق اس کو ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک صرف اللہ ہے تو یہ بات خود بخود معلوم ہوگئی کہ شفاعت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔

قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعاً لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (سورہ زمر:۴۴)

کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے تم سب اسی کی طرف پھیر دیے جاؤ گے۔

شفاعت کا حق اور اختیار صرف اللہ کو ہے پس وہ جس کو چاہے گا شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائیگا، پس حقیقتاً شفاعت کرنا اسی کا حق ہوا کیوں کہ جو شخص بھی شفاعت کرے گا اس کی اجازت اور اسی کے حکم سے شفاعت کرے گا اس طرح گویا اللہ کی شفاعت خود اپنی ذات کی طرف ہوگی تا کہ اپنے بندہ پر رحم فرمائے۔

سوال نمبر (۲): شفعاء (شفیع کی جمع یعنی شفاعت اور سفارش کرنے والے) کی شفاعت کی کیفیت اور حقیقت کیا ہوگی، اور کس شفاعت کو اللہ نے صحیح قرار دیا ہے؟ اور کس شفاعت کو باطل قرار دیا ہے؟ اور مخالفین کے شبہات (دلائل) کا کیا جواب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بندوں کا اللہ کے علاوہ کوئی شفیع (شفاعت کرنے والا)

نہیں ہے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو اپنے بندوں میں سے کسی کو اس کے سلسلے میں شفاعت کی اجازت فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ. (سورہ یونس:۳) — اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (سورہ بقرہ:۲۵۵) — کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔

پس جو بھی شفاعت ہوگی اللہ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوگی، اس کی اجازت اور حکم کے بغیر کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ پس وہ شفاعت جو اللہ کے حکم سے ہو اور وہ شفاعت جو اس کے حکم کے بغیر ہو دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے اور ان دونوں میں وہی فرق ہے جو شریک اور عبد مأمور (اجازت یافتہ بندہ) میں فرق ہے۔

(أ) وہ شفاعت جس کو اللہ نے باطل قرار دیا ہے

جس شفاعت کو اللہ نے باطل قرار دیا ہے وہ اس شفیع کی شفاعت ہے جو اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے ارادہ اور اپنی خواہش سے کسی کے حق میں شفاعت کرے یا یہ کہ وہ اللہ کے ارادہ اور مشیت میں شریک ہو کر اللہ کو جس کے حق میں وہ شفاعت کر رہا ہے اس پر رحم کرنے پر مجبور کرے۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی شفیع نہیں ہے نہ مستقل بالذات اور نہ خدا کا شریک ہو کر۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ. (سورہ انعام:۵۱) — اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا

اور نہ کوئی شفیع ہوگا اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں۔

اللہ کے افضل بندے انبیاء کرام اور فرشتے جو سب کے سب عبد محض ہیں، وہ بھی اللہ کے حضور بڑھکر نہیں بولتے اور نہ اللہ کے سامنے بڑھتے ہیں اور نہ اللہ کی اجازت اور اس کے حکم کے بغیر کوئی کام کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو اللہ نے سورہ انبیاء میں بیان فرمایا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ. لَايَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ. يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ.
(سورہ انبیاء: ۲۸-۲۶)

(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد والا ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں، کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں۔ وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو وہ تو خود ہیبت الٰہی سے لرزاں وترساں ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتوں کے افعال اللہ کے امر اور اس کی اجازت سے مقید ہیں:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ لَايَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَاباً. يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفّاً لَّايَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَاباً.

(اس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ) آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا پروردگار ہے اور بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ جس

(سورہ النباء:۳۸-۳۷) دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دیدے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے۔

(ب) وہ شفاعت جس کو اللہ نے صحیح قرار دیا ہے

جس شفاعت کو اللہ نے صحیح قرار دیا ہے اور اپنی کتاب میں ثابت فرمایا ہے وہ عبد مامور کی شفاعت ہے یعنی وہ شخص جو اللہ کے حکم اور اس کی اجازت سے شفاعت کرے گا۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (سورہ بقرہ:۲۵۵) کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔

لیکن اللہ تعالیٰ، شافع (سفارش کرنے والا) کو شفاعت کی اجازت اس وقت مرحمت فرمائے گا جب مشفوع (جس کے حق میں سفارش کی جائے) کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہوگا۔ اس سلسلہ میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. (سورہ انبیاء:۲۸-۲۶) وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔

ایک اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی. (سورہ نجم:۲۶) مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دیدے۔

اور کس کے حق میں اللہ سفارش سننے پر راضی ہوگا اس کے بارے میں بھی سن لیجئے یہ وہ شخص ہوگا جس نے شرک اور شوائب شرک سے اپنے ایمان کی حفاظت کی ہوگی۔ یعنی موحّد

خالص کے حق میں ہی اللہ سفارش سننے پر راضی ہوگا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ . (سورہ آل عمران:۸۵)

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا۔

اور جو موحّد نہ ہوں گے ان کا کوئی بھی شفیع نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (سورہ غافر:۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہوگا نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے گی۔

اور جیسا کہ دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ . وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ.

اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست۔

(سورہ شعراء:۱۰۱-۱۰۰)

اور شفیع کی شفاعت اس وقت کارگر ہوگی جب مشفوع کے حق میں اللہ شفاعت قبول کرنے پر راضی ہو اور شافع کو اس کے حق میں شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا. (سورہ طٰہٰ:۱۰۹)

اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔

رہا مشرکوں کی شفاعت کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ ان کے حق میں سفارش سننے پر راضی نہ ہوگا اور نہ شافع کی بات سننا پسند فرمائے گا۔ پس شافعین کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ.

پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

(سورہ مدثر: ۴۸)

اور قرآن کے اسی مضمون کو حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں، فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل نبی دعوة مستجابة فتعجل کل نبی دعوته انّی اختبأت دعوتی شفاعة لأمتی یوم القیامة . فهی نائلة ان شاء اللّٰه من مات من اُمتی لایشرک باللّٰه شیئاً.

(مسلم)

ہر نبی کو ایک مقبول دعا دی گئی تھی ہر نبی نے اس مقبول دعا کے سلسلہ میں جلدی کی اور دنیا ہی میں مانگ لی، میں نے اس مقبول دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھا ہے۔ یہ ایک انعام ہے انشاء اللہ میری امت کے ہر فرد کے لئے بشرطیکہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔

تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ شفاعت توحید خالص کے ساتھ مقید ہے اور توحید خالص یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے چاہے وہ فرشتہ ہو، نبی ہو، ولی یا پتھر شجر وحجر یا دوسری چیزیں۔

جس شفاعت کو اللہ نے ثابت فرمایا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اس کے وجود پذیر ہونے کیلئے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط: پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشفوع لہ کے حق میں سفارش سننے پر راضی ہو۔

دوسری شرط: دوسری شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شافع کو اس کے حق میں سفارش کی اجازت مرحمت فرمائے۔

دونوں شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی نہیں پائی جائے گی تو شفاعت نہیں پائی جائے گی اور یہ دونوں باتیں (پہلی شرط اور دوسری شرط) صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں اس لئے کہ ہم نہیں جانتے کہ کس کے حق میں اللہ سفارش سننے پر راضی ہے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس کو شفاعت کی اجازت دے گا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شفاعت صرف خدا ہی کے لئے ثابت ہے اور حضور اکرم ﷺ جن کو شفاعت عامہ اور شفاعت خاصہ حاصل ہے لیکن آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کریں گے اور اجازت کے بعد بھی صرف ان لوگوں کے لئے شفاعت کریں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش سننا پسند فرمائے گا۔ اسی لئے ہم حضور اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست نہیں کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ اے اللہ اپنی رضامندی اور اجازت کے ذریعہ مجھے اپنے نبی کی شفاعت کا مستحق بنادے۔ اسی لئے حضورؐ شافع (سفارش کرنے والے) اور مشفّع (جن کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائیگا) ہیں لیکن آپ شافع اور مُشفِّع (سفارش قبول کرنے والا) نہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

انا سید ولد آدم یوم القیامة واوّل من ینشق عنه القبر واول شافع واول مُشفّع. (مسلم)

میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لئے قبر شق ہوگی اور میں پہلا شخص ہوں گا جو سفارش کرے گا اور اس کو سفارش کی اجازت اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائے گا۔

(۱) **پہلا شبہ**: مخالفین کا پہلا شبہ یہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے اگر یہ شرک ہوتا تو قیامت کے دن لوگ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ،

حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخر میں حضور اکرم ﷺ سے مدد طلب نہ کرتے جیسا کہ بخاری شریف (۸/۳۰۰) میں ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ مدد جس پر مخلوق قادر ہو اس میں مخلوق سے مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ. (سورہ قصص: ۱۵)	اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی۔

جس طرح جنگ وغیرہ کے مواقع پر ان امور میں جو انسان کے مقدور میں ہیں اکثر لوگ ایک دوسرے کی مدد کے طلبگار رہتے ہیں۔ شریعت اس استغاثہ کی نفی کرتی ہے جو لوگ اولیاء اور مشائخ کی قبروں کے پاس کرتے ہیں یا ان کی غیر موجودگی میں کرتے ہیں ان امور میں جن پر ذات خداوندی ہی قادر ہے۔ رہا قیامت کے دن لوگوں کا انبیاء کرام سے مدد طلب کرنے کا مسئلہ تو وہ ناجائز استغاثہ کے دائرہ میں نہیں آتا۔ انبیاء کرام سے قیامت کے دن مدد طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان سے درخواست کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ حساب شروع فرمادیں تاکہ اہل جنت میدان حشر کی پریشانیوں سے نجات پاجائیں۔ اس طرح کی دعا کی درخواست زندوں سے دنیا میں بھی جائز ہے اور آخرت میں بھی۔ اس طرح قیامت کے دن حضورؐ کو جو شفاعت عظمیٰ دی جائے گی اس کا سمجھنا بھی آسان ہوگیا۔ یعنی جب لوگ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپؐ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے حساب میں عجلت کے لئے دعا فرمائیں۔ اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اے اللہ! حضور اکرم ﷺ کی جاہ کے طفیل حساب میں عجلت فرما۔

دوسرا شبہ: مخالفین کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ اللہ نے حضورؐ کو شفاعت سے نوازا

ہے اور جو چیز اللہ نے آپؐ کو دی ہے اس کو ہم حضورؐ سے طلب کرتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: (أ) اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو شفاعت سے نوازا ہے لیکن اس سے روکا ہے کہ ہم حضور سے شفاعت طلب کریں۔ اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً. پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ (سورہ جن ۱۸)

(ب) شفاعت حضور کے علاوہ اشخاص کو بھی دی گئی ہے۔ قیامت کے دن فرشتے، انبیاء کرام اور اَفراط (وہ بچیاں اور بچے جو بلوغ سے قبل انتقال کر گئے ہوں) وغیرہ شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی شفاعت کی نعمت سے نوازا ہے، تو ہمیں چاہئے کہ ان حضرات سے بھی شفاعت طلب کریں۔ اگر وہ یہ کہیں گے کہ ہم ان سے بھی شفاعت طلب کریں گے تو شرک ہے اور صالحین اور فرشتوں کی عبادت ہے اور اگر ان کا جواب ''نا'' میں ہو تو پھر یہ بات ثابت ہوگئی کہ شفاعت صرف اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس کے حق میں چاہے گا اور جس کو چاہے گا اجازت مرحمت فرمائے گا۔ اس لئے چاہئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ سے شفاعت طلب نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ تو اپنی رضا اور اجازت کے ذریعہ ہمیں اپنے نبی کی شفاعت نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کی شفاعت سے محروم نہ فرما وغیرہ وغیرہ۔ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما اور اسلام پر ثابت قدم رکھ۔

شرک کی تمام صورتوں کی نفی

سوال نمبر (۱): ایسی آیت کا ذکر کرو جو شرک کی تمام صورتوں کی نفی کرتی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ سے انبیاء کی جاہ کے واسطے سے سوال کرنا جائز ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ.

(سورہ سبا: ۲۳-۲۲)

کہہ دیجئے! کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے (سب) کو پکارلو، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ شفاعت (شفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لئے اجازت ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بات بتادی کہ جو شخص اللہ کے سوا مخلوقات (انسان فرشتے) کو پکارتا ہے وہ اللہ کی سلطنت میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ وہ اللہ کی سلطنت اور اس کے ملک میں شریک ہیں اور نہ دنیاوی بادشاہوں کے اعوان و مددگار کی طرح اللہ کا کوئی مددگار ہے اور نہ اللہ کے نزدیک کسی کی سفارش اس کے اجازت کے بغیر کارگر ہوگی۔

اس آیت میں شرک کی تمام صورتوں کی نفی کردی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ کو چھوڑ کر جس سے مانگا جارہا ہے یا تو مالک ہوگا یا مالک نہیں ہوگا اور اگر مالک نہیں ہوگا تو یا تو شریک ہوگا یا شریک نہیں ہوگا اور اگر شریک نہیں ہوگا تو یا تو معاون و مددگار ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر مددگار اور معاون نہیں ہوگا تو یا تو شافع ہوگا یا شافع نہیں ہوگا اگر شافع نہیں ہوگا تو جائز نہیں کہ اس سے مانگا جائے، اس سے امید کی جائے، اس کو پکارا جائے۔ پس جب نہ وہ مالک ہیں نہ شریک، نہ مددگار اور نہ شافع تو پھر کسی نبی یا ولی سے یہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ آپ میرے گناہ بخشد یجئے۔ میرے بیمار کو شفا عطا فرمادیجئے۔ مجھ

کو اولاد دیدیجئے۔ یا اس طرح کے دوسرے امور جو انسان کی قدرت میں نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم ایسا اسلئے کرتے ہیں کہ فلاں نیک آدمی ہمارے مقابلہ میں اللہ سے زیادہ قریب ہے تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اگر فلاں شخص اللہ سے قریب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجہ اور مرتبہ کے مطابق اس کو ثواب عنایت فرمائے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہاری ضروریات کی تکمیل میں وہ اللہ کے نزدیک تمہاری مدد کرے گا۔ اس لئے کہ اگر تم عذاب اور سزا کے مستحق ہو تو نبی یا ولی اللہ کی مشیت کے خلاف، اللہ کو کسی چیز پر مجبور نہیں کرسکتا اور جو چیز اللہ کو ناپسند ہے اس میں کسی طرح کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر تم عذاب اور سزا کے مستحق نہیں ہو تو اللہ ان کے مقابلہ میں زیادہ رحم اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔ اور اگر انبیاء اور صالحین کے متعلق تمہارا یہ عقیدہ ہے تو ٹھیک یہی عقیدہ مشرکین اور نصاریٰ کا ہے جو عبادت، حج، صدقہ اور کثرت ذکر اور اللہ کو رب، خالق، رازق اور مدبّر ماننے کے باوجود فرشتوں، انبیاء اور صالحین کے پاس جاتے ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کی جاہ و مرتبہ کے وسیلہ سے ان سے شفاعت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو قرآن میں شرک اور کفر کہا ہے۔ تو ان کا اقرار اور ان کی یہ عبادت انکے اسلام میں داخلہ کا سبب نہیں بن سکی بلکہ اللہ کے رسول نے ان کو خلود فی النار کی بشارت دی۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

چھٹی فصل

معجزات، آیات اور کرامات

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْسُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ، وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ .

(سورہ انعام:۳۵)

اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا۔ سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے۔

قرآن پاک کی اس آیت کا سوال و جواب کے انداز میں تحلیل و تجزیہ۔

سوال نمبر (۱): نشانیاں اور معجزات رسول کے ہاتھ میں ہیں یا اللہ کے ہاتھ میں؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نبی کو جب وہ چاہے عنایت فرماتے ہیں؟ اور نبی کو معجزات کیوں دیئے جاتے ہیں؟ اور کیا خوارق اور کرامات صالحین اور اولیاء کے ہاتھ میں ہیں اور کیا کرامات اولیاء کو جب بھی وہ چاہیں عطا کئے جاتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس حقیقت کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ نشانیاں اور معجزات انبیاء کرام کے ہاتھ میں نہیں ہیں کہ جب وہ چاہیں ظہور پذیر ہو جائیں بلکہ ان کا ظہور انبیاء کرام کے ذریعہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ٹھیک جس طرح وحی کا تعلق انبیاء کرام کے کسب سے نہیں ہے اور نہ ان کے اختیار میں ہے بلکہ اللہ جب چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے جب آپ کی قوم پہلوتہی کرتی تھی تو آپ کو غم لاحق ہوتا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.

(سورہ آل عمران:۱۷۶)

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں، یقین مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت کا کوئی حصہ عطا نہ کرے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اور دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ.

(سورہ فاطر:۸)

کیا پس وہ شخص جس کے لئے اس کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے (کیا وہ ہدایت یافتہ شخص جیسا ہے)، (یقین مانو) کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے۔ پس آپ کو ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہئے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔

اور مشرکین کی تجویز و مطالبہ کے مطابق حضور ﷺ کی خواہش ہوتی تھی کہ معجزہ وجود میں آجائے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ.
(سورہ یونس:۲۰)

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر انکے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی؟ سو آپ فرمادیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو دلاسہ دیا اور فرمایا کہ ان دشمنانِ اسلام میں ایمان کی صلاحیت ہی نہیں ہے اگر معجزہ آ بھی جائے تو یہ لوگ اسلام لانے والے نہیں ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ.
(سورہ انعام:۱۱۱)

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر جمع کردیتے ہیں تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ ہی چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

اور اللہ نے یہ بھی فرمایا معاندین کا یہ رویہ کچھ آپ کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ آپ سے پہلے بھی معاندین انبیاء کرام کی تکذیب کرچکے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ. (سورہ فاطر:۴)

اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جاچکے ہیں۔ تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ دلیل اور معجزات کے ظہور کے بعد بھی اپنی قوم کے معاندانہ طرزِ عمل سے دل گرفتہ ہوتے تھے جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضَ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ کَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَکٌ . (سورہ ہود:۱۲)

پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو انسانوں کی طبیعت اور اس کی فطرت اور قبولیت کے استعداد کے بارے میں واقف کرایا کہ دلائل چاہے جتنے بھی قوی اور پختہ ہوں اور شبہات واعتراضات چاہے جتنے بھی کمزور ہوں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو ہی جائیں۔ جس میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی وہی اسلام قبول کرے گا اور معجزات پر ایمان لائے گا۔ لیکن متکبر، ہٹ دھرم اور آباء واجداد کے نقش قدم پر چلنے والے لکیر کے فقیر معجزات کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور ہاتھ سے چھولیں جب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ. (سورہ انعام:۸)

اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَاباً مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ .لَقَالُوْآ اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ.

(سورہ حجر:۱۵-۱۴)

اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں۔ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اور یہ معاندین اور ہٹ دھرم لوگ اگر معجزات دیکھ کر ایمان لانے کی قسم بھی کھالیں تو معجزہ کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَ تْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَاللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَ تْ لَايُؤْمِنُوْنَ.

(سورہ انعام:۱۰۹)

اور ان لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے رسول کو اپنی قوم کے طرز عمل پر صبر کرنے کا حکم فرمایا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَاتَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِى ضَيْقٍ مِّمَّايَمْكُرُوْنَ.

(سورہ نحل:۱۲۷)

آپ صبر کریں بغیر توفیق الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکر وفریب یہ کرتے رہتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔

اور اللہ نے اپنے رسول کو یہ اطلاع دی کہ معجزات اور نشانیاں اللہ کے پاس ہیں،

اسی کے دست قدرت میں ہیں نیز ہدایت بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ واضح طور پر فرمادیا کہ معجزہ کا لانا آپ کے اختیار اور قدرت میں نہیں ہے بلکہ آپ اس سلسلہ میں مجبور محض ہیں اور اللہ نے اس کی حکمت بھی بتلادی۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْسُلَّماً فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ، وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ .
(سورہ انعام:۳۵)

اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کردیتا۔ سو آپ نادانوں میں سے نہ ہوجایئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرمارہا ہے کہ اگر ان لوگوں کی بے رخی آپ کے لئے ناقابلِ برداشت ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر نشانیاں اور معجزات ظاہر ہوگئیں تو یہ لوگ ایمان لے آئیں گے اور ان کے شبہات ختم ہوجائیں گے تو اگر آپ کے بس میں معجزات لانا ہو تو آپ زمین میں سرنگ لگایئے کہ وہاں سے کوئی معجزہ لے آئیں یا آسمان میں سیڑھیاں لگایئے کہ وہاں سے کوئی معجزہ لے آیئے اور ان کے مطالبہ کی تکمیل فرمادیجئے اور پھر ان کے مطالبات کی فہرست کو اللہ نے ذکر فرمایا:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَلَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعاً .اَوْتَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْراً .اَوْتُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا

انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے کے نہیں تاوقتیکہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں۔ یا خود آپ کے لئے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان آپ

زَعَمْتَ عَلَيْنَا كَسِفاً اَوْتَأْتِيَ بِا للّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلاً. اَوْيَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْتَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ، وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰباً نَّقْرَؤُهٗ .

(سورہ اسراء:۹۳-۹۰)

بہت سی نہریں جاری کر دکھائیں۔ یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں جیسا کہ آپ کا گمان ہے یا آپ خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں۔ یا آپ کے لئے کوئی سونے کا گھر ہو جائے یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں۔

قوم کے اس مطالبہ کے بعد اللہ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ اپنی قوم کو یہ جواب دیدیں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَراً رَّسُوْلاً.

(سورہ اسراء:۹۳)

آپ جواب دیدیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔

یعنی یہ بات واضح فرمادی گئی کہ معجزات کا صدور انسان کی قدرت وطاقت میں نہیں ہے چاہے وہ انسان رسول ہی کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ انبیاء کرام بھی کسی ایسی چیز کی ایجاد کی قدرت نہیں رکھتے جس سے انسان عاجز ہو اور اس کے بس میں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ نہیں کہ انکے مطالبات کی روشنی میں معجزات کا صدور ہو کیوں کہ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ معجزات کے ظہور کے بعد اگر قوم کی طرف سے جواب انکار میں ہو تو فوراً عذاب آجاتا ہے اور قوم تباہ

کردی جاتی ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكاً لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ. (سورہ انعام:۸)

اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔

اور یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ معجزات کا لانا انبیاء کرام کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اور وہ اپنی مرضی سے انبیاء کرام کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا ہے اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَّ ذُرِّيَّةً ، وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ، لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ. (سورہ رعد:۳۸)

ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔کسی رسول سے نہیں ہوسکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لے آئے، ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ سے یہ فرمادیا گیا کہ آپ معجزات کا مطالبہ کرنے والے افراد سے فرمادیجئے کہ اگر معجزہ لانا میرے اختیار میں ہوتا تو کب کا لا چکا ہوتا لیکن بات یہ ہے کہ وہ میرے اختیار وقدرت میں نہیں ہے، وہ تو صرف اللہ کے اختیار وقدرت میں ہے۔اللہ کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ. (سورہ انعام:۵۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْيَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَايَنْفَعُ نَفْساًاِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْكَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْراً ،قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ.

(سورہ انعام:۱۵۸)

کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟ جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔ یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ آپ فرمادیجئے کہ تم منتظر رہو، ہم بھی منتظر ہیں۔

اور جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ،قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ، وَاِنَّمَآاَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ.

(سورہ عنکبوت:۵۰)

انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کردینے والا ہوں۔

اور حضور اکرم ﷺ کو معجزات اور نشانیات اس طرح پر نہیں دی گئیں کہ قوم کے مطالبہ پر جب چاہیں ان معجزات کا آپ کے ہاتھ پر ظہور ہوجائے۔ بلکہ اس کا تعلق خدا کی ذات ہے وہ جب چاہتا ہے اپنے نبی کے ہاتھ پر ان معجزات کو ظاہر فرماتا ہے۔ لیکن قوم کے مطالبہ پر حضور اکرم ﷺ کی خواہش ہوتی تھی کہ معجزہ ظہور پذیر ہوتا کہ کم از کم اسی بہانے سے وہ ایمان لے آئیں اور کوئی وجہ انکار باقی نہ رہے۔

لیکن آج کل مشائخ اور اولیاء کے سلسلہ میں لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر آن ان سے

کرامات کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کرامات کا ان بزرگوں سے صادر ہونا اس بات کے لئے وجہ جواز فراہم کرتا ہے کہ ان کو پکارا جائے۔ ان سے مانگا جائے یا اللہ کے ساتھ ان کو بھی شریک کیا جائے اور دلیل یہ ہے کہ وہ اللہ کے اور بندہ کے درمیان وکیل ہیں۔ جب تک ان کے واسطہ سے کوئی چیز طلب نہ کی جائے اس وقت تک بارگاہِ الٰہی سے وہ چیز شرف قبولیت سے نہیں نوازی جائے گی۔ اور یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ صالحین اور اولیاء کو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ان کی دین پر ثابت قدمی کے لئے کرامات عنایت فرماتے ہیں اور یہ بھی اللہ کے اختیار اور قدرت میں ہے نہ کہ اولیاء اور مشائخ کے اختیار میں۔ جب قرآن پاک میں حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات بتائی گئی کہ آپ اپنی مرضی سے معجزات ظاہر نہیں فرما سکتے حالانکہ قوم پر اتمام حجت کے لئے حضور اکرم ﷺ کو معجزہ کی تمنا ہوتی تھی تو جو لوگ مرتبہ و مقام میں حضور سے فروتر ہیں وہ کس طرح اپنی مرضی سے جب چاہیں اور جس طرح چاہیں کرامات ظاہر فرما سکتے ہیں۔

پس اے میرے دینی بھائیو! جو بات حضور اکرم ﷺ کی قدرت اور طاقت میں نہیں تھی حالانکہ آپ نبی تھے، تو پھر اس کی قدرت اولیاء اور مشائخ کو کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ جبکہ وہ مر چکے ہیں اور اپنی قبروں میں مدفون ہیں۔ پس اس قسم کا عقیدہ شرعاً اور عقلاً بالکل غلط ہے اس لئے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے اور وہ جب چاہتا ہے اپنی حکمت کے تحت انبیاء کرام کے ہاتھ پر اس کا ظہور فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ، وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. (سورہ عنکبوت: ۵۰)	انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس فتنہ اور گمراہی سے حفاظت فرمائے اور اس بات سے بھی ہماری حفاظت فرمائے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔

سوال نمبر (۲): کیا جو لوگ مسلمان ہوئے وہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات اور نشانیاں دیکھنے کے بعد مسلمان ہوئے؟ اور آج مسلمانوں کا کرامات کے سہارے دکان چمکانے پر اصرار کیوں ہے؟

جواب: اسلام میں اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ لوگ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام لائے نہ کہ معجزات دیکھکر۔ مثال کے طور پر حضرت خالد کے اسلام کا واقعہ لے لیجئے۔ جب وہ اسلام لائے تو یہ تاریخی جملہ فرمایا:

''آج ہر صاحب عقل کے نزدیک یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ محمد ﷺ نہ جادوگر ہیں اور نہ شاعر، اور وہ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ ربّ العالمین کا کلام ہے تو ہر عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ ان کا اتباع کرے۔''

حضرت خالد غور وفکر اور عقل ومنطق کے ذریعہ جب مطمئن ہوگئے تو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اسلام کا ذریعہ عقل ومنطق تھی نہ کہ معجزات اور خوارق۔ حضرت خالد کی یہ بات سنکر حضرت ابوسفیان آگ بگولہ ہوگئے اور غصہ کی حالت میں لات اور عزّٰی کی قسم کھا کر یہ بات کہی کہ اے خالد! اگر مجھکو معلوم ہوتا کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ حق ہے تو محمدؐ سے پہلے میں تم کو قتل کر دیتا۔ تو حضرت خالد نے سختی سے جواب دیا کہ خدا کی قسم، وہ حق ہے چاہے یہ بات تم کو کتنی ہی کڑوی کیوں نہ لگے۔ یہ سنکر ابوسفیان ان کو قتل کرنے کے لئے دوڑے تو عکرمہ بن ابوجہل جو وہاں موجود تھے ابوسفیان کو روک دیا اور کہا اے ابوسفیان! ٹھہر جاؤ، تم خالد کو اپنی رائے کے اظہار کی بناء پر قتل کرنے کے درپے نہ ہو۔ خدا کی قسم، میرا یقین ہے کہ ایک سال بھی گذرنے نہ پائے گا کہ تمام اہل مکہ اس کی بات مان لیں گے اور اس کا اتباع کرنے لگیں گے۔ تو دراصل کش مکش، فکری کش مکش تھی اور اس کش مکش میں اسلام کی

حقانیت کی دلیل عقل اور منطق تھی نہ کہ معجزات اور خوارق۔ اور کفار کو اس کھلی دلیل ''قرآن'' کے دیکھنے کے بعد یہ یقین ہو گیا کہ ایک سال میں پورا مکہ اسلام کے زیر نگیں آجائے گا۔ کفار کو کبھی اس کا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ حضور سے معجزہ صادر ہوگا اور ان کی ساری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ان کے لئے سب سے بڑا خطرہ وہ دلیل تھی جو عقل اور منطق کو مخاطب کرتی تھی اور اسی طرح ان کو حضور کے کمالات اور صفات سے خطرہ محسوس ہوا۔ اس لئے کہ آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق سراپا قرآن تھے۔ تو انہوں نے اسلام کو کتاب میں اور اس کی تعلیمات کو حضور ﷺ کی سیرت میں دیکھا اور اس کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے پاس جب قرآن کو دیکھا تو اس سے متاثر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کے پاس جا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں قرآن پاک کی تأثیر قلوب وجوارح پر ہمارے زمانہ کی تأثیر سے مختلف تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جب ایک دیہاتی قرآن پاک سنتا تھا اور قرآن پاک کی آیتیں اس کے دردل پر دستک دیتی تھیں تو وہ بے اختیار اپنی سواری کو روکتا تھا اور اس کی زبان پر کلمہ جاری ہو جاتا تھا اور اپنے پورے جسم وجان کے ساتھ مُشرّف بہ اسلام ہو جاتا تھا۔ وہ لوگ زبان دان، زبان فہم، نکتہ داں اور نکتہ شناس تھے اس لئے عربی زبان کی تاثیر عجیب وغریب رنگ لاتی تھی۔ لیکن چونکہ آج ہم عربی زبان سے ناواقف ہیں اور ہمارے قلوب وجوارح زنگ آلود ہو گئے ہیں اس لئے ہم میں اس قسم کی تأثیر پیدا نہیں ہوتی جو قرنِ اول میں پیدا ہوتی تھی۔ ہمارے لئے دلیل کرامت نہیں بلکہ سب سے بڑا معجزہ اور دلیل قرآن پاک ہے۔ اور قرآن پاک کے بعد ہمیں کسی کرامت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن پاک ہمارے درمیان موجود ہے اور محفوظ ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (سورہ حجر:۹) ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن پاک ایسی کتاب ہے جو زندگی کا مکمل نظام پیش کرتا ہے اور قلب و دماغ کو مخاطب کرتا ہے اور انسان کی فطرت سلیمہ کو اپیل کرتا ہے اور قیامت تک کے لئے ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شخص اس کو پڑھ سکتا ہے۔ اور جہاں تک کرامات کا تعلق ہے وہ صرف ان افراد کو متاثر کرتی ہے جنہوں نے بچشم خود اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ لیکن قرآن کیا ہے خود اس کے بارے میں ربّ العالمین فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّـآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَةً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. (سورہ عنکبوت:۵۰)

کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جارہی ہے، اس میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت (بھی) ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان دار ہیں۔

چوتھا باب

ولی اور ولایت

پہلی فصل : ولی، ولایت اور لفظ ولی کے معانی۔

دوسری فصل: مومن اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہیں بناتا ہے۔

تیسری فصل: مومن اللہ کے علاوہ دوسرے اولیاء کی پیروی نہیں کرتا۔

چوتھی فصل: مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا اللہ کے سوا کوئی ولی اور شفیع نہیں ہے۔

پانچویں فصل: اولیاء اللہ کے بارے میں مخالفین کی دلیل خود انکے خلاف حجت ہے۔

پہلی فصل

ولایت اور لفظ ولی کے معانی

ولایت کا معنی: ولایت کا معنی ہے محبت اور قربت اور ولایت کی ضد عداوت ہے۔ جس کا معنی ہے بغض اور دوری، اور کبھی مدد کے مفہوم میں بھی بولا جاتا ہے۔

ولی کے معانی: ولی کا معنی ہے قریب، کہا جاتا ہے ھٰذا یلی ھذا :یعنی یہ اس سے قریب ہے اور ولی کو ولی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسلسل پابندی کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

اور کبھی کبھی نسبی اعتبار سے قریب پر بھی لفظ ولی کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص منصب اور مقام کے اعتبار سے قریب ہو وہ بھی ولی کے دائرہ مفہوم میں آتا ہے۔ نصیر اور مددگار کو بھی ولی کہتے ہیں کسی معاملہ کے ذمہ دار کو بھی ولی کہتے ہیں، مجبور و یتیم کے معاملات کی جو شخص دیکھ بھال کرے اس کو بھی ولی کہتے ہیں، اور بندہ اور رب کے لئے بھی لفظ ''ولی'' کا استعمال ہوتا ہے۔

ولی کے ان تمام معانی میں خلط مبحث نہ ہو اس لئے ہم مختلف حالات میں ولی کے مختلف معانی کی وضاحت کرتے ہیں۔

پہلی صورت: ولایت کی نسبت جو لوگوں کی طرف ہو، جیسے فلاں فلاں کا ولی ہے۔

دوسری صورت: جب بندے کی ولایت کی نسبت اللہ کی طرف ہو، جیسے فلاں اللہ کا ولی ہے۔

تیسری صورت: جب اللہ کی ولایت کی نسبت بندہ کی طرف ہو، جیسے اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

پہلی صورت کی تشریح

جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں کا ولی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص

نسب کے اعتبار سے، یا منصب اور مقام کے اعتبار سے فلاں سے قربت کی نسبت رکھتا ہے۔ مقام و مرتبہ کے ذریعہ ایک دوسرے کی مدد کے سلسلہ کے جو معاملات ہیں اس میں وہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

پہلی صورت کا جو مفہوم بتایا گیا ہے اب اس کی دلیلیں قرآن سے پیش کی جارہی ہیں۔

(أ) نسب کے اعتبار سے قریب کے مفہوم کی دلیل، ارشادِ الٰہی ہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا .يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ. (سورہ مریم:۶-۵)

پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی جانشیں۔

(ب) منصب کے اعتبار سے قریب کے مفہوم کی دلیل، ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْضَعِيْفًا اَوْلَايَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ. (سورہ بقرہ:۲۸۲)

ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوادے۔

دوسری جگہ ارشاد ربّانی ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ،اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا. (سورہ اسراء:۳۳)

اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مارڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے پس اسے چاہئے کہ مارڈالنے میں زیادتی نہ کرے بیشک وہ مدد کیا گیا ہے۔

(ج) مقام و مرتبہ اور محبت کے ذریعہ مدد و نصرت کے سلسلہ کے معاملات کی قربت کے مفہوم کی دلیل۔

(۱) ارشادالٰہی ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ.

(سورہ انفال:۷۲)

اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دیا اور مدد کی ۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

(۲) ارشادِ خداوندی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَ کُمْ مِنَ الْحَقِّ.

(سورہ ممتحنہ:۱)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں۔

(۳) ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ. اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعاً.

(سورہ نساء:۱۳۹)

جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

(۴) اللہ پاک کا ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ ، وَاُولُوا

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں

اَلْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِی کِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفاً ، کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْراً.

(سورہ احزاب:٦)

مومنوں کی مائیں ہیں ، اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں۔ (ہاں) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو۔ یہ حکم کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے۔

(د) دوستی کے اعتبار سے قربت کے مفہوم کی دلیل۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَاتَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ.

(سورہ حٰم السجدہ:٣٤)

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ۔ایسا ہو جائے گا جیسے ولی دوست۔

ولایت بین الناس کے سلسلہ کی دلیلوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ولایت بین الناس کا مفہوم ہے قرب، صداقت اور مصاحبت جو انسانوں میں ایک دوسرے کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اسی طرح دینی ،معاشرتی اور انسانی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد ،تعاون اور دوستی، ایک دوسرے کی ضروریات کی تکمیل، جس کی طاقت اللہ نے مخلوق کو دی ہے اس پر بھی ولایت کا اطلاق ہوتا ہے اور اس ولایت کی صلاحیت اللہ نے بغیر کسی فرق کے مومن، کافر اور اہل کتاب سبھوں میں رکھی ہے۔ اور اس ولایت کی اللہ نے نفی نہیں کی ہے اور نہ اس سے روکا ہے۔ بلکہ جس چیز سے اللہ نے روکا ہے وہ وہ ولایت ہے جس میں غیر اللہ کو ایسے امور میں ولی بنایا جائے جو امور انسانی قدرت واختیار میں نہیں ہیں باقی رہے

وہ امور جن کو انجام دینے کی انسان میں اللہ نے قدرت رکھی ہے اس میں اگر کسی سے مدد لی جائے تو یہ جائز ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ لیکن غلطی وہاں ہوتی ہے جہاں لوگ ان امور کو جن پر صرف اللہ ہی قادر ہے مخلوق کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، جیسے اولاد دینا، شفا دینا، رزق دینا وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسے مخلوق کو ولی اللہ کہتے ہیں ہم اس غلط عقیدہ اور طرز فکر کی اس مقام پر نفی کر رہے ہیں ورنہ جہاں تک مؤمنین اور مومنات کا تعلق ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ کفار آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں اور ہمارے اس دعویٰ کی دلیل خود قرآن پاک میں موجود ہے۔

(۱) کفار آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ،اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ.

کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔

(سورہ انفال:۷۳)

(۲) یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَآءَ ، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ، اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ.

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔

(سورہ مائدہ:۵۱)

(۳) مؤمنین اور مومنات آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ، يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

(سورہ توبہ:۷۱)

مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بیشک اللہ غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

دوسری صورت کی تشریح

دوسری صورت یہ ہے کہ جب بندہ کی ولایت کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے۔ جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں اللہ کا ولی ہے۔ ایسی صورت میں 'ولی' سے مراد وہ متقی مومن ہے جو اللہ کی اطاعت اس کے اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی اور اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اور سطور بالا میں 'ولی' کی جو ہم نے تعریف کی ہے اس کے صحیح ہونے کی دلیل آیت قرآنی ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ.

(سورہ یونس:۶۳-۶۲)

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں۔

اور اس کی دلیل حدیث شریف میں بھی موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

يقول الله تعالىٰ من عادى لى ولياً فقد آذنته بالحرب . وما تقرب الىّ عبدى بمثل أداء ما افترضت عليه. ولايزال عبدى يتقرب الىّ بالنوافل حتىّ أحبه فاذا احببته كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها ولئن سألنى لأعطيته ولئن استعاذنى لأعيذ نه وما ترددت عن شى ء انا فاعله ترددى عن قبض نفس عبدى المومن ، يكره الموت وأكره مساء ته ولا بدّ له منه.

(بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو میرے ''ولی'' سے دشمنی رکھے گا اس سے لڑائی کا اعلان ہے اور میرے بندوں کو میرے فرائض سے نزدیکی حاصل کرنا جس قدر مجھکو محبوب ہے اس قدر اور کسی نیکی کی نزدیکی مجھکو محبوب نہیں ہے اور برابر میرا بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اسکے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو دوں گا اور میں جس چیز کو کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اس میں سے کسی چیز میں متردد نہیں ہوا جتنا میں اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں متردد ہوتا ہوں۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی یہ ناگواری مجھے بھی اچھی نہیں معلوم ہوتی لیکن موت بہر حال ضروری ہے۔

یہ صحیح ترین روایت ہے جو اولیاء کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ تو اللہ کا ولی وہی ہوگا جو مومن متقی ہو۔ اور جو بات اللہ کو پسند ہو اور جس سے وہ راضی ہوتا ہو اس پر عمل پیرا ہو اور جس کو اللہ ناپسند کرتا ہو اور جس سے ناراض ہوتا ہو اس سے کنارہ کش ہو۔ اوامر کا حکم دیتا ہو اور نواہی سے روکتا ہو تو ایسے ولی سے اگر کوئی شخص دشمنی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ کا ایسے شخص کے لئے اعلان جنگ ہے۔ پس حدیث نبوی اور آیت قرآنی سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ''ولی'' کا اطلاق ہر مومن متقی پر ہوگا لیکن ولی کی ولایت کا حتمی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ لیکن مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی اختیار کرے اور ہر شخص کے اپنے ایمان اور تقویٰ کے لحاظ سے اللہ کے یہاں اس کی ولایت کے درجات متعین ہوں گے اور مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی امید وبیم کے درمیان گذارے۔ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ نوافل کا اہتمام کرے اور ہر جائز عمل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس امید کے ساتھ کہ اس کو اللہ کا قرب اور ولایت حاصل ہوگی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ الٰہی ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً. (سورہ سجدہ:۱۶)

ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص لوگوں سے اپنے بارے میں یہ کہے کہ میں ''ولی'' ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ آج تک کسی نے اپنے بارے میں یہ نہیں کہا کہ میں ولی ہوں۔ اسلئے کہ مومن متقی اپنے ایمان، تقویٰ اور عمل صالح کا لوگوں کے سامنے ڈھنڈورا نہیں پیٹتا ہے۔ ہاں بعض دفعہ بعض کم علم لوگ بعض صالحین کی ظاہری نیکی سے متاثر ہوکر فتنہ میں پڑجاتے ہیں اور اس کے بارے میں عجیب وغریب ناقابل فہم عقیدہ اپنے دل میں پیدا کرلیتے ہیں۔ حالانکہ ان خیالات اور عقائد کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ سب شیطانی وساوس

ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ. (سورہ انعام:۱۲۱)	اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تا کہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

تو یہ لوگ اس شخص معین کے بارے میں یہ بات مشہور کر دیتے ہیں کہ وہ ولی ہے اور اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ دنیا کا ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہے۔ اور اس ایمان، تقویٰ اور عمل صالح کا نتیجہ اور اس کے ولی ہونے کے استحقاق کی حقیقت موت کے وقت اور بعث (قبر سے اٹھنا) کے وقت ظاہر ہوگی۔ اور دوسروں کی اصلیت قیامت کے دن اور جزا کے وقت ظاہر ہوگی۔ جب فرشتے اللہ کے ولیوں کے پاس قیامت کے دن آئیں گے اور یہ کہیں گے کہ ڈرنے اور غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ پس جو لوگ سراپا خوف زدہ ہوں گے یہ بے خوف وخطر ہوں گے اور جب لوگ غم واندوہ کا مجسمہ ہوں گے تو یہ لوگ شاداں وفرحاں ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے۔

تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. (سورہ فصلت:۳۰)	ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔

پس ہر مومن متقی اللہ کا ولی ہے، چاہے وہ فقیر ہو یا مالدار، عالم ہو یا تاجر، فوجی ہو یا صنعت کار، رعیت ہو یا حاکم۔ ان سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے اصل اعتبار عمل کا ہے جس عمل کو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور اس میں ایمان، اصلاح اور تقویٰ کی شرط رکھی

ہے۔اللہ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

(سورہ انعام:۴۸)

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کرلے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

پس جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ کے اولیاء اللہ کے مومن اور متقی بندے ہی ہوتے ہیں تو ان میں سے جو ایمان اور تقویٰ کے لحاظ سے مکمل ہوگا اس کی اللہ سے ولایت بھی مکمل ہوگی ۔پس لوگ ایمان اور تقویٰ میں زیادتی و کمی کے اعتبار سے اللہ کے ولایت میں ایکدوسرے سے کم و زیادہ ہوں گے جس طرح لوگ کفر و نفاق میں کمی و زیادتی کے لحاظ سے اللہ کی عداوت میں ایک دوسرے سے کم زیادہ ہوتے ہیں۔اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔

(۱) اللہ کا ارشاد ہے مومنین کے بارے میں ارشاد ہے:

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ. وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ.

(سورہ توبہ:۱۲۵-۱۲۴)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے، سو وہ جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے انکے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھادی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔

(۲) ارشادِ الٰہی ہے مومنین کے بارے میں:

وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدیً وَّاٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ ۔ (سورہ محمد:۱۷)

اور جولوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھادیا ہے اورانہیں ان کی پرہیزگاری عطافرمائی ہے۔

(۳) ارشادِ الٰہی ہے مومنین کے بارے میں:

لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَاناً مَّعَ اِیْمَانِھِمْ ۔ (سورہ فتح:۴)

تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔

(۴) ارشادِ الٰہی ہے منافقین کے بارے میں:

فِی قُلُوْبِھِمْ مَرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضاً ۔ (سورہ بقرہ:۱۰)

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھادیا۔

قرآن پاک اوراحادیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فرائض اورنوافل کے ذریعہ، اوامر کی اتباع اورنواہی سے اجتناب، اللہ کے تقرب کے حصول کا وسیلہ ہیں۔خلاصہ کلام یہ کہ ایمان اورعمل صالح اللہ کی خوشنودی اورتقرب کا ذریعہ اوروسیلہ ہیں۔جیسا کہ ارشادالٰہی ہے:

وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ۔ (سورہ سبا:۳۷)

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کردیں ہاں جو ایمان لائیں اورنیک عمل کریں۔ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے۔اور وہ نڈر و بے خوف ہوکر بالاخانوں میں رہیں گے۔

قرآن پاک اورحدیث کی ان وضاحتوں کے بعد بھی لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ بزرگوں اوراورولیوں کے وسیلہ سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ان کے وسیلہ سے اللہ رحمت

نازل فرماتا ہے اوران کے وسیلہ سے اللہ راضی ہوتا ہے۔اور مختلف معاملات میں ان کے نام سے اللہ پر قسم کھاتے ہیں حالانکہ نہ مخلوق کا وسیلہ جائز ہے اور نہ غیر اللہ کی قسم جائز ہے۔قسم کو عربی زبان میں حلف کہتے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ کسی حکم وفیصلہ کو مؤکد کرنے کے لئے خصوصی طور پر کسی بڑے اور عظیم شخص یا چیز کا نام لیا جائے۔چونکہ انتہا درجہ کی تعظیم کا مستحق صرف اللہ ہے اس لئے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانا یا قسم کے وقت نام لینا جائز نہیں ہے۔اس لئے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

من حلف بغیر اللہ فقد اشرک . (ترمذی، الحاکم)

جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من کان حالفا فیحلف باللہ او لیصمت . (صحیح بخاری)

جس کو قسم کھانی ہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

تو مومن کو چاہئے کہ ایمان تقویٰ اور عمل صالح کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَايُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَداً. (سورہ کہف:۱۱۰)

تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

تیسری صورت

مومنین کے لئے اللہ کی ولایت

(ا) تمام مخلوقات کے لئے اللہ کی ولایت جیسے اللہ تمام مخلوقات کا ولی ہے۔

(ب) مومن بندوں کے لئے اللہ کی خاص ولایت، جیسے اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

اس دوسری شق کی ہم ذیل میں وضاحت کریں گے اور مومنین کے لئے اللہ کی اس ولایت کا تعلق دو امور سے ہے۔

(۱) امور شریعت کی ولایت: یعنی عقائد و عبادات اور حلال و حرام کی بندوں کے لئے وضاحت۔ اور اس کی دلیل اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ . (سورہ اعراف:۱۹۶)	یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

یعنی ہمارا ولی وہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ شریعت کو ہمارے لئے کھول کھول کر بیان کر دیا اور ہمارے ولی نے اپنی نازل کردہ کتاب میں جو عقیدہ ہمیں دیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا ولی نہ بنائیں اور نہ اللہ کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ہم شرعی امور اور احکام میں پیروی کریں۔ اس لئے کہ ہمارے ولی (اللہ) نے جو بتلایا وہ دین ہے اور اللہ کے علاوہ دیگر اولیاء جو بتلائیں اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشادِ گرامی ہے۔:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ . (سورہ اعراف:۳)	تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اور ہم ویسا نہیں کریں گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء، روحانی پیشوا اور نیک لوگوں کے ساتھ کیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ. (سورہ توبہ:۳۱)	ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔

اللہ کے دین کے عالم اور اس سے واقف کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کی لوگوں کو دعوت دے اسی کی تبلیغ کرے نہ کہ اپنی رائے اور اپنے گمان کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ پھر اسی کو قانونی حیثیت دیدے اور یہ کہے کہ یہی دین ہے۔ اس لئے کہ یہ دین دوسرے علوم وفنون کی طرح کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے کہ ناقص ہو اور ہم آہستہ آہستہ اپنے آراء اور گمانوں کے ذریعہ اسے مرحلہ کی تکمیل تک پہنچائیں۔ بلکہ یہ دین کامل واکمل ہے اور اس دین کو ہمارے ولی اور قانون ساز (اللہ) نے بنایا ہے اور اس کے کامل اور اکمل ہونے کی گواہی دی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً.
(سورہ مائدہ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔

(۲) مومن بندوں کے امور کی تدبیر کی ولایت:

اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ.
(سورہ اعراف:۱۹۶)

اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

مومن بندوں کے امور کی تدبیر کی ولایت کا کیا مطلب ہے؟ اسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

بعض وہ دنیاوی امور جن کو مومنوں کا ولی انجام دیتا ہے۔

(۱) قلوب کی تسخیر اور بالفعل ھدایت:

اس کی دلیل ولی (اللہ پاک) کا ارشاد ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ. (سورہ بقرہ:۲۵۷)

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔

(۲) دشمنوں کے خلاف مدد:

اس کی دلیل ولی (اللہ) کا یہ ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا. (سورہ نساء:۴۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا بس ہے۔

(۳) جلب منفعت اور دفع مضرّت:

ہمارے ولی کے اختیار میں جلب منفعت ہے اور دفع مضرت بھی اور اللہ کے علاوہ دوسرے اولیاء اس سے عاجز و بے بس ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ لَایَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا. (سورہ رعد:۱۶)

کہہ دیجئے! کہ کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَۃً، وَلَا یَجِدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا. (سورہ احزاب:۱۷)

پوچھئے تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے (یا تم سے روک سکے؟) اپنے لئے بجز اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔

بعض اخروی امور جن کو مومنوں کا ولی انجام دیتا ہے۔

(۱) **مغفرت رحمت اور ثواب وعقاب:** جیسا کہ ہمارے ولی نے اس کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . (سورہ انعام:۱۲۷)

ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَبِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا. (سورہ نساء:۱۲۳)

جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے۔

(۲) **شفاعت:** جیسا کہ ہمارے ولی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ م بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ . (سورہ انعام:۷۰)

اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتے رہیں تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی۔

اور ہماری ولی نے جو کچھ کتاب میں نازل کیا ہے اس کا اتباع کرتے ہوئے ہم اپنی طرف سے اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہیں بناتے ہیں جیسا کہ قوم نوح نے اپنے نیک لوگوں کو بنایا اور جیسا کہ بعض مسلمان آج نیک لوگوں کو ولی بنا رہے ہیں۔ اور مقصد یہ ہے کہ جو کام عام انسان کے اور ان کے بس میں نہیں ہے وہ کام ان کے ذریعہ انجام دلوائیں۔ ان کے ذریعہ جلب منفعت کریں یا دفع مضرت کریں۔ دشمنوں کے خلاف ان سے مدد چاہیں اور گناہوں کی پاداش سے ان کے ذریعہ بچ نکلیں۔ اور ایسے افراد کا ان بزرگوں کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے کہ

وہ اپنی بزرگی کے سبب اللہ سے چونکہ بہت قریب ہیں اس لئے وہ دنیا اور آخرت میں ان کے لئے سفارش کر سکتے ہیں۔ حالانکہ سطور گذشتہ میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور وہی اپنے مومن بندوں کی تدبیر اور تشریع کا مالک ہے۔ صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور صرف اسی کے ہاتھ میں نفع اور نقصان ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ. — نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا، اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں۔

(سورہ انعام:۵۱)

خلاصۂ کلام یہ کہ دنیا و آخرت میں وہ امور جو انسان کے بس میں نہیں ہیں وہ صرف اللہ کے دسترس میں ہیں اور دوسری بات یہ کہ شریعت کے قوانین بنانے والی ذات بھی صرف خدا کی ہے۔ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ یہ دونوں قسم کے امور صالحین اور اولیاء اور قبر میں مدفون بزرگوں کے ہاتھ میں ہیں تو اسی نے غیر اللہ کو ولی بنالیا اور اللہ کے علاوہ دوسرے ولی کا اتباع کیا اور یہ ایسا شرک ہے جس میں بہت سارے لوگ مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ دانستہ مبتلا ہیں اور کچھ لوگ غیر دانستہ مبتلا ہیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ ایسے لوگ ولی حق کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس ولی حق کے علاوہ دوسرے اولیاء کا اتباع کرتے ہیں اس طرح بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اللہ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد:

اللہ مومنوں کا ولی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ہی وہ ولی ہے جو تشریع اور تدبیر کے ذریعہ مومن بندوں کے امور انجام دیتا ہے۔ اور حکم صرف اسی کا چلتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں نفع ہے اور اسی کے ہاتھ میں نقصان ہے چاہے وہ دنیاوی ہو یا اخروی۔ پس وہی حاکم ہے وہی مشرع (قانون ساز) ہے وہی مدبّر ہے اور وہی ناصر ہے اس لئے مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ ہی اس کا دنیا اور آخرت میں ولی ہے۔ اور اس کا وہ عقیدہ اللہ کے قول کے اتباع میں ہے

ہے جس میں وہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ. (سورہ آل عمران:۶۸) — اور اللہ ہی مومنوں کا ولی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ. (سورہ جاثیہ:۱۹) — اور اللہ ہی متقیوں کا ولی ہے۔

اور سورہ یوسف میں ہے:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ. (سورہ یوسف:۱۰۱) — اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کا ولی ہے اور کافروں کا کوئی بھی ولی نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَهُمْ. (سورہ محمد:۱۱) — وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لئے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

اسی لئے مومنین اللہ کے علاوہ تمام اولیاء کو چھوڑ دیتے ہیں اور تمام دنیاوی واخروی امور میں چاہے اس کا تعلق جلب منفعت اور دفع مضرت سے ہو یا دعا، طلب اور سوال سے ہو جو انسان کے بس میں نہیں ہے ان میں صرف ولی حق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تمام عبادات میں جس کو اس نے مشروع کیا ہے اس کو ولی سمجھتے ہیں اسی کا اتباع کرتے ہیں اور امید وبیم کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں۔

دوسری فصل

مومن اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہیں بناتا

پہلی فصل میں ہم نے ولی کے عام معانی اور مراد کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اللہ ولی المومنین کے معنی خاص کی بھی وضاحت کی ہے اس خاص مفہوم و معنی کے اعتبار سے مومنین اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہیں بناتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ، قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ. وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ. وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ، وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ.

(سورہ انعام: ۱۸-۱۴)

آپ کہئے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اس کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا، اور کسی کو معبود قرار دوں، آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تو مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔ اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب و برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

سوال وجواب کی شکل میں درج بالا آیات کی تشریح وتوضیح

سوال نمبر (۱): کیا اللہ کے رسول، اللہ کے علاوہ کسی کو ولی بناتے ہیں؟

جواب: اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (سورہ انعام:۱۴) آپ کہئے کہ کیا اللہ کے سوا، جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتے ہیں کہ اے محمد! آپ ان مشرکین سے فرما دیجئے کہ میں اللہ کو چھوڑ کر تم لوگوں کو اولیاء بنانا ناپسند کرتا ہوں اور رسول ہونے کی حیثیت سے مجھ سے کہا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہ بناؤں چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ تعظیم کروں۔ اسی کو پکاروں اسی سے مانگوں۔ اسی سے سوال کروں، اسی سے مدد مانگوں، مصیبتوں اور پریشانیوں میں اسی سے نصرت طلب کروں، اسی سے منفعت کے حصول اور دفع مضرت کی درخواست کروں، ان امور میں جو صرف اللہ کی طاقت وقدرت میں ہیں اور انسانی بس میں نہیں ہیں۔ جو امور اللہ کی قدرت میں ہیں ان میں اگر غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے تو اس نے غیر اللہ کو ولی بنالیا، چاہے وہ غیر اللہ کو مستقل ولی تصور کرے یا اللہ کے ساتھ شریک کرکے۔ اور حضور اکرم ﷺ ہمیں سکھلا رہے ہیں کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہ بنائیں۔ تو حضور اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے ان کے لئے ضروری ہے ولی کے معنی خاص کے لحاظ سے غیر اللہ کو ولی نہ بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی ولی ہے اور ان امور میں جو انسانی قدرت سے باہر ہیں، صرف اللہ ہی کو تصرف کا اختیار ہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (سورہ شوریٰ:۹)	کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنالئے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

سوال نمبر (۲): حضور اکرم ﷺ اور ان کی امت غیر اللہ کو ولی نہیں بناتی ہے۔ اس کے آیت مذکورہ میں کیا دلائل ہیں۔ واضح کیجئے؟

جواب: اللہ کا ارشاد ہے:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ. (سورہ انعام:۱۴)

کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اس کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا

پہلی دلیل: "فاطر السَّمٰوٰت وَالْاَرْض" ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اسکو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ ان کی پیدائش محض اللہ کے ارادہ اور اسکی مشیت سے ہوئی ہے۔ اس میں نہ کسی مؤثر کی تاثیر کا دخل ہے اور نہ ان کو وجود میں لانے میں اللہ کو کسی مددگار کی مدد کی احتیاج تھی۔ اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ پس جو ذات خلق وایجاد میں اس قدر عظیم قوت کی مالک ہو، وہی ذات تنہا ولی بننے کی مستحق ہوگی۔ اور انسان کے لئے ضروری ہوگا کہ ماورا اسباب امور میں صرف اسی ولی حق کی طرف متوجہ ہو اس یقین واذعان کے ساتھ کہ جو ذات بغیر کسی شرکت کے اتنی عظیم شئی کی تخلیق پر قادر ہے وہی ذات بندوں کے احتیاجات کی تکمیل اور انکی حاجت برابری پر قادر ہوگی، اور بندوں کی حاجت برابری میں وہ نہ کسی ولی کا محتاج ہے اور نہ کسی مددگار کا ضرورت مند، اور نہ کسی کی دخل اندازی سے مجبور۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں کسی ولی کو دخل اندازی کا اختیار ہو یا اللہ کے ارادہ میں وہ ولی شریک ہو یا اللہ اپنے ارادہ میں اس ولی کا محتاج ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اور صفت قدرت ومشیت میں نقص لازم آتا ہے۔ حالانکہ ہم سب کا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ تو صرف اسی کی ذات ولی حق ہے۔ اس کے مثل کوئی شئی نہیں اور

وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسان کی پیدائش کے مقابلہ میں اللہ کی قدرت کا بڑا نمونہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.

آسمان وزمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر لوگ بے علم ہیں۔

(سورہ مومن:۵۷)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سارے مقامات پر زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور اس کے ایجاد سے استدلال کیا ہے تاکہ انسان بلا واسطہ اپنے ولی حق کی طرف رجوع ہو اور اپنے اس عظیم خالق کو اپنا ولی اور کارساز بنالے جو ان تمام امور کو تنہا انجام دیتا ہے جو انسان کے بس سے باہر ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایسا ولی ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جیسا کہ ہمارے ولی کا پاک ارشاد ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ.

کیا تجھے علم نہیں کہ زمین وآسمان کی ملکیت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

(سورہ بقرہ:۱۰۷)

اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ ، اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ. (سورہ سجدہ:۴)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کردیا پھر عرش پر قائم ہوا، تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

دوسری دلیل : ''وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ'' ہے

اللہ تعالیٰ ہی پوری دنیا کے انسانوں کو رزق دیتا ہے اور اللہ اس کا محتاج نہیں ہے کہ اس کو کوئی کھلائے پلائے اس لئے کہ اللہ کھانے پینے اور دوسری اشیاء سے پاک ہے۔ قرآن پاک کا یہ جملہ ہر اس شخص کو غور وفکر پر آمادہ کرتا ہے جس نے انسانوں میں سے بعض انسانوں (غیر اللہ) کو ولی بنالیا ہے حالانکہ وہ لوگ کھانے پینے کے محتاج ہیں اور بغیر کھائے پیئے وہ محدود مدت تک بھی زندہ نہیں رہ سکتے اور جس کھانے سے وہ زندہ ہیں اس کھانے کا خالق بھی اللہ ہی ہے اور وہ اولیاء اس طعام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور نہ اس طعام کے خلق وایجاد پر قادر ہیں بلکہ بالکل عاجز اور بے بس ہیں۔ جب ان کی بے بسی، کمزوری اور بے دست و پائی کی یہ کیفیت ہے تو عقلاً وشرعاً یہ بات غیر معقول ہے کہ اللہ کے رسول اور آپ کی امت ایسے اشخاص کو اولیاء بنائیں اور اللہ کی اس ذات کو چھوڑ دیں جو بے نیاز ہے، قابلِ تعریف ہے، رزق دینے والا ہے، بخشنے والا ہے اور جو چاہے کام انجام دینے والا ہے۔ اور ہم سے پہلے امت نصاریٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو ولی بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی سے مشابہ دلیل سے ان کے خلاف استدلال کیا اور اور فرمایا کہ وہ دونوں ولی حق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور وہ دونوں عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ وہ دونوں کھانا کھانے کے محتاج تھے اور جو شخص اتنا محتاج ہو کہ بغیر کھانے کے زندہ نہ رہ سکے اس کو اللہ کو چھوڑ کر ولی بنانا کیسے جائز اور صحیح ہو سکتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ، كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ.

(سورہ مائدہ:۷۵)

مسیح ابن مریم سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے۔

انسانوں کے علاوہ جو بت اولیاء بنائے جاتے ہیں وہ تو انسانوں سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں کیوں کہ اس بات پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ حیوانات. بہر حال جمادات سے افضل ہیں اور انسان تمام حیوانات سے افضل ہے۔

سوال نمبر (۳): رسول اللہ ﷺ نے کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز سے روکا ہے؟ اور کیا دین کا داعی دوسرے لوگوں کی طرح اسی کا مامور ہے؟

جواب: جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَاتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. (سورہ انعام:۱۴)

آپ فرمادیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تو مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔

یعنی مجھے میرے رب نے جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے اور جو کھاتا نہیں بلکہ کھلاتا ہے۔ یہ حکم دیا ہے کہ اسکے علاوہ کسی کو ولی نہ بناؤں اور اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ میں سب سے پہلے اس کے سامنے اپنی گردن جھکادوں اور جس دین کو اللہ نے اس امت کے لئے بھیجا ہے اس دین پر سب سے پہلے عمل کروں۔ میں ایسی چیز کی طرف نہیں بلا رہا ہوں جس پر عمل سے میں گریز کر رہا ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے میرا اس پر ایمان ہے اور سب سے پہلے میں اس پر عمل کرتا ہوں۔ مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں سب سے سبقت کروں اور مشرکین میں سے نہ بنوں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بنالیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اولیاء، اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں، میں ان تمام لوگوں سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بناتے ہیں اور میں کھول کر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اسلام کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بنانے جیسے شرکیہ عمل سے روکا گیا ہے اور چونکہ میں اس دین کا داعی ہوں اس لئے میں بھی دوسروں کی طرح مامور ہوں کہ جس کی طرف میں بلاتا ہوں اس پر عمل کرنے میں سبقت کروں۔ جس چیز کی

ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے میں اسی کا ذمہ دار ہوں اور جو ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے تم سے اسی کے بارے میں باز پرس ہوگی اور رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خدا کی بات لوگوں تک پہنچا دے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا. وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ.

(سورہ نور:۵۴)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے۔ اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے۔ ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔ رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو یہ حکم دے رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو ولی نہ بناؤ اور جو بنائے گا وہ مشرکوں میں سے سمجھا جائے گا۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج بعض مسلمانوں نے غیر اللہ کو ولی بنا لیا ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے اولیاء ہیں اور اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی اور واسطہ ہیں ان سب کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرما رہا ہے۔ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔تو آپ مشرکوں میں سے نہ بنئے۔ تو اے شریعت کی مخالفت کرنے والو! کذب بیانی سے کام نہ لو اور غیر اللہ کو ولی بنا کر اللہ پر افتراء پردازی نہ کرو، اللہ نے اس کو شرک فرمایا ہے اور اپنے نبی سے بیان کر دیا ہے مگر پھر بھی اگر تم کو اس غلطی کا اعتراف نہیں ہے اور حق کی طرف رجوع ہونے کے لئے تیار نہیں ہو تو تمہارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. (سورہ یوسف:۱۰۶)

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔

سوال نمبر (۴): قیامت کے دن معصیت کی صورت میں کیا داعی اور مدعوالیہ کے ساتھ انصاف سے ہٹکر کوئی معاملہ کیا جائے گا؟ اور اس دن کون کامیاب ہوگا؟

جواب: اس کا جواب قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ. مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ. (سورہ انعام:۱۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹادیا جائے تو اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔

اگر کوئی شخص اسلامی احکام کی مخالفت کرے گا اور اللہ کو چھوڑ کر لوگوں کو اولیاء بنا کر شرک کا ارتکاب کرے گا تو ہر شخص کو بغیر کسی فرق وتمیز کے اپنے کئے کی سزا ملے گی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صراحت کے ساتھ اس بات کا اعلان فرمادیں کہ بالفرض اگر مجھ سے اللہ کی نافرمانی سرزد ہوجائے تو مجھ کو قیامت کے دن کے عذاب کے لاحق ہونے کا خوف ہے۔ اور قیامت کے دن کو یوم عظیم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ دن محاسبہ اور بدلہ کا دن ہوگا اور اللہ کی ذات ہی تنہا اس کی مجاز ہوگی۔ اور حضور اکرم ﷺ کے اس تعبیر کی حکمت یہ ہے کہ یہ بات واضح کردی جائے کہ یہ دین اللہ کا دین ہے اس میں کسی کی طرفداری کا دور دور تک شائبہ نہیں ہے، چاہے وہ شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور نبی آخرالزماں سے بڑا کون ہوسکتا ہے، آپ تو اولین وآخرین کے سردار ہیں اسی لئے دوسری آیت میں مزید وضاحت کردی گئی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُو رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَداً. قُلْ اِنِّی لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرّاً وَّ لَا رَشَداً. قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ، وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَداً.

(سورہ جن:۲۲-۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ۔ کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان نفع کا اختیار نہیں۔ کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا۔

قیامت کے دن نہ اعمال کی خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی نہ سفارش، اور اللہ کے علاوہ اس دن کا کوئی مالک نہ ہوگا۔ پس جب اللہ ہی مالک ہوگا تو کسی شخص کا کسی ولی پر بھروسہ کر لینا کہ اس دن وہ نجات دلا دیں گے کتنا بودا بھروسہ ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے انسان پر بھروسہ کر رہا ہے۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْماً لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ.

(سورہ بقرہ:۱۲۳)

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی ، نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

اور دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

یَوْمَ لَایُغْنِیْ مَوْلیً عَنْ مَّوْلیً شَیْئاً وَّلَاھُمْ یُنْصَرُوْنَ.

(سورہ دخان:۴۱)

اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

حالانکہ یہ بات ثابت ہے جس پر ہم سب کا ایمان بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ

معصوم ہیں آپ سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا اور جب گناہ سرزد نہیں ہوسکتا تو آپ مبتلائے عذاب بھی نہیں ہوسکتے۔لیکن یہ تعبیر اس لئے اختیار کی گئی تا کہ یہ بات واضح کردی جائے کہ شریعت کے معاملات میں اللہ کے نزدیک امر و نہی، اور جزا و سزا میں داعی اور مدعو سب برابر ہیں اور اس دن کی خطرناک گھبراہٹ اور عذاب سے صرف خدا ہی بچا سکتا ہے اور جس کو اللہ نے بچالیا اس پر بہت بڑا رحم کیا اور جو شخص عذاب سے بچ گیا اور اس کو جنت میں داخلہ کا پروانہ مل گیا وہی کامیاب ہوگا۔اور یہ کامیابی ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو اسلام پر عمل کرے گا اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اولیاء بنانے کی مشرکانہ عمل سے دور رہے گا۔اے اللہ! ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں نیک کاروں سے ملادے کسی ذلت اور آزمائش کے بغیر۔تو ہی دنیا میں بھی ہمارا ولی ہے اور آخرت میں بھی۔اے ارحم الراحمین ہم سب پر رحم فرما۔

سوال نمبر (۵): پریشانیاں دور کرنا اور فائدہ پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے یا اولیاء کے ہاتھ میں؟ اور یہ چیزیں کس سے طلب کی جائیں اور کس طرح طلب کی جائیں؟

جواب: اس سوال کا جواب خود قرآن پاک نے دیا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ، يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

(سورہ یونس:۱۰۷)

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت رحمت والا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ .وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ. (سورہ انعام:۱۷)

اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

آیت یہ بتا رہی ہے کہ اے انسانو! اگر تم کو کوئی تکلیف، بیماری، غم اور پریشانی لاحق ہوتی ہے تو اللہ کے علاوہ کوئی اور اسکو دور کرنے والا نہیں۔ اس کو دور کرنا تمہارے اولیاء کے اختیار میں نہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ تم کو اسباب کسبیہ کی توفیق دے کر تم سے دور فرمائے گا یا تمہارے عمل اور کسب کے بغیر اپنے لطف سے دور فرمائے گا۔ اے اللہ ہم تیری تعریف کرتے ہیں جب تک کہ تو راضی نہ ہو جائے۔

اور اگر اے انسانو! تم کو کوئی خیر پہونچتی ہے جیسے صحت، دولت، قوت، جاہ ومنصب تو یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے وہی ذات دینے والی ہے اسلئے کہ وہ ذات ہر چیز پر قادر ہے، رہے اولیاء جن کو تم نے اللہ کو چھوڑ کر سب کچھ بنا رکھا ہے بھلا ان بے چاروں کے ہاتھوں میں کیا رکھا ہے، نہ تم کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ تم کو نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی سمجھدار ہوگا تو ہر چیز پر قادر خدا کو چھوڑ کر بے بس انسانوں کو ولی نہیں بنائے گا۔ اسلئے اے انسانو! سب کچھ خدا سے مانگو اس سے مانگنے والا نامراد واپس نہیں لوٹتا۔

اللہ تعالیٰ سے طلب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) عمل کی طلب اور اسباب میں ضابطوں کی رعایت، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے سلسلہ میں کارکرد فرمایا ہے۔

(۲) توجہ اور دعا کے ذریعہ طلب جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ.

(سورہ غافر:۶۰)

اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفاً وَّطَمَعًا ،اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ.

(سورہ اعراف:۵۶-۵۵)

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔ اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ،اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ.

(سورہ بقرہ:۱۸۶)

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں اسلئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

سوال نمبر (۲): طاقتور خدا ولی بنائے جانے کا مستحق ہے یا کمزور و بے بس انسان بندگانِ خدا؟

جواب: اس کا جواب خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ، وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ.

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

(سورہ انعام:۱۸)

سورہ انعام آیت ۱۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اثبات فرمایا اور اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی طاقت اور تمام مخلوقات پر اپنی دسترس کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ کمالِ حکمت کے ساتھ تمام اشیاء سے باخبر بھی ہے اور غالب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جادۂ حق اور صراط مستقیم کی رہنمائی فرما رہا ہے اور وہ یہ کہ جو اللہ کو چھوڑ کر کسی کو ولی بنائے گا وہ کھلم کھلا گمراہی کے گڑھے میں جا گرے گا اس لئے کہ اس نے غالب و طاقتور، بلند اور ہر شئی سے باخبر ذات کا مقابلہ و موازنہ ایسے انسان سے کیا جو اللہ کا بندہ ہے اسی کا پیدا کردہ اور اسی کا پروردہ ہے اور اس کے ساتھ مغلوب اور بے بس بھی ہے۔ جب اللہ کی ایسی شان ہے اور انسان ایسا بے بس اور ہیچ ہے۔ اور مخلوقات کے سردار اور ان میں سب سے افضل انبیاء کرام عبودیت اور اللہ کے سامنے بے بسی میں دوسرے انسانوں کی طرح ہیں تو پھر جب انبیاء کرام ولی بننے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر اولیاء کو ولی بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا.

سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(سورہ کہف:۲۶)

اور نہ وہ شخصیات اس مقام پر فائز ہیں کہ ان کو اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً. (سورۃ الجن:۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

اور نہ کوئی شخصیت اس لائق ہے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے اس کی مدد حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَاتُشْرِكُوْنَ. (سورہ انعام:۴۱)

بلکہ خاص اسی کو پکارو گے، پھر جس کے لئے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلاً. (سورہ اسراء:۵۶)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو، انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔

تیسری فصل

مومن اللہ کے علاوہ دوسرے اولیاء کی پیروی نہیں کرتا ہے

اللہ کا ارشاد ہے:

الٓمٓصٓ ، كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ . اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ، قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ .

(سورہ اعراف:۳-۱)

المص ۔ یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو۔ اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ۔ تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

یہ طریقہ سوال و جواب آیات مذکورہ بالا کی تشریح و تجزیہ۔

سوال نمبر (۱): آیات مذکورہ میں کس کو ڈرایا گیا ہے اور کس کو نصیحت کی گئی ہے؟

جواب: کس کو ڈرایا گیا ہے اور کس کو نصیحت کی گئی ہے اس کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ .

(سورہ اعراف:۲)

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو۔ اور نصیحت ہے ایمان والوں کیلئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ پر کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ اپنی قوم اور تمام لوگوں کو ڈرائیں اور اہل ایمان کو اس کے ذریعہ نصیحت کریں اور ان کو موثر، مفید پند ونصائح سے نوازیں اس لئے کہ وہ اس کے ذریعہ راہ ہدایت پر چلنے کے لئے تیار ہیں یا آیت کا یہ مفہوم ہے کہ اے اللہ کے رسول آپ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ بحیثیت عمومی آپ تمام انسانوں کو ڈرائیں اور بحیثیت خصوصی مومنوں کو نصیحت کریں اور ان لوگوں کو بھی جن کے بارے میں اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔

سوال نمبر ﴿۲﴾: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو لوگوں تک تبشیر وانذار کے ذریعہ کس چیز کو پہنچانے کا حکم دیا اور اس میں کس چیز سے آپ کو روکا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو کتاب میں نازل کردہ امور کی اتباع کا حکم دیں۔ وہ امور جو حضور اکرم ﷺ پر لوگوں کے لئے بطور قانون نازل کئے گئے ہیں۔ اور یہ قانون سازی اس ذات کی طرف سے ہے جو تمہارا ولی، خالق، مربی اور تمہارے امور کا کارساز ہے اور صرف اسی کو اپنے بندوں کے لئے قانون سازی کا حق ہے اور اسی نے تم پر عبادات فرض کئے ہیں اور ان ہی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو تمہارے لئے سودمند ہیں اور جو چیزیں تمہارے لئے نقصان دہ ہیں ان کو حرام قرار دیا ہے اور وہ اس بناء پر کہ وہ تم سے زیادہ تمہاری مصلحتوں سے واقف ہے۔

اور اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم اپنی طرف سے کسی انسان کو اولیاء نہ بناؤ اور نہ شیاطین کو جو تمہارے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور جو تمہارے لئے تمہارے آباء واجداد کے رسم ورواج کو مزین کر کے دین بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور دین میں نئی باتیں نہ پیدا کرو اور اپنے معاملات ان اولیاء کے سپرد نہ کرو اور قانون سازی اور حلال وحرام میں ان کو اپنے سے زیادہ جانکار سمجھ کر ان کی تقلید اور ان کا اتباع نہ کرو۔ اس لئے عالم دین کی ذمہ داری

یہ نہیں ہے کہ اپنی بات لوگوں کو بتائے بلکہ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی اور اس کے رسول کی بات بتائے۔ اور جن لوگوں کو تم نے اولیاء بنا رکھا ہے اور تم نے ان سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں چاہے وہ امید جلب منفعت کی ہو یا دفع مضرت کی، یا شفاعت کی، وہ سب امیدیں سراب کی مانند ہیں۔ قرآن میں اللہ کا پاک ارشاد ہے:

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلاً. (سورہ کہف:۱۰۲)	کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔

پس اللہ ہی تمہارا رب ہے اور وہی ولی ہے اور وہی بندوں کے امور کا کارساز اور ذمہ دار ہے۔ قانون وہی بناتا ہے، وہی مدبر ہے وہی خالق ہے اور وہی آمر ہے اور اسی کے ہاتھ میں نفع ونقصان ہے۔

سوال نمبر (۳): اس انداز اور تذکیر کا مذکورہ بالا آیت کے بموجب لوگوں میں کیا ردّعمل ہوگا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت اور انداز کے نتیجہ میں لوگوں کا ردّعمل **قلیلاً مّا تذکرون** '' کے ذریعہ ظاہر فرمایا ہے۔ یعنی پھر بھی تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

یا یہ مطلب ہے کہ تم بہت تھوڑی دیر کے لئے نصیحت حاصل کرتے ہو۔ تم پر اس نصیحت کا اثر ہوتا ہے تو اس کام سے رک جاتے ہو اور پھر کچھ ہی زمانہ کے بعد اپنی پرانی روش پر لوٹ آتے ہو۔

اس قدر تفصیلی احکامات کے بعد بھی سخت افسوس کی بات ہے کہ مسلمان آج بھی گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ آج سے پہلے اہل کتاب اور بت پرست مشرکین کفر وضلالت کی گمراہی میں لت پت تھے۔ جنہوں نے اپنے انبیاء اور نیکوکاروں کو

اولیاء (کارساز) بنالیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اللہ کے ارادہ اور مشیت میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے حکم اور ارادہ میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ جب چاہتا ہے وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئاً اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ. (سورہ یٰسین:۸۲)	وہ جب بھی کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادینا (کافی ہے) کہ ہوجا، وہ اسی وقت ہوجاتی ہے۔

اسی طرح اللہ کے علاوہ کوئی ولی حق ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اللہ کے حکم میں کوئی شریک ہوسکتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَداً. (سورہ کہف:۲۶)	سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوئی شریک نہیں ہے اسی طرح اس کے ملک میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور وہ خدا نہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا ولی ہو۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْراً. (سورہ اسراء:۱۱۱)	اور یہ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایتی کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔

چوتھی فصل

مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ولی اور شفیع نہیں ہے

قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَاَنْذِرْبِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ. (سورہ انعام:۵۱)

اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا، اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں۔

سوال و جواب کے انداز میں مذکورہ بالا آیت کی تشریح:

سوال نمبر (۱): حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی کیا تفسیر لکھی ہے؟

جواب: حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی درج ذیل تفسیر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اے محمد ﷺ آپ قرآن پاک کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کی خشیت سے خوف کھاتے ہیں، یعنی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور حساب کی رسوائی سے ڈرتے ہیں۔ ''اَلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ'' یعنی قیامت کے دن، لَيْسَ لَهُمْ اس دن اللہ کے سوا کوئی ولی اور شفیع نہ ہوگا، یعنی کوئی قریب کا آدمی نہ ہوگا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یعنی آپ اس دن سے ڈرایئے جس دن اللہ کے سوا کوئی حاکم نہ ہوگا تاکہ وہ ڈریں اور اس دنیا میں ایسا کام کریں جس کے سبب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس دن کے عذاب سے ان کو بچادے اور اپنے ثواب بے پایاں کو ان کے لئے کئی گنا بڑھادے۔

سوال نمبر (۲): آیت مذکورہ میں وہ افراد دوسروں کے مقابلہ میں انذار اور تذکیر سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے مستحق کیوں ہیں؟

جواب: (۱)اس لئے کہ یہ حقیقت پسند انسان دوسروں کے مقابلہ میں نبی کے انذار سے فائدہ اٹھانے کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ . (سورہ یس:۱۱)

بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجئے۔

دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِا الْغَيْبِ وَاَقَامُوْاالصَّلٰوةَ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ، وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ. (سورہ فاطر:۱۸)

تو صرف انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاک ہوگا۔لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔

(۲)اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔اور ان کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ وہ ایک دن اپنے رب کے پاس اٹھائے جائیں گے۔اسی لئے اس دن کے وقوع پذیر ہونے کا علم ان میں احساس خوف وبیم کو ہر آن جلا بخشتا ہے۔اسی لئے یہ لوگ قرآن کے ذریعہ اللہ کے رسول کے انذار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اور ان کے مقابلہ میں کافر اور جھٹلانے والے جو مردوں کی طرح بے حس ہیں،قرآن کے ذریعہ اللہ کے رسول کے انذار کو قبول نہیں کرتے۔جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ. (سورہ ق:۴۵)

تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔

اس انذار کی بدولت مومنین ہر اس کام کو انجام دینے کی کوش میں سرگرداں رہتے ہیں جس سے اللہ راضی ہو اور آخرت کامیاب ہو۔ اس لئے کہ اس دن ہر شخص تن تنہا آئے گا۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا. (سورہ مریم:۹۵) — یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔

اور قیامت کے دن نہ کوئی مددگار ہوگا نہ سفارش کرنے والا جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ. (سورہ انعام:۵۱) — نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا۔

اس لئے کہ ان کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ اس دن کی نجات اور سرخروئی ایمان اور اعمال پر منحصر ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (سورہ یس:۵۴) — پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔

مومنین اس دن کی نجات کے لئے اولیاء اور شفیع پر تکیہ نہیں کرتے جیسا کہ مشرکین اور اس قماش کے لوگوں کا وطیرہ ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا. (سورہ کہف:۱۰۲) — کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔

پانچویں فصل

اولیاء اللہ کے بارے میں

فریق مخالف کی دلیل خود ان ہی کے خلاف حُجّت ہے

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ،ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ.

(سورہ یونس:۶۴-۶۲)

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں خوش خبری ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

عموماً مخالفین ان ہی آیتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ بالا آیتیں ان کے حق میں دلیل نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف دلیل ہیں۔ اسی لئے اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے ہم شرح وبسط کے ساتھ سوال وجواب کے طرز میں آیات کا تجزیہ کریں گے تاکہ سمجھنا بھی آسان ہو اور سمجھنے والوں کے لئے تشفی بخش بھی ہو۔ انشاءاللہ۔

سوال نمبر (۱): اولیاءاللہ کون ہیں؟ اور ہر امت میں اور امت محمدیہ میں اللہ کے نزدیک ان کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور وہ لوگ عبادت کے ذریعہ کس طرح اللہ کے تقرب کے متلاشی رہتے ہیں تاکہ اولیاءاللہ میں ان کا شمار ہونے لگے اور اللہ ان سے بے پناہ محبت فرمانے لگے اور ان کو اپنی بے پایاں نعمتوں سے نواز دے۔

جواب: اولیاءاللہ (اللہ کے دوست) اور اس کی ضد ہے، اعداءاللہ (اللہ کے دشمن)

اعداءاللہ (اللہ کے دشمن) اللہ کے دشمن وہ ہیں جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کی

نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

اولیاءاللہ (اللہ کے دوست) اللہ کے دوست وہ ہیں جو مومنین متقین ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

.اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ. یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ (سورہ یونس:۶۳)

اور وہ لوگ ہیں جو اللہ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی دولت سے بھی مالا مال ہیں اور تقویٰ کا جامع مفہوم یہ ہے کہ ہر اس چیز سے بچنا جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے چاہے وہ واجب ومندوب کا ترک ہو، یا مکروہ ومحرم کا ارتکاب ہو۔ اور بندہ کے ایمان اور اس کے تقویٰ کے تناسب سے اس کو اللہ کی ولایت حاصل ہوگی پس جو ایمان اور تقویٰ کے لحاظ سے مکمل ہوگا اس کی ولایت بھی اللہ سے کامل ہوگی۔ اسی لئے لوگ اللہ عزوجل سے ولایت میں درجات کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ ایمان اور تقویٰ میں تفاوت کے اعتبار سے، جیسا کہ قرآن پاک کی آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے:

لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَاناً مَّعَ اِیْمَانِھِمْ. تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔ (سورہ فتح:۴)

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی وَّاٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ. اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔ (سورہ محمد:۱۷)

پس جو شخص انبیاء کرام پر مجمل ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ بھی علم ہے اس پر عمل کرتا ہے تو اس کا شمار بھی اولیاء اللہ میں ہوگا لیکن اس کی ولایت ایمان اور تقویٰ کے حساب سے ہوگی لیکن بہرحال اسے اللہ کی کمال ولایت حاصل نہ ہوگی۔ اور جو شخص انبیاء کرام پر مفصل ایمان

رکھتا ہے اور جو کچھ اس نے اس سلسلہ میں سیکھا اور سکھایا ہے اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہے تو اس کو اللہ کی مکمل ولایت حاصل ہوگی لیکن ناقص اور کامل کے فرق کے باوجود دونوں اللہ کے ولی ہیں۔ اسی لئے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ اگر علماء اللہ کے ولی نہ ہوں گے تو کوئی شخص بھی اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علماء ہیں جو علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔

جنت کے درجات ہیں اور جنتیں درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کم زیادہ ہیں اور اللہ کے مومن متقی اولیاء جن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جنت کے ان درجات کے اپنے ایمان اور تقویٰ کے لحاظ سے مستحق ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلاً. (سورہ اسراء:۲۱)	دیکھ لے کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتلا دیا کہ اہل آخرت اہل دنیا کے اعتبار سے درجات میں زیادہ متفاوت ہوں گے اور یہ کہ آخرت کے درجات دنیا کے درجات سے بڑے ہیں۔

اولیاء اللہ کے دو طبقے:

اولیاء اللہ دو طبقوں میں منقسم ہیں۔

(۱) پہلا طبقہ: طبقۂ ابرار کا ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ: سابقین مقربین کا ہے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت جب حیات کبریٰ واقع ہوگی اور میدانِ حشر میں اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا، لوگوں کو کئی طبقوں میں تقسیم کردے گا۔ جیسا

کہ قرآن پاک میں ہے:

وَكُنتُمْ اَزْوَاجاً ثَلٰثَةً. فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ، مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ. وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ،مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ . وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ. فِى جَنّٰتِ النَّعِيْمِ. ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ .وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ.

(سورہ واقعہ:۱۴-۷)

اور تم تین جماعتوں میں ہوجاؤ گے ۔ پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے۔ اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا۔اور جو آگے والے ہیں وہ آگے والے ہی ہیں۔ وہ بالکل نزدیکی حاصل کئے ہوئے ہیں۔(بہت بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موت (قیامت صغریٰ) کے وقت بھی لوگوں کو کئی خانوں میں تقسیم فرمایا ہے۔اللہ کا پاک ارشاد ہے:

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ. فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ . وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ. فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ. وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ. فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ. وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ. اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ. فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ.

(سورہ واقعہ:۹۶-۸۸)

پس جو کوئی بارگاہ الٰہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔ اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے۔ اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے۔تو بھی سلامتی ہے تیرے لئے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔لیکن اگر جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے ۔تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔اور دوزخ میں جانا ہے۔ یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ میں سے میانہ رو اور تیز رو اپنے اولیاء کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ، ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ.

(سورہ فاطر:۳۲)

پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا فضل ہے۔

پس امت محمدیہ ہی پچھلی امتوں کے بعد کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ اور یہ حفاظِ قرآن کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو بھی قرآن پر ایمان لائے گا اس کا ان میں شمار ہوگا۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن الأخرون ونحن السابقون يوم القيامة ، بيدانهم أوتوا الكتاب من قبلنا وأوتينا ه من بعدهم ، فهذا يومهم الذى اختلفوا فيه. يعنى يوم الجمعة . فهدانا الله له : الناس لنا تبع فيه، غداً لليهود وبعد غدٍ للنصارىٰ .

(بخاری ۲/۲۹۴-۲۹۲
مسلم حدیث نمبر ۸۵۵)

ہم سب سے بعد میں آئے لیکن قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے۔ اگرچہ کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہمیں انکے بعد دی گئی پس یہ وہ دن ہے جس میں ان کو اختلاف ہو گیا یعنی جمعہ کے دن کے سلسلہ میں۔ ہمیں اللہ نے اس کی ہدایت دی۔ لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں۔ کل (ہفتہ) یہودیوں کا ہے ہے اور کل کے بعد (اتوار) عیسائیوں کا ہے۔

تو یہ بات واضح ہوگئی کہ امت محمدیہ تین اصناف پر مشتمل ہے۔

(۱) ظالم لنفسہ (۲) مقتصد (۳) اور سابق۔ بہ خلاف ان آیات کے جن کا تعلق سورہ واقعہ، مطففین اور انفطار سے ہے۔ ان میں پچھلی تمام امتیں داخل ہیں چاہے وہ کافر ہوں یا مومن۔

ظالم لنفسہ: وہ ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرے اور اس پر اصرار کرے۔

مقتصد: وہ ہے جو فرائض کو انجام دے اور حرام چیزوں سے بچے۔

سابق بالخیرات: وہ ہے جو فرائض اور نوافل کی ادائیگی کرے۔

اور جو شخص اپنے گناہوں سے توبہ کرلے چاہے وہ کسی بھی قسم کا گناہ ہو اور وہ توبہ صحیح ہو تو وہ اس کی وجہ سے سابقین اور مقتصدین میں سے نہیں نکلے گا۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ. اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ

اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی میں سختی کے موقع پر بھی اللہ راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہوجائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا، وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ.
(سورہ آل عمران:۱۳۶-۱۳۳)

اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہیں کا بدلہ انکے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب ہی اچھا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے میانہ رو اور پیش رو دونوں قسم کے اولیاء کے بارے میں بیان فرمادیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ آیات اور حدیث قدسی میں یہ بات بتائی گئی ہے تاکہ اس میں مقابلہ کرنے والے مقابلہ کریں۔

من عادی لی ولیاً فقد آذنته بالحرب . وما تقرب الیّ عبدی بمثل أداء ما افترضت علیه. ولایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیّ اُحبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها ولئن سألنی لأعطیته ولئن استعاذنی لأعیذ نه وماترددت عن شیيءٍ أنا فاعله ترددی عن قبض نفس عبدی المومن ، یکره الموت وأکره

جو میرے ''ولی'' سے دشمنی رکھے گا اس سے لڑائی کا اعلان ہے اور میرے بندوں کو میرے فرائض سے نزدیکی حاصل کرنا جس قدر مجھکو محبوب ہے اس قدر اور کسی نیکی کی نزدیکی مجھکو محبوب نہیں ہے اور برابر میرا بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ

مساءته ولا بدّ له منه.
(بخاری شریف:۱۱/۲۹۲-۲۹۵)

پکڑتا ہے اور اسکے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو دوں گا اور میں جس چیز کو کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اس میں سے کسی چیز میں متردد نہیں ہوا جتنا میں اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں متردد ہوتا ہوں۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی یہ ناگواری مجھے بھی اچھی نہیں معلوم ہوتی لیکن موت بہرحال ضروری ہے۔

دونوں طبقے کے اولیاء، اللہ کا تقرب کس طرح حاصل کرتے ہیں؟

(۱) اولیاء کا وہ طبقہ جو مقتصد (میانہ رو) ہے وہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے، اللہ نے فرائض وواجبات کی صورت میں جو ذمہ داریاں عائد کی ہے اس کو وہ انجام دیتا ہے اور اللہ نے ان پر جو حرام قرار دیا اس سے بچتا ہے اور وہ اپنے آپ کو مستحبات کا مکلّف نہیں بناتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: ''اور میرے بندوں کو میرے فرائض سے نزدیکی حاصل کرنا جس قدر مجھکو محبوب ہے اس قدر اور کسی نیکی کی نزدیکی مجھکو محبوب نہیں ہے۔''

(۲) اولیاء کا وہ طبقہ جو سابق (تیز رو) ہے یہ طبقہ فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل سے بھی اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ یہ طبقہ واجبات ومستحبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے اور محرمات اور مکروہات سے بچتا ہے۔ پس جب یہ طبقہ اپنی مقدور بھر اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ محبت ''حب مطلق'' فرمانے لگتا ہے۔ جیسا کہ حدیث

قدسی میں ہے ''اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے'' یہ لوگ اپنی نمازوں کی ہر رکعتوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ .

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا انکی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔

(سورہ فاتحہ: ۷-۶)

تا کہ اللہ تعالیٰ کے ان کے ساتھ ''حب مطلق'' کا ظہور ''انعام مطلق'' کی صورت میں ہو جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا.

اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔

(سورہ نساء: ۶۹)

مذکورہ آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر اللہ نے اپنے ''انعام تام'' (مکمل انعام ونوازش) سے نوازا ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) انبیاء کرام: اور انبیاء کرام میں افضل رُسل (رسول کی جمع) ہیں اور رسولوں میں افضل اولوالعزم رسل ہیں اور وہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضور اکرم ﷺ ہیں جو خاتم النبیین، امام المتقین، امام الانبیاء والمرسلین اور اولاد آدم میں سب سے افضل ہیں۔

(۲) انبیاء کرام کی امتوں میں سب سے افضل اولیاء ہیں:

انبیاء کرام کی امتوں میں سب سے افضل اولیاء، سابقین مقربین ہیں، پھر شہدا، پھر

صدیقین پھر ابرار۔

(۳) اصحاب الیمین:

جو (مقتصد) میانہ رو ہیں اور وہ صالحین کے طبقہ سے ہیں۔

ان تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی بھی بندہ اللہ کا ولی اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مومن متقی نہ ہو اسلئے کہ اللہ کا پاک ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ اور مومن متقی اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ فرائض کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل نہ کرے، اس وقت اس کا شمار "اصحاب الیمین المقتصدون" (میانہ رو داہنے ہاتھ والے) میں ہوگا۔ پھر فرائض کی ادائیگی کے بعد جب بندہ مسلسل نوافل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے تو اس کا شمار "السابقون المقربون" (سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب) میں ہوتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی دید سے اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اس لئے کہ ان کی پیشانی پر طاعت، ایمان، تقویٰ اور عبادت کی دمک ہوتی ہے۔

اور جو شخص اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے نہ حسنات کو انجام دیتا ہے اور نہ سیئات کو چھوڑتا ہے وہ اللہ کا ولی ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ایسا شخص اولیاء کے سلسلہ میں جو بشارتیں آتی ہیں ان کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا، اور وہ یہ کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اللہ کے اولیاء وہی ہوں گے جن کا حلیہ اللہ نے "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ" (جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرنے میں) کے ذریعہ بتایا ہے۔ اور اولیاء کے بھی درجات ہیں اور ان کی ولایت کی گواہی خود اللہ کی کتاب دے رہی ہے۔ اور اللہ کی کتاب نے جن چیزوں کو اجمالاً بتایا ہے ان پر ہمارا اجمالی ایمان ہے اور جن چیزوں کو تفصیلی بتایا ہے ان پر تفصیلی ایمان ہے اور ان باتوں سے ہم اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں جو باتیں لوگ اپنے گمان اور خواہشات نفس کے مطابق اللہ کے اولیاء کے سلسلہ میں گھڑ لیتے ہیں اور اللہ کے ولی کی من مانی توضیح وتشریح کرتے ہیں جو قرآن پاک، حدیثِ رسول اور سلف کے آثار کے بالکلیہ صراحۃً خلاف ہے پس ولی وہ شخص سمجھا جائے گا جس کو

اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ولی کہے نہ کہ جس کو ایرے غیرے ولی کہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور راہ مستقیم پر استقامت نصیب کرے۔

سوال نمبر (۲): اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں اپنے اولیاء سے، دنیا اور آخرت میں کس چیز کی نفی کی ہے؟ اور تمام مومنین صالحین متقین سے دنیا اور آخرت میں کس چیز کی نفی کی ہے؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے اولیاء سے دنیا و آخرت میں جس چیز کی نفی کی ہے وہ ہے خوف اور غم، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. (سورہ اعراف:۳۵)

ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔

اور یہاں پر اس سلسلہ کی چند آیتیں ہم ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ، فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (سورہ انعام:۴۸)

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کرلے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

(۲) اللہ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

(سورہ اعراف:۳۵)

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۳)اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ،وَ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ.

(سورہ بقرہ: ۲۷۷)

بے شک جولوگ ایمان کے ساتھ (سنت کے مطابق) کام کرتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، انکا اجران کے رب تعالیٰ کے پاس ہے، ان پرنہ تو کوئی خوف ہے، نہ اداسی اور غم۔

(۴)اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ.

(سورہ مائدہ:۶۹)

مسلمان، یہودی، ستارہ پرست اور نصرانی کوئی ہو، جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہوجائے گا۔

(۵)اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ .اُوْلٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ.

(سورہ احقاف:۱۴-۱۳)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے، ان اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

ان تصریحات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ نے جس ''خوف اور حزن'' کی نفی فرمائی ہے اس میں مومن اور مومن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ

تمام مومنوں سے اللہ نے خوف وحزن کی نفی فرمائی ہے اس لئے کہ تمام مومنین متقین اولیاء اللہ ہیں جیسا کہ اللہ نے ولی کی تعریف ''الذین امنوا و کانوا یتقون'' (جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا) سے کی ہے۔ یعنی مومنوں کو دنیا اور آخرت میں غم اور حزن لاحق نہ ہوگا بہ خلاف کفار کے کہ ان کو خوف وحزن دونوں لاحق ہوں گے۔

آخرت میں ڈر اور غم

مومنین متقین پر آخرت میں میدان حشر کی ہولناکی اور جہنم کے عذاب کا خوف لاحق نہ ہوگا جبکہ کفار، فساق اور ظالموں کو لاحق ہوگا جیسا کہ اللہ نے مومنین متقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ،هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ . (سورہ انبیاء:۱۰۳)

وہ بڑی گھبراہٹ (بھی) انہیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، کہ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ لئے جاتے رہے۔

اسی طرح مومنین متقین کو، دنیا میں جو کچھ انہوں نے چھوڑا ہے اسکا غم بھی نہ ہوگا، ان نعمتوں کی وجہ سے جو اللہ نے اپنے نیک متقی بندوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

دنیا میں ڈر اور غم

(۱) اللہ کے مومن متقی بندے دنیاوی پریشانیوں سے کفار، کمزور ایمان اور دنیا کے غلام لوگوں کی طرح خوف نہیں کھاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. (سورہ آل عمران:۱۷۵)

تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔

(۲) اللہ کے مومن متقی بندوں کو حق تلفی اور ظلم کا خوف نہیں ہوتا ہے۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْساً وَّلَا رَهَقاً. (سورہ جن:۱۳)

اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم وستم کا۔

(۳) کسی ناپسندیدہ چیز کے واقع ہونے اور کسی محبوب شئی کے چھن جانے سے وہ غمزدہ نہ ہوں گے۔

لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ. (سورہ حدید:۲۳)

تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہوجایا کرو۔

لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَامَآ اَصَابَكُمْ. (سورہ آل عمران:۱۵۳)

تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو۔

(۴) موت کے وقت بھی ان کو نہ خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (سورہ نحل:۳۲)

وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں کہتے ہیں کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

جہاں تک ڈر اور غم کا تعلق ہے تو یہ چیزیں انسانوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں ان سے دنیا میں کوئی بچ نہیں سکتا لیکن جب مومن متقی ان سے دوچار ہوتے ہیں تو دوسروں کے مقابلہ میں چیخ وپکار کے بجائے وہ صبر اور تسلیم ورضا کی خو اپناتے ہیں۔ جن سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے اور وہ ان کے ثواب میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی متعدد آیتوں میں یہ حقیقت بے نقاب کی گئی ہے:

(۱) اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ،وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

(سورہ بقرہ:۱۵۶-۱۵۵)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک و پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان پر صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدیجئے، جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۲) ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

(سورہ آل عمران:۱۳۹)

تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو۔

(۳) دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ.

(سورہ محمد:۳۱)

یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں تے تا کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں۔

اب یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ مومنین ہی اولیاء اللہ ہیں اور اولیاء اللہ مومنین متقین ہی ہیں جو کفار کی طرح دنیا و آخرت میں نہ خوف محسوس کریں گے اور نہ غم زدہ ہوں گے اور نہ دنیا و آخرت میں کفار کی طرح غم سے دوچار ہوں گے۔

سوال نمبر (۳): وہ کون سی بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو دنیا اور آخرت میں دی ہے۔

جواب: اس بشارت کا تذکرہ قرآن پاک میں ان الفاظ میں ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.

ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔

(سورہ یونس:۶۴)

بُشْرٰی: بشریٰ ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کو سن کر طبیعت خوش ہو جائے، چہرہ کھل اٹھے اور دل باغ باغ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین متقین کے لئے دنیا میں بھی بشارت ہے۔ دنیاوی بشارتیں بہت ہیں جن میں سے بعض کا ہم تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) رؤیا صالحہ (اچھا خواب) جو خود مومن متقی دیکھتا ہے یا اس کے سلسلہ میں کوئی دیکھتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی خوشخبری اور بشارت ہے، لیکن شرعی طور پر یہ خواب نہ خود اس کے لئے کوئی شرعی دلیل ہے اور نہ سننے والوں کے حق میں، اور اس خواب کے صحیح ہونے کے سلسلہ میں کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اس کی صحت کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔

(۲) بے پایاں ثواب کی بشارت۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ.

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

(سورہ بقرہ:۲۵)

(۳) مومنین متقین کو نصرت و مدد کی بشارت۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ،نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ.

اور تمہیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے۔

(سورہ صف:۱۳)

(۴) مومنین متقین کے لئے حسن خاتمہ کی بشارت وخوشخبری۔اللہ کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلاً كَبِيْراً.

آپ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے! کہ انکے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

(سورہ احزاب:۴۷)

(۵) اللہ کے پاس مومنین متقین کے لئے سچی عزت اور سرفرازی۔اللہ کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ.

اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ انکے رب کے پاس ان کو پورا اجر ومرتبہ ملے گا۔

(سورہ یونس: ۲)

یہ چند بشارتیں پیش کی گئی ہیں ورنہ ''لفظ بشریٰ'' میں جو معانی پوشیدہ ہیں ان کی حقیقت صرف خدا ہی جانتا ہے۔اسی لئے اللہ نے ''بشریٰ'' کو عام رکھا ہے تاکہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جو بشارتیں دی ہیں وہ سب اس کے اندر آجائیں۔

آخرت میں بشارت

اور آخرت میں بشارت یہ ہے کہ اللہ اپنے مومن متقی بندوں کو جنت عطا فرمائے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ.

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

(سورہ بقرہ:۲۵)

: ان تمام تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کی کتاب نے جن کو ''اولیاء اللہ'' کے خطاب سے نوازا ہے وہ: مومنین متقین ہیں اور ان کے دو درجے ہیں۔

(۱) طبقہ ابرار: اصحاب یمین مقتصد (دائیں بازو والے میانہ رو)

(۲) طبقہ سابقین مقربین: سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب۔

لیکن بعد کے زمانہ میں اولیاء اللہ کے بارے میں مسلمانوں میں عجیب وغریب ناقابلِ فہم مفروضے قائم کر لئے گئے اور اب اس مفروضے کے تحت اللہ کا ولی وہ ہوگا جو غیب داں ہو، زمین وآسمان میں تصرف کی قدرت رکھتا ہو معصوم ہو، وہ لوگوں کی ہر قسم کی ضروریات کی تکمیل کی طاقت رکھتا ہو۔ نفع اسکے ہاتھ میں ہو کہ جس کو چاہے نفع پہنچادے اور نقصان اس کے ہاتھ میں ہو کہ جس کو چاہے نقصان پہنچادے۔ وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہو وہ اللہ کا وکیل ہو اور اس کے دربار عالی میں اس کے بندوں کا سفارشی، وہ خیالی ولی ایسا ہے جس کی خاطر اور جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کے امور ومعاملات کا فیصلہ کرتا ہے۔ ان کے ہاتھ پر کرامات اور عجیب وغریب امور اور خوارق کا صدور ہوتا ہے۔ اور یہ چیزیں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں کہ جب چاہیں صادر فرمادیں اور جس طرح چاہیں اس کو ظہور پذیر کردیں۔ وہ زندہ ہوں جب بھی ان اختیارات کے مالک ہیں اور مرجھی جائیں جب بھی ان ہی خصوصیات سے بہرہ ور۔ عجیب وغریب منطقی ولی ہے جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ پیر۔ بے پر کی اڑانا اسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی خیالی ولی سے وہ سب کچھ مانگتے ہیں جس کا مانگنا اللہ کے علاوہ کسی سے جائز نہیں ہے۔

اس کے جواب میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ آخری زمانہ میں دجّال کے ہاتھ پر بھی خوارق ظاہر ہوں گے جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحتیں ملتی ہیں اور اسی طرح یہود ونصاریٰ اور مشرکین سے بھی خوارق ظاہر ہوتے ہیں تو کیا ہم کہیں گے کہ یہ سب اللہ کے ولی ہیں۔

حالانکہ کرامت اور خوارق عادات کا ظہور جب ولی ہونے کی دلیل نہیں ہے تو معصوم ہونے کی دلیل کیسے ہوسکتی ہے۔اس کا ظہور تو ہر مذہب وملت کے لوگوں میں ہوتا رہتا ہے اسی لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ:

ان چیزوں کا ظہور مومن، کافر، صالح، فاجر، نبی اور ساحر کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور جس کے ہاتھ پر ظاہر ہو اس کے لحاظ سے اس کا نام متعین ہوتا ہے۔اگر خارق عادت نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور نبی نے اس کے ذریعہ چیلنج کیا ہو تو وہ معجزہ ہے اور مومن صالح جو رسول کا اتباع کامل کرتا ہو اس کے ہاتھ پر اگر ظاہر ہو تو اس کا نام کرامت ہے اور کافر وفاسق کے ہاتھ پر خارق عادت ظاہر ہو تو اس کا نام استدراج (اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت) ہے۔

پس لوگ خیالی ولی کے لئے جن اوصاف کا تعین کرتے ہیں وہ ان اوصاف کی بالکل ضد ہیں جن کا تعین اللہ نے اپنے اولیاء کے لئے کیا ہے اور وہ وصف ''ایمان اور تقویٰ ہے''، پس جو شخص ولی کے لئے اللہ کے متعین کردہ وصف کی تصدیق سے گریز کرتا ہے اور اپنے متعین کردہ وصف پر اصرار کرتا ہے وہ اللہ، اس کے رسول اور قرآن پاک کی تکذیب کرتا ہے اور مسلمان مرد اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

یہ دین اللہ کا نازل کردہ دین ہے اور اللہ نے اس دین کو حضور اکرم ﷺ کی وفات سے پہلے مکمل فرمادیا ہے۔اگر ولی کے سلسلہ میں بعض لوگوں کے مفروضے صحیح مان لئے جائیں تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ نے جس دین کے مکمل ہونے کی شہادت قرآن پاک میں دی ہے نعوذ باللہ وہ دین ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔بلکہ ناقص ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اس کی کسی مخلوق کا کلام ہے۔نعوذ باللہ من ذالک)

بہرحال جو باتیں قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائی گئی حق کے متلاشی کے لئے بہت ہے۔اللہ ہمیں حق پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچواں باب

وسیلہ

پہلی فصل: وسیلہ اور توسل کی حقیقت

دوسری فصل: مشروع وسیلہ اور اس کی قسمیں

تیسری فصل: حضور اکرم ﷺ کی ذات کا وسیلہ اور اس کی حقیقت

چوتھی فصل: فریق مخالف کا غیر مشروع وسیلہ اور اس کے دلائل

پہلی فصل

وسیلہ اور توسّل کی حقیقت

وسیلہ کے سلسلے میں بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں اور شیطان نے غیر شرعی امور کے ارتکاب کے ذریعہ ان کو گمراہ کر دیا ہے جیسے قوم نوح جس نے اپنے نیک اور برگزیدہ لوگوں کی عبادت کی اور قوم یہود جس نے حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کی اور اپنے نیک مذہبی پیشواؤں کو بھی خدا بنالیا اور نصاریٰ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی ماں اور مذہبی پیشواؤں کی عبادت کی اور عرب کے مشرکین جنہوں نے اپنے نیک لوگوں کی عبادت اور پرستش کی جیسا کہ ان کی تفصیلات قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سورہ نوح کی اس آیت تفسیر میں فرماتے ہیں۔ آیت یہ ہے:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا.	اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)

(سورہ نوح:۲۳)

درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ سارے نام حضرت نوح علیہ السلام کے قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں، وہ لوگ جب انتقال کر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جن مقامات پر یہ برگزیدہ لوگ عبادت کرتے تھے وہاں ان کا مجسمہ نصب کر دو اور ان کو ان کے نام سے پکارو۔ پس ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ان بزرگوں کی کسی نے عبادت نہیں کی لیکن جب اس نسل کا انتقال ہو گیا اور دوسری نسل آئی اور ان کو ان امور کا علم نہیں رہا تو انہوں نے ان لوگوں کی جن کے مجسمے نصب تھے عبادت شروع

کردی۔

(۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے ملک حبشہ کے ایک ایسے گرجا گھر کا ذکر کیا جس میں مجسمے تھے۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا تھا تو ان کی قبر پر مسجد بنادیتے تھے اور اس مسجد میں ان کا مجسمہ نصب کردیتے تھے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے۔

(۳) ارشادِ خداوندی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. — ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔

(سورہ توبہ:۳۱)

احبار اور رہبان نے اللہ کے علاوہ کو رب بنالیا۔ ان لوگوں کا شرک یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اللہ کے وجود، اس کی قدرت اور اس کی عظمت کا انکار کردیا تھا بلکہ ان کا شرک یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے ہی جیسے انسانوں کو نفع کے حصول اور نقصان کے دفعیہ کے لئے پکارتے تھے۔ ان کا یہی عمل ان کی عبادت تھا۔ ان لوگوں نے ان بزرگوں کو اللہ کے تقرب کے حصول کا ذریعہ گمان کیا۔ اور آج بعض مسلمان بھائی پچھلی امتوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ پس یہ مسلمان بھائی اللہ کو چھوڑ کر قبر میں مدفون نیک لوگوں کو پکارتے ہیں اور ان کا واسطہ اور وسیلہ سے اللہ سے مانگتے ہیں اور ان کا واسطہ دیکر اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ اور اپنی اس عبادت کو وسیلہ کا نام دیتے ہیں جس کا ان کا مقصد اللہ کے تقرب کا حصول ہوتا ہے جیسا کہ پچھلی امتوں نے کیا۔ ان کے تمام اعمال رائیگاں گئے جس طرح کہ پچھلی امتوں کے اعمال اکارت ہوگئے اور یہ ہمارے مسلمان بھائی پچھلی امتوں کی طرح یہ سمجھتے ہیں وہ کوئی اچھا کام انجام دے رہے ہیں۔ مخالفین کے دعویٰ کے مطابق اور ہماری دلیل کی سچائی کو پرکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن

پاک کی ان دوآیتوں کی تشریح کریں جن سے مخالفین استدلال کرتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے تا کہ جو ہلاک ہوتو ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ ہدایت کے ساتھ زندہ رہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(سورہ مائدہ:۳۵)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا.

(سورہ اسراء:۵۷-۵۶)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو، انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہوجائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

اب ہم درج بالا آیتوں کی مکمل توضیح کریں گے۔

پہلی آیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔

(سورہ مائدہ:۳۵)

عربی زبان میں وسیلہ کا معنی ہے قربت اور قربت کی جمع قرب ہے اور وسیلہ فعیلہ کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز تک پہونچا جائے۔

اور "توسل الیٰ فلان" کا مطلب ہے کہ فلاں چیز کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کیا پس ہر قسم کی قربت کا دوسرا نام ہی وسیلہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ:

ما تقرب الی عبد بشیءٍ احب اِلی مما افترضته علیه.

بندہ جس چیز سے میری قربت حاصل کرتا ہے اس میں میرے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس کو میں نے اس کے اوپر فرض کیا ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وسیلہ کا معنی ہے سوال اور حاجت اور بعض لوگوں نے وسیلہ کا معنی محبت بھی بتلایا ہے اور یہ مفہوم پہلے مفہوم کے منافی نہیں ہے۔ کیوں کہ سوال کرنے اور ضرورت کی تکمیل کی درخواست خدا ہی سے ہوتی ہے اور اس طرح اللہ کی محبت بھی اللہ کی قربت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

درج بالا آیت میں "اتقوا اللّٰہ" کا مطلب یہ ہوگا کہ عذاب سے ڈرو اور اللہ اور اس کے رسول کے اوامر پر عمل کر کے اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز سے روک دیا ہے اس سے مکمل اجتناب کرو اس لئے کہ اللہ کے عذاب سے چھٹکارا صرف تقویٰ کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور "وابتغوا الیه الوسیلة" کا معنی یہ ہوگا کہ جن

چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے اس پر عمل پیرا ہو کر اور جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے رک کر جو عمل خیر تم نے انجام دیا اس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرو۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی جلد ۱ ص ۵۱۳ پر وسیلہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں وسیلہ کا معنی ''قربت'' ہے اور قتادہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ وسیلہ کا مطلب ہے اللہ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرو۔ اور وسیلہ یہی ہے کہ اس کے ذریعہ مقصد کے حصول تک رسائی ہوتی ہے اور وسیلہ جنت کے سب سے اونچے مقام کا نام بھی ہے جو حضور اکرم ﷺ کے لئے خاص ہے اور یہ عرش سے قریب ترین جنت ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سننے کے بعد یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مُقَاماً مَّحْمُوْداً نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ۔	اے اللہ اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک تو محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت کا خاص درجہ مرحمت فرما اور ان کو اس مقام محمود سے نواز دے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

تو قیامت کے دن شفاعت اس کے لئے لازم ہو جاتی ہے۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب اذان دے تو تم بھی وہی کلمات دہراؤ اور پھر ہم پر درود بھیجو جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل کرتا ہے پھر ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے ''وسیلہ'' مانگو اور وسیلہ جنت میں ایک مقام کا نام ہے اور جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کے لئے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ پس جو شخص میرے لئے اللہ سے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے

گی۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر درود بھیجو تو میرے لئے اللہ تعالیٰ سے ''وسیلہ'' کی دعا کرو صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول وسیلہ کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنت کا سب سے اونچا اور اعلیٰ مقام ہے جو صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ (احمد، ترمذی)

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے اللہ سے ''وسیلہ'' طلب کرو اس لئے کہ جو بھی میرے لئے اللہ سے ''وسیلہ'' کی دعا کرے گا تو میں اس کے لئے قیامت کے دن گواہ یا شفیع ہوں گا۔

اور حافظ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں وسیلہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی طرف اس عمل کے ذریعہ قربت حاصل کرو جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

ابو وائل نے وسیلہ کا مفہوم اعمال میں قربت بتلایا ہے۔ سدّی نے وسیلہ کا معنی سوال اور قربت بتایا ہے۔ مجاہد نے وسیلہ کا معنی اللہ کی قربت بتلایا ہے اور حسن نے وسیلہ کا معنی قربت بتلایا ہے۔

یہ تھے وسیلہ کے بارے میں ائمہ کے اقوال۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے برعکس بعض لوگ اس آیت سے انبیاء کرام کی ذات، ان کے حق ان کے مقام سے توسّل کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ استدلال بالکل غلط استدلال ہے اور آیت کو یہ مفہوم پہنانا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس آیت سے اس قسم کا استدلال سلف صالحین اور ائمہ مفسرین سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ اس قسم کا وسیلہ جائز اور پسندیدہ ہے۔ اور اس کے برعکس نصوص قرآنی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایسے نیک اعمال کے ذریعہ تقرب حاصل کریں جن کو اللہ تعالیٰ

پسند کرتا ہے اور جن سے راضی ہے۔ پھر ان اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ہماری عقل اور ہمارے ذوق پر نہیں چھوڑ دیا ہے ورنہ بڑا اختلاف واضطراب اور تضاد وتناقض پیدا ہو جاتا بلکہ اس نے ہم کو پابند کر دیا کہ اس معاملہ میں اس کی طرف رجوع ہوں اور اس بارے میں اس کی رہنمائی اور تعلیم کی پیروی کریں کیوں کہ اللہ کو کون سا عمل پسند ہے یہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اللہ کے قریب کرنے والے وسائل کو جاننے کے لئے ہر مسئلہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع ہوں اسی کی تاکید حضور اکرم ﷺ نے ہم کو کی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماان تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله . (رواه مالک وحاکم)	تم میں، میں نے دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔

اور اللہ سے قریب کرنے والے اعمال اس شخص کے لئے ہیں جو اپنے رب سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے اور اللہ اس سے راضی ہو، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّ لَايُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَداً. (سورہ کہف:۱۱۰)	تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

مقبول عمل جس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ اس کے لئے دو شرطیں ہیں جیسا کہ قرآن پاک کی درج بالا آیت سے معلوم ہوتی ہے۔

(۱) پہلی شرط: پہلی شرط یہ ہے کہ عمل صالح اس قانون کے مطابق ہو جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث میں بیان کیا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

فلیعمل عملاً صالحاً۔

(۲) دوسری شرط: یہ ہے کہ اس سے اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو اور اللہ کے علاوہ کسی اور کی خوشنودی مطلوب نہ ہو جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَّ لَایُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَداً۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

ان دونوں شرطوں میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی جائے گی تو وہ عمل نہ قرب خداوندی کا ذریعہ بنے گا اور نہ اللہ کی بارگاہ میں، قبول ہوگا اسی لئے حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ مقبول عمل کے یہ دو رکن ہیں یعنی ضروری ہے کہ عمل اللہ کے لئے خالص ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ دوسری آیت میں ارشادِ خداوندی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلاً. اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْراً۔

(سورہ اسراء: ۵۷-۵۶)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

درج بالا آیتوں کی مکمل وضاحت، اللہ نے فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا. (سورہ اسراء:۵۶)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور بدل سکتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ ان مشرکین سے جو میرے علاوہ فرشتوں، جن، حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو پکارتے ہیں، کہہ دیجئے کہ وہ سب اللہ کی دوسری مخلوقات کی طرح مخلوق ہیں جن کو تم نے معبود بنالیا ہے۔ تو تم ان کو پکار کر دیکھو وہ تمہاری پکار پر تم سے نقصانات، بیماری، فقر وفاقہ یا عذاب کو دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ ان چیزوں کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کر دیں یا ان میں تبدیلی پیدا کر دیں۔

اللہ نے فرمایا کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا. (سورہ اسراء:۵۷)

جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرمارہا ہے کہ آپ ان مشرکین کو جن میں سے بعض حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں اور بعض حضرت عیسیٰ بن مریم کو پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں اور بعض فرشتوں کو پکارتے ہیں اور ان کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے ہیں اس طرح ان کی عبادت کرتے ہیں اور بعض لوگ جنوں کو پکارتے ہیں اور اس طرح ان کی

عبادت کرتے ہیں اور ٹھیک آج بعض مسلمان قبر میں مدفون بزرگوں کو پکارتے ہیں اس طرح وہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی آیت میں مشرکین کی کسی قسم کی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے؟ ان کی عبادت یہی تھی کہ وہ اللہ کے علاوہ کو دفع مضرت یا جلبِ منفعت کے لئے پکارتے تھے اور یہ دعا اور پکارنا عبادت ہے اور وہ صرف اللہ ہی کے لئے جائز ہے اور اگر غیر اللہ کے لئے اس کو روا رکھا گیا تو شرک ہوگا۔

اے مسلمانو! جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ خود اپنے رب کو پکارتے تھے اور اللہ کی قربت کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے اور مختلف طاعت وعبادات کے ذریعہ وہ اللہ کی رضا کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ تو جو شخص خود عبادت کرتا ہو وہ اس لائق نہیں ہوگا کہ اس کی عبادت کی جائے اور جو خود مختلف طاعات وعبادات کے ذریعہ اللہ کا قرب ڈھونڈتا ہو اس کی یہ حیثیت نہیں ہوگی کہ اس کا قرب اور اس کی خوشنودی طلب کی جائے۔ اس لئے کہ قربت اور خوشنودی اس کی حاصل کی جاتی ہے جس سے یہ توقع ہوتی ہے کہ اس کے نزدیک مقام بلند سے سرفراز کیا جائے گا۔

اور اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ. (سورہ اسراء: ۵۷) وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

یعنی شریعت سے ناواقف لوگ جن لوگوں کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے پکارتے ہیں وہ لوگ خود اللہ سے طلب کرتے ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے عذاب سے سمجھدار لوگ ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کا عذاب سخت اور ناقابل برداشت ہے، تو ایسے اشخاص کو پکارنا ان سے امید رکھنا اور ان سے ڈرنا کس طرح روا ہوگا جو خود اللہ کو پکارتا ہو اس سے امید رکھتا ہو اور اس کی ذات سے ڈرتا ہو۔ کاش کہ مشرکین کو ان باتوں کی سمجھ ہوتی! ان تصریحات سے یہ بات واضح

ہوگئی کہ وسیلہ سے مراد وہ طاعت ہے جس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی اور اس کی قربت حاصل کی جائے۔ اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا ''یبتغون'' یعنی وہ اعمال صالحہ جن کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اس کے طلبگار رہوتے ہیں۔ اور آیت اس بات کی طرف واضح اشارہ کررہی ہے کہ بعض لوگوں کا اللہ کے بعض بندوں کو پکارنا سراسر باطل اور غلط ہے کیوں کہ وہ بے بس ہیں اور جب اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو دوسروں کی مدد کیا کرسکتے ہیں، نفع اور نقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

دوسری فصل

مشروع (جائز) وسیلہ اور اس کی قسمیں

مشروع وسیلہ جس کی صراحت قرآن پاک اور احادیث نبویہ اور اسلاف کے اعمال میں ملتی ہے اور جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ تین قسموں پر مشتمل ہے۔

(۱) اللہ کی بزرگ و برتر ذات اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ سے وسیلہ چاہنا۔

(۲) اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ وسیلہ چاہنا:

(۳) زندہ نیک شخص کی دعا، کے ذریعہ وسیلہ چاہنا:

پہلی قسم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات میں سے کسی اسم یا صفت کے ذریعہ اس کا وسیلہ چاہنا:

مومن کو چاہئے کہ وہ اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وسیلہ چاہے اور اسی کے ذریعہ اس کو پکارے جیسا کہ اس سلسلہ میں ہدایت ربانی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

(سورہ اعراف:۱۸۰)

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

جیسے یوں کہے یا اللہ ، یا رحمن ، یاتواب ، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث اور اسی طرح دوسرے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کے ذریعہ، یا اس طرح کہے، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بحبک لمحمد ، اے اللہ آپ کی حضور اکرم ﷺ سے محبت

کے وسیلے سے مانگتا ہوں، اس لئے کہ ''حب'' اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

اور یہاں اس موقع پر حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ ہم ان ہی الفاظ یا ان جیسے الفاظ کے ذریعہ دعا مانگیں اور ہمارے اخلاص، تڑپ اور اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کے لحاظ سے دعا قبول ہوگی۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اکثر یہ دعاء مانگتے تھے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی. (مسلم)

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، حصول قناعت اور بے نیازی مانگتا ہوں۔

(۳) حضور اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وتحول عَافِیَتِکَ وفُجَاءَةِ نِقْمَتِکَ وَجَمِیْعِ سخطکَ. (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ نعمت زائل ہو، امن وامان غارت ہو، اچانک تیری گرفت ہو اور کسی بھی قسم کی تیری ناراضگی سے۔

(۴) اس طرح حضور اکرم ﷺ نماز میں سلام سے پہلے یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاةَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ.

اے اللہ تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کا واسطہ، مجھے زندہ رکھ جب تک آپ زندگی کو میرے لئے بہتر سمجھیں اور مجھے موت دیدے اگر موت ہی میرے لئے بہتر ہو۔ (نسائی اور حاکم)

(۵) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کثرت غم کا شکار ہو چاہئے کہ وہ یہ دعاء پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِی بِیَدِکَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عدل فیّ قضائک ، اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او علّمتہ احداً من خلقک او انزلتہ فی کتابک او استأثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمّی .

(احمد۔حاکم)

اے اللہ ! میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندہ اور بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے اور تیرا حکم میری ذات کے بارے میں نافذ ہے اور میرے بارے میں تیرا فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہے میں تجھ سے ہر اس نام کے واسطے سے دعا کرتا ہوں جس نام کے ذریعہ تو نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتلایا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اس کے علم کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھا ہے کہ قرآن پاک کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کی روشنی، میرے غم کا تریاق اور غم واندوہ کا درماں بنادے۔

اگر یہ دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا غم دور فرمادے گا اور پریشانی کی جگہ کشادگی عطا فرمائے گا۔ اور اسکے علاوہ بھی حضور اکرم ﷺ کی بہت ساری دعائیں ہیں جو کتب حدیث میں موجود ہیں۔ یہ دعائیں جو پیش کی گئیں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جامع ہیں، یہ اس ذات گرامی کی دعا ہے جس کو خالق کائنات نے جوامع الکلم سے نوازا تھا۔ تو ہمیں بھی چاہئے کہ ان ہی دعاؤں کی اقتداء کریں کیوں کہ یہ دعائیں نبی آخر الزماں سے ثابت ہیں اور ہمیں نبی کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. رسول تمہیں جو دیدے اُسے لے لو اور جس سے منع کردے اُس سے رُک جاؤ۔

(سورہ حشر:۱۸)

دوسری قسم : مشروع (جائز) وسیلہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ دعا کرنے والا اپنے عمل صالح کے واسطہ اور وسیلہ سے اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

(۱) اے اللہ! تجھ پر میرا ایمان ہے اس کے وسیلے سے میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس دعا میں وسیلہ دعا کرنے والے کا عمل ہے اور وہ ہے ''اللہ پر ایمان''۔

(۲) اے اللہ! مجھے جو تجھ سے محبت ہے اس کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میری مصیبت دور فرمادے۔ یہاں پر بھی وسیلہ دعا کرنے والے کا عمل ہے اور وہ ہے ''اللہ کی محبت''۔

(۳) اے اللہ! میں جو تیری اطاعت کرتا ہوں اس اطاعت کے وسیلہ سے تجھ سے دست بدعا ہوں کہ مجھ پر رحم فرما۔ یہاں بھی وسیلہ داعی کا عمل ہے اور وہ ہے ''اللہ کی اطاعت''

(۴) اے اللہ! تیری کتاب کی اطاعت کے وسیلہ سے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ پر رحم فرما یہاں پر بھی وسیلہ داعی کا عمل ہے اور وہ ہے ''اللہ کی کتاب کا اتباع''۔

(۵) اے اللہ! تیرے رسول پر جو میرا ایمان ہے اس کے وسیلہ سے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ پر رحم فرما، یہاں پر بھی وسیلہ داعی کا عمل ہے اور وہ ہے ''رسول پر ایمان''۔

(۶) اے اللہ! تیرے حضور اکرم ﷺ سے جو مجھے محبت ہے اس

محبت کے وسیلہ سے میں دعا کرتا ہوں کہ میری پریشانی دور فرما۔ یہاں پر بھی وسیلہ داعی کا عمل ہے اور وہ ہے ''رسول اللہ ﷺ سے اس کی محبت''۔

(۷) اے اللہ! میں تیرے نبی کی اطاعت کرتا ہوں، اس اطاعت کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے عافیت نصیب فرما، یہاں پر بھی وسیلہ داعی کا عمل ہے اور وہ ہے ''رسول اللہ ﷺ کی اطاعت''۔

(۸) اے اللہ! میں تیرے رسول کی جو اطاعت کرتا ہوں اس اتباع کے وسیلہ سے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میری مدد فرما، یہاں پر بھی وسیلہ داعی کا عمل ہے اور وہ ہے ''اتباع رسول''۔

اس قسم کا وسیلہ مشروع اور جائز ہے بلکہ بہتر اور مناسب ہے اور اس قسم کے وسیلہ کے جائز ہونے کی درج ذیل دلیلیں ہیں۔

دلائل قرآن پاک سے:

پہلی دلیل:

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار.
(سورہ آل عمران:۱۶)

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے اس لئے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

دوسری دلیل:

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ.
(سورہ آل عمران:۵۳)

اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔

تیسری دلیل:

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ.

(سورہ مؤمنون:۱۰۹)

میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

چوتھی دلیل:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ.

(سورہ آل عمران:۹۳)

اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یا الٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیکوں کیساتھ کر۔

دلائل احادیث سے:

ان غار والوں کا واقعہ جنہوں نے مصیبت اور پریشانی کے وقت اپنے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے انکی اس مصیبت کو جس میں وہ مبتلا تھے دور فرمائی۔ تفصیل اس طرح ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے والوں میں سے تین اشخاص راستہ چل رہے تھے کہ شام ہوگئی اور انہیں رات گذارنے کے لئے ایک غار میں پناہ لینی پڑی۔ غار میں وہ جب داخل ہوئے تو پہاڑ پر

سے ایک چٹان سرک کر غار کے منہ پر آ گری اور یہ تینوں اس غار میں پھنس کر رہ گئے۔ ان تینوں نے مشورہ کیا کہ اب نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے سب سے اچھے عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعاء مانگے۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ! میرے بوڑھے والدین تھے، میری عادت تھی کہ ان کو دودھ پلانے سے پہلے میں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلایا کرتا تھا ایک دن میں کسی چیز کی تلاش میں اور مسلم کی روایت ہے کہ چارہ کی تلاش میں دور چلا گیا اور جب واپس آیا تو میرے ماں باپ سو چکے تھے، میں نے ان کو دودھ پلائے بغیر اپنے بال بچوں کو دودھ پلانا پسند نہیں کیا اور دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیکر ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کا سویرا روشن ہوگیا۔ تب وہ بیدار ہوئے اور دودھ پیا۔

اے اللہ! اگر یہ عمل میں نے صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو اس کی برکت سے اس چٹان کی مصیبت سے ہمیں نجات دے۔ چنانچہ چٹان تھوڑی سرک گئی لیکن اتنی نہیں کہ وہ اس میں سے نکل سکیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دوسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی میں نے اس سے اپنی بری نیت کا اظہار کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ قحط سالی کے ہاتھوں مجبور ہو کر میرے پاس آئی اور میں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیا کہ وہ مجھے خلوت کا موقع دے وہ اس پر راضی ہوگئی اور جب میں نے اس پر پوری طرح قابو پالیا تو وہ کہنے لگی کہ عصمت کی اس مہر کو تم ناحق مت توڑو۔ یہ سنکر میں اس کے ساتھ صحبت سے باز رہا حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی اور میں نے وہ اشرفیاں بھی معاف کر دیں جو میں نے اسے دی تھیں۔

اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس چٹان کی مصیبت سے نجات دے۔ چنانچہ چٹان تھوڑی سی سرک گئی لیکن اتنی نہیں کہ وہ سب اس میں

سے نکل سکیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تیسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میں نے کئی مزدور اجرت پر رکھے اور سب کی مزدوری ادا کر دی لیکن ایک مزدور اپنی اجرت چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو خوب بڑھایا۔ یہاں تک کہ بڑھ کر کافی مال ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد وہ آیا اور مجھ سے اپنی اجرت مانگی۔ میں نے کہا کہ یہ سب اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام جو تم دیکھ رہے ہو تمہارے ہیں، اس نے کہا، بندۂ خدا! مجھ سے مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں تب اس نے سارا مال لے لیا اور ہانک کر لے گیا۔

اے اللہ! یہ عمل اگر میں نے محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس کی برکت سے ہماری مصیبت کو دور فرما۔ تب چٹان پوری سرک گئی اور وہ سب نکل کر چلے گئے۔

(بخاری، مسلم، نسائی)

درجِ بالا واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے عمل صالح کو وسیلہ بنایا تھا اور وہ یہ تھا۔

(۱) پہلے شخص کا وسیلہ اس کا عمل صالح ''اللہ کی رضا کے حصول کیلئے والدین کیساتھ حسنِ سلوک'' تھا۔

(۲) دوسرے شخص کا وسیلہ اس کا عمل صالح ''اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اس کی اطاعت کے جذبہ سے زنا جیسے حرام عمل سے اجتناب'' تھا۔

(۳) تیسرے شخص کا وسیلہ اس کا عمل صالح ''اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اور اس خوف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مزدور کے ساتھ خیر خواہی اور امانت'' تھا۔

اے میرے مسلمان بھائیو! پچھلے زمانہ کے لوگوں کا واقعہ حضور اکرم ﷺ نے مدح وثناء کے سیاق میں بیان فرمایا ہے تاکہ ہم اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور اس کو نمونہ بنائیں اور اس واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ دعا کرنے والا اپنے عمل صالح کے وسیلہ

سے دعا مانگ سکتا ہے جو مشروع طریقہ ہے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ سے تینوں اشخاص نے اپنے اپنے عمل صالح کے وسیلہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے تینوں کی دعائیں قبول فرما: اور تینوں کو اپنی اپنی دعاؤں اور وسیلہ کی قبولیت کا مشاہدہ ہو گیا۔

تیسری قسم مشروع (جائز) وسیلہ کی تیسری قسم یہ ہے کہ نیک آدمی کی دعا سے وسیلہ سے اللہ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کی جائے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے زندہ بقید حیات شخص کے پاس جایا جائے جو متقی پرہیزگار ہو اور جس کا علم وفضل قابل اطمینان ہو اور ان سے یہ درخواست کی جائے کہ آپ میرے لئے دعاء فرمائیں، وسیلہ کا یہ طریقہ مشروع ہے اور حضور اکرم ﷺ کی حدیث اور صحابہ کرام کے افعال سے یہ بات ثابت ہے اس لئے کہ وسیلہ کا یہ طریقہ حقیقتاً اس نیک آدمی کی دعا کا وسیلہ ہے۔ یعنی وہ نیک آدمی اس شخص کے لئے اللہ سے دعا کرتا ہے اور خواستگار دعا بھی ان کے ساتھ دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ان کی دعا کو میرے حق میں قبولیت سے نواز دے۔

وسیلہ اور واسطہ بنانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ دو افراد نہ ہوں اور وہ اس طرح کہ ایک دعا کی درخواست کر رہا ہو اور دوسرا شخص اس کے حق میں دعا کر رہا ہو۔ پس اگر وہ شخص اس کے حق میں دعا کر رہا ہے تو گویا کہ اس شخص کی دعا اس کے لئے وسیلہ ہے اور اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی شخص کسی کے حق میں دعا نہیں کر رہا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ موجود نہیں ہے یا اس وجہ سے کہ وہ مر چکا ہے تو اس پر وسیلہ کا اطلاق ہی درست نہیں ہوگا۔

صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں تو آپ کی موجودگی میں آپ سے دعاء کی درخواست کرتے تھے کہ آپ ان کے لئے اللہ سے دعا کریں اور جب آپ کا انتقال ہو گیا

تو یہ بات ممکن نہیں رہی اس لئے صحابہ کرام نے حضرت عباس کی دعا کو وسیلہ اور واسطہ بنایا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے یہ بات ظاہر ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یزید بن الاسود کی دعاء کو وسیلہ اور واسطہ بنایا۔ یہ واقعہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

(۱) دیہاتی کا حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کی موجودگی میں آپ کی دعا کا وسیلہ اختیار کرنا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی جمعہ کے دن مسجد نبوی میں آیا آپؐ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول مال تباہ ہو گئے اور راستے بند ہو گئے آپؐ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ دعاء کے لئے اٹھائے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا .

اے اللہ! ہمیں بارش عنایت فرما، اے اللہ! ہمیں بارش عنایت فرما، اے اللہ! ہمیں بارش عنایت فرما۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ آپ کی دعاء کو وسیلہ بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی دعا کے وسیلہ کو قبول فرما کر بارش نازل فرماتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنایا نہ کہ کسی نبی اور مخلوق کی ذات کو، بلکہ صرف آپ کی دعا کا وسیلہ مانگتے تھے اور یہی مشروع وسیلہ ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حیات میں اور آپ کی موجودگی میں آپ کی دعا کو وسیلہ بنانا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباسؓ سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وانا نتوسل اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیسقونَ.
(بخاری)

اے اللہ! ہم اپنے نبی کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اس وقت بھی بارش ہوتی تھی۔

(۳) حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا یزید ابن اسود جرشی کی حیات اور موجودگی میں ان کی دعا کو وسیلہ بنانا:

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سند صحیح کے ساتھ تابعی جلیل سلیم بن عامر الخبائری سے روایت کیا ہے کہ آسمانی قحط نازل ہوا حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور اہل دمشق استسقاء کے لئے نکلے جب حضرت معاویہ منبر پر تشریف لے گئے تو فرمایا یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کو آواز دی۔ حضرت یزید تیز قدم آئے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا تو وہ بھی منبر پر چڑھے اور حضرت معاویہؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت معاویہ نے فرمایا اے اللہ! ہم تیرے پاس سفارش لے کر آئے ہیں اپنے سب سے بہتر اور افضل شخص کے ذریعہ، اے اللہ! ہم تجھ سے سفارش کرتے ہیں یزید بن اسود جرشی کے ذریعہ، اے یزید اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھاؤ۔ انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھالئے اور سب لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھالئے۔ تھوڑی دیر بعد مغرب کی سمت میں ایک بدلی ڈھال کی مانند نکلی اور اسکو ہوا لیکر اڑی اور ہم کو اس طرح سیراب کر ڈالا کہ لوگ اپنے مکانوں تک نہیں پہنچ پائے تھے۔

گذشتہ صفحات میں درج باتوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نیک آدمی کی حیات اور اس کی موجودگی میں دعاء کی درخواست کے ذریعہ اس کی دعا کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ لیکن ایسے شخص کو کیا کہا جائے جو اس وضاحت کے بعد بھی قبروں کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ

کھڑے ہوکر اپنی ضروریات کی تکمیل، برکت کے حصول اور پریشانیوں کے دفعیہ کی صاحب قبر سے درخواست کرتا ہے اور مختلف زبانوں میں اپنی ضروریات طلب کرتا ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جن اصحاب قبور سے ہم اپنی ضروریات طلب کررہے ہیں وہ دنیا کی تمام زبانوں سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہر زبان کو دوسری زبان سے تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں چاہے بہ یک وقت سیکڑوں افراد اپنی اپنی زبانوں میں ان سے اپنی ضروریات کی تکمیل کی درخواست کررہے ہوں۔ حالانکہ بہ یک وقت ہر ایک کی سننا سمجھنا اللہ کی صفت ہے۔ اس طرح سے لوگ اللہ کی صفات میں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ بڑی گمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ زندہ موجود سے دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے اور جس چیز کی تکمیل اس کی قدرت میں ہے اس میں بھی زندہ سے درخواست کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف جو موجود نہ ہو یا مردہ ہو اس سے کسی بھی چیز کی درخواست نہیں کی جاسکتی۔

اہلِ بدعت کے بارے میں علماءِ احناف کے اقوال

شیخ شمس الحق عظیم آبادی نے التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ص ۵۲۱-۵۲۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ بہت بڑی اور بری بدعت جو بدعتیوں نے ایجاد کرلی ہے یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی! اللہ کے واسطے کچھ دیجئے اور وہ لوگ بغداد کو قبلہ بنا کر نماز پڑھتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت ساری بدعات کے یہ لوگ مرتکب ہورہے ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے یہ لوگ اللہ کی عظمت و کبریائی سے ناواقف ہیں اور اللہ کی جیسی عظمت کرنی چاہئے تھی ویسی نہیں کرسکے۔ حالانکہ ان اصحاب بدعت کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میں کسی کو فائدہ پہنچانے یا کسی سے نقصان کو دور کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر کافی ہے تو پھر یہ لوگ اپنے

جیسے انسانوں سے کیوں اپنی ضروریات کی تکمیل کی درخواست کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں کہ تیرے ساتھ کسی کو شریک کریں یا تیری مخلوق میں سے کسی کی ایسی تعظیم کریں جیسی تیری کرتے ہیں۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ: اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہوتی اور باخبر ہوتی ہیں تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (البحر ۵/۱۳۴)

شیخ فخر الدین ابوسعد عثمان الجیلانی بن سلیمان بن الحنفی نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ مردے امور میں تصرف کرتے ہیں اور یہی اس کا عقیدہ بھی ہو تو وہ کافر ہے۔ (البحر الرائق)

شیخ حمید الدین ناگوری ہندی نے تو شیخ میں تحریر فرمایا ہے کہ: بعض لوگ مصیبت کے وقت اور ضروریات کی تکمیل کے لئے انبیاء اور اولیاء کو پکارتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحیں حاضر ہوتی اور آواز سنتی ہیں اور کس چیز کی کس کو ضرورت ہے اس کا ان کو علم ہوتا ہے اس طرح کا اعتقاد شرک قبیح ہے اور کھلم کھلا جہالت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ. (سورہ احقاف:۵)	اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ انکے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔

البحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۹۴ پر یہ تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے نکاح کرے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا اور اس کی تکفیر کی جائے گی کہ اس لئے کہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ حضور عالم الغیب ہیں اور اسی طرح کی عبارت فتاویٰ قاضی خان، عینی، درمختار، عالمگیریہ اور دوسرے علماءِ احناف کی کتابوں میں ہے۔

تیسری فصل

حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ

سوال نمبر (۱): (ا) حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ سے کیا مراد ہے؟
(ب) کیا اللہ کی مخلوق کے وسیلہ سے اللہ سے سوال جائز ہے؟
(ج) اس کی کیا دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کا وسیلہ جائز ہے اور حضور کی ذات کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔

جواب: ان سوالات کا جواب ابن تیمیہؒ کی کتاب "القاعدة الجليلة في التوسّل والوسيله" سے ماخوذ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ "توسل بالنبی" کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس کے تین معانی ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا معنی یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا وسیلہ اختیار کیا جائے اس مفہوم کے اعتبار سے یہ وسیلہ فرض ہے اور اس کے بغیر ایمان نامکمل اور ناقص ہے۔

(۲) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ، اس میں دعا، کا تعلق اس وقت سے تھا جب آپ حیات تھے اور شفاعت کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔

(۳) تیسرا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا وسیلہ، اس مفہوم میں کہ آپ کی ذات گرامی کو وسیلہ بنایا جائے یا آپ کی ذاتِ گرامی کے واسطہ سے اللہ پر قسم کھائی جائے یعنی اللہ پر صاحب وسیلہ کی قسم کھائی جائے۔ تیسرے مفہوم کا عملی وجود صحابہ کرام کے دور میں نہیں ملتا ہے۔ صحابہ کرام استسقاء یا کسی اور موقع پر ایسا نہیں کرتے تھے نہ آپ کی زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد، نہ آپ کی قبر کے پاس اور نہ کسی اور کی قبر کے نزدیک۔ اور نہ

مشہور دعاؤں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ بعض مرفوع، موقوف اور ضعیف احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے یا ایسے لوگوں کی روایت ملتی ہے جو حجت نہیں ہے۔

قسم اور حلف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نام سے لی جائے کیوں کہ قسم عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، صحیحین میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے اور ترمذی میں ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا اس سے معلوم ہوا کہ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر حرام ہے تو پھر کسی مخلوق کے نام کی قسم خالق پر کیسے جائز ہوگی مثلاً کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! تجھ پر فلاں بزرگ کی قسم کھاتا ہوں یا فلاں کے حق کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری کر، ایسا کہنا حرام ہے۔

مخلوق کے بارے میں تو یہ بات سوچی جاسکتی ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی بڑے یا معزز شخص کی قسم کھائی جائے تو وہ اس سے متاثر ہوکر اپنا ارادہ بدل سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کسی کی قسم سے متاثر ہوکر اپنا ارادہ نہیں بدلتا اور نہ اللہ پر کوئی اپنی بات مسلط کرسکتا ہے نہ اسکے ارادہ سے کوئی اس کو باز رکھ سکتا ہے۔ اسکے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔ اللہ کی جب یہ شان ہے تو بھلا اس پر کسی مخلوق کی قسم کیسے کھائی جاسکتی ہے۔ اس کی ذات تو ایسی برتر و مقدس اور اعلیٰ ہے کہ مخلوق پر اس کی قسم کھانی چاہئے نہ کہ مخلوق کی اس پر قسم کھائی جائے۔ جب قسم عبادت ہے تو جس کی قسم کھائی جائے وہ بڑا ہوگا یا جس پر قسم کھائی جائے وہ بڑا ہوگا۔ تو پھر جب ہم کسی مخلوق کی قسم اللہ پر کھاتے ہیں تو ایسی صورت میں مخلوق خالق سے بڑھ جاتی ہے اسی لئے علماء نے مخلوق کی قسم کھانے سے شدت سے روکا ہے۔

شارح عقیدہ طحاویہ کا بیان ہے کہ کسی کے حق کی اللہ پر قسم کھانا حرام ہے کیوں کہ مخلوق کی قسم مخلوق پر تو جائز نہیں ہے تو پھر خالق پر کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا''

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ دعا کرنے والے کے لئے حرام ہے کہ وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں فلاں کے حق کے واسطہ سے تیرے نبیوں اور رسولوں کے حق کے واسطے سے، بیت الحرام اور شہر الحرام کے حق کے واسطہ سے ایسا کہنا بھی حرام ہے کہ: اے اللہ! تیرے نزدیک فلاں کے مرتبہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، تیرے انبیاء اور اولیاء کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

شیخ ابوالحسن قدوری کا بیان ہے کہ غیر اللہ کے نام سے سوال کرنا حرام ہے کیوں کہ غیر اللہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

ابن ہلاجی نے شرح المختار میں لکھا ہے کہ اللہ سے صرف اسی کے نام سے دعا مانگی جائے اور یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فرشتوں یا تیرے انبیاء کے واسطے سے کیوں کہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

اور شیخ نعمان خیر الدین حنفی نے جلاء العینین میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے دعا مانگے اور علماء احناف کی تمام کتابوں میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ انبیاء، اولیاء اور بیت اللہ کے حق کا واسطہ دیکر دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے اور یہ ایسی حرمت ہے کہ جس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔

اس بات کی دلیل حدیث سے دی جارہی ہے کہ جائز وسیلہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنایا جائے اس لئے کہ شفاعت بھی دعاء ہے اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب آپ حیات تھے اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنایا جائے اور آپ کی ذات کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "القاعدۃ الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ" میں سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہ بات تحریر کی ہے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے مخاطب ہوکر کہا کہ ہم آپ کے ذریعہ اللہ پر شفاعت چاہتے ہیں اور اللہ کے

ذریعہ آپ پر شفاعت چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے سبحان اللہ کہا، یہاں تک کہ صحابہ کرام کے چہروں پر اس کے اثرات محسوس ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا بُرا ہو کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا کیا مقام ہے؟ اللہ اتنا عظیم اور بڑا ہے کہ اس کے کسی مخلوق کے حق کے واسطے سے اس سے شفاعت کی دعا نہیں کی جاسکتی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی شخص کے واسطہ سے شفاعت کا مفہوم حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے کلام میں اس شخص کی دعا سے شفاعت مراد ہے۔ اس شخص کی ذات سے سوال مراد نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس ذات سے ہی سوال کرنا مقصود ہوتا تو پھر اللہ سے مخلوق کے واسطہ سے سوال کرنے سے بہتر مخلوق سے اللہ کے واسطہ سے سوال کرنا ہوتا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کے قول "**تستشفع بالله علیک**" پر نکیر فرمائی۔ اور وہ اس وجہ سے کہ سفارش کرنے والا جس سے سفارش مقصود ہو اس سے درخواست کرتا ہے کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کردے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی سے یہ سوال نہیں کرتا کہ وہ اس کی مخلوق کی ضرورت پوری کردے۔ اسلئے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے کہ اس سے سوال اور درخواست کی جائے اور حقیقت یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق اللہ ہی سے سوال کرتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ. (سورہ رحمٰن:۲۹)	سب آسمان وزمین والے اسی سے مانگتے ہیں۔ ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔

پس آسمان کے رہنے والے اللہ سے سوال کرتے ہیں اور زمین کے رہنے والے اللہ سے مانگتے اور سوال کرتے ہیں اور اس مخلوق کی بات کا سننا اللہ کے لئے دوسری مخلوق کی بات کے سننے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور مخلوق کی آواز اور زبانوں کا اختلاف اللہ کے لئے کسی قسم کی پریشانی کا موجب نہیں بنتا اور جب مانگنے والا مانگنے میں اصرار کرتا ہے تو اس سے

اللہ ناراض نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ دعا میں اضافہ کو پسند فرماتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَاسَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ. (سورہ بقرہ:۱۸۶)	جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہدیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔

سوال نمبر (۲): درج ذیل مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسالک کی وضاحت کیجئے؟

(أ) حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کے وقت حجرہ کی طرف رخ کرنا:

(ب) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے وقت حجرہ کی طرف رخ کرنا:

جواب: امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھتا ہے اور اس کے بعد اپنے لئے اللہ سے دعا کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنا رخ قبلہ کی طرف کرے گا۔

جب حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھنا چاہے تو اس وقت چہرہ کس طرح ہونا چاہئے تو اس سلسلہ میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ حجرہ کی طرف رخ کرے گا اور آپ پر درود پڑھے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ درود اور سلام کے وقت بھی چہرہ حجرہ کی طرف نہیں کرے گا جس طرح دعا کے وقت چہرہ حجرہ کے طرف نہیں کرے گا۔ پھر امام ابوحنیفہ کے مسلک میں دو اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ حجرہ کی طرف پشت کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ حجرہ کو بائیں جانب رکھے گا، یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ پر درود بھیج رہا ہو لیکن اگر وہ شخص دعا کرنا چاہے تو قبلہ رخ ہو کر ہی دعا کرے گا اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

جس طرح اللہ سے دعا کے وقت حجرہ کی طرف رخ کرنے سے شریعت نے روکا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کے وقت بھی حجرہ کی طرف رخ کرنے سے شریعت نے روکا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے روایت ابومرثد غنوی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے چاہے، وہ قبریں انبیاء کرام کی ہوں یا کسی اور کی۔ پس جب اللہ تعالیٰ سے دعا کے وقت قبر کی طرف رخ کرنا جائز نہیں ہے تو خود مردے سے دعا کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا اسی طرح جب نماز کے وقت قبر کو سامنے رکھنا جائز نہیں ہے تو میت کے لئے نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اسی لئے مردہ سے کچھ طلب کرنا اور مانگنا جائز نہیں ہوگا اور نہ ان سے یہ طلب کرنا جائز ہوگا کہ وہ اس کے لئے دعا کردیں اور نہ یہ جائز ہوگا کہ دینی و دنیاوی مشکلات کے سلسلہ میں اپنی کہانی ان سے سنائی جائے۔ یہ بات اگر چہ ان کی زندگی میں جائز تھی اس لئے کہ وہ بات شرک تک پہنچانے والی نہیں ہے لیکن یہی چیز موت کے بعد شرک تک پہنچانے والی ہے اس لئے کہ وہ شخص اپنی زندگی میں مکلّف ہے اور سوال کرنے والے کے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں اجر وثواب ہے اور موت کے بعد وہ مکلّف نہیں ہے۔ اسی لئے امام مالکؒ نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے اس لئے کہ اس طرح کے الفاظ حدیث میں وارد نہیں ہوئے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ اس میں غلط مفہوم کا امکان ہے جو شرک وبدعت کے خوگر کے یہاں معتبر ہے اور وہ یہ کہ قبر کی زیارت اس لئے کی جائے کہ صاحب قبر سے سوال کیا جائے یا اس کے واسطہ سے اللہ سے مانگا جائے یا اس کے پاس اللہ سے مانگا جائے، اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام کی خاطر زیارت کی جائے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

سوال نمبر (۳): انبیاء اور صالحین کی قبروں سے شرک کے ذرائع کو روکنے کی خاطر کن چیزوں سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے؟

جواب: جن چیزوں سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اور سختی سے روکا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) پہلی بات جس سے حضور اکرم ﷺ نے روکا ہے وہ یہ ہے کہ ہم انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجد نہ بنائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپؐ برابر چادر اپنے منہ پر ڈالے رہتے جب اس سے تکلیف محسوس کرتے تو کھول دیتے اس حالت میں آپؐ نے فرمایا:

لعنة اللّٰه على اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور انبيائهم مساجد. (بخاری)

یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنادیا۔

آپؐ اپنی امت کو اس چیز سے خبردار فرمارہے تھے اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ اپنی قبر کو نمایاں فرماتے لیکن آپ کو خدشہ تھا کہ لوگ اسے مسجد نہ بنالیں۔

حضرت جندب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ موت سے پانچ دن پہلے میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

اِنی ابرأ اِلی الله ان یکون لی منکم خلیل فاِن اللّٰه قد اتخذنی خلیلاً کما اتخذ ابراهیم خلیلاً ولو کنت متخذاً من امتی خلیلاً لا تخذت اَبابکر خلیلاً اَلا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائهم

میں اللہ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں اس بات سے کہ تم میں سے میرا کوئی دوست ہو۔ بے شک اللہ نے مجھے اپنا دوست بنالیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو

وصالحیهم مساجد، اَلا فلا تتخذوا القبور مساجد فإنی اَنهاکم عن ذٰلک.

(مسلم حدیث نمبر ۵۳۲)

دوست بناتا۔ سن لو تم سے پہلی امتوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا، تم لوگ قبروں کو مسجد نہ بناؤ، میں اس بات سے تم کو منع کرتا ہوں۔

قبروں پر مسجد بنانے کی حرمت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت میں مسجد اور قبر دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور یہ بات معلوم اور مسلّم ہے کہ جب شریعت نے مسجد بنانے کا حکم دیا ہے تو ضمناً اس نے اس میں نماز کا بھی حکم دیا ہے اس لئے کہ مسجد کی تعمیر کا مقصد نماز کی ادائیگی ہے اور جب شریعت نے قبر پر مسجد بنانے سے روکا ہے تو ضمناً شریعت نے اس میں نماز پڑھنے سے بھی روکا ہے۔ تو اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جب حضور اکرم ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت بھیجی ہے جو نیک کاروں کی قبر کی پاس نماز پڑھے اور اللہ کی عبادت کرے تو وہ شخص جو قبروں کی ہی عبادت کرنے لگے کس قدر لعنت کا مستحق ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ گویا حضور اکرم ﷺ کو اس بیماری میں اپنی موت کا اندازہ ہوگیا تو آپ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ آپؐ کی قبر کی ویسی ہی تعظیم نہ کی جائے جس طرح پچھلی امتوں نے کی، پس یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص بھی پچھلی امتوں جیسے اعمال کرے گا لعنت کا مستحق ہوگا۔

اس لئے توحید کی حفاظت اور شرک کے ذرائع اور چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے قبروں کو مسجد بنانے سے روکا اور یہ بات آپ نے اپنی تدفین اور قبر بننے سے پانچ دن پہلے فرمائی۔ تو جس چیز سے حضور اکرم ﷺ نے روکا ہے آج ان کی امت کے بہت سارے افراد اس میں مبتلا ہیں اور اس کو قربت کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ قربت کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ اللہ سے دوری کا ذریعہ ہے اور یہ چیز بری اور ناجائز امور میں سے ہے۔

(۲) حضور اکرم ﷺ نے اس بات سے روکا کہ اللہ کو چھوڑ کر آپؐ کی قبر کو **وثن** (بت) نہ بنالیں جس کی پرستش کی جائے۔

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد واشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد. (مؤطا)	اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پرستش کی جائے۔ اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا لعن اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد.	اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا اللہ کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

(مسند احمد بن حنبل ۲/۲۴۶)

حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت سے یہ واضح طور پر فرمادیا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کی تعظیم اور اس میں غلو ان قبروں کو بت بنادینا ہے جن کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جاتی ہے اور بتوں کی عبادت کا مفہوم واضح اور معلوم ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سے مانگا جائے یا ان کے ذریعہ سوال کیا جائے یا ان کے نزدیک سوال کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے پناہ چاہی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے ایسی ہی چیزوں سے پناہ چاہی جن کے واقع ہونے کا امکان تھا اور جس چیز سے حضور اکرم ﷺ نے روکا اس کا آج ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں۔ قبر پرستوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ قبر میں مدفون اشخاص سے سوال کرتے ہیں یا ان کے واسطہ سے اللہ سے سوال کرتے ہیں یا ان کی قبروں کی طرف رخ کرکے اللہ سے سوال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

(۳) حضور اکرم ﷺ نے امت کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آپ کی قبر کو عید

''زیارت گاہ'' بنائیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ اور میری قبر کو عید اور ''زیارت گاہ'' نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو اس لئے کہ جس جگہ سے بھی مجھ پر درود بھیجو گے وہ درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ (ابوداؤد، مسند احمد بن حنبل)

حضور اکرم ﷺ نے مخصوص طریقہ پر اپنی قبر کی زیارت سے منع فرمایا ہے اس طور پر کہ اس کو زیارت گاہ بنالیا جائے حالانکہ حضور پر درود بھیجنے سے بڑھکر کونسا عمل افضل ہوسکتا ہے لیکن آپؐ نے توحید کی حفاظت اور شرک کے ذرائع کو بند کرنے کی خاطر اس سے منع فرمایا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، اس لئے کہ انبیاء اور صالحین کے قبور کی تعظیم قوم نوح کے لئے شرک کا سبب بنی اور یہی تعظیم بت پرستوں کے لئے شرک کا سبب بنی۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا	اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو
تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّ لَا يَغُوْثَ	نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور
وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا. (سورہ نوح:۲۳)	یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)

درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب ان لوگوں کا انتقال ہوگیا تو شیطان نے قوم نوح کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ بزرگ جہاں بیٹھتے تھے وہاں ان کا مجسمہ بنا کر نصب کردو اور ان کو ان کے نام سے پکارو۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ان کی عبادت اور پرستش سے کوسوں دور رہے جب اس نسل کا انتقال ہوگیا تو دوسری نسل آئی ان لوگوں کو حقیقت حال کا علم نہ تھا اس لئے انہوں نے ان کی عبادت شروع کردی۔

چوتھی فصل

ممنوع وسیلہ کا بیان اور اس کے قائلین کے دلائل

(۱) پہلی دلیل: حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ذریعہ پانی طلب کرنا۔
(۲) دوسری دلیل: وہ حدیث جس میں نابینا کے واقعہ کا ذکر ہے۔
(۳) تیسری دلیل: حضور اکرم ﷺ کی قبر سے آسمان تک جھروکہ کھولنے کا اثر۔
(۴) چوتھی دلیل: وہ حدیث جس میں غریب پریشان حال مسلمانوں کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے والی حدیث۔
(۵) پانچویں دلیل: وہ حدیث جس میں اللہ پر سائلین کے حق اور نمازیوں کے چلنے کے حق کا ذکر ہے۔
(۶) چھٹی دلیل: وہ حدیث جس میں حضرت آدم سے چوک کا ذکر ہے۔
(۷) ساتویں دلیل: وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو میری جاہ کے وسیلہ سے سوال کرو۔

پہلی دلیل: وہ حدیث جس میں حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ذریعہ پانی طلب کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ سے دعاء کی درخواست کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ: اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کی دعاء کو وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کی دعا کو وسیلہ بنا کر تجھ سے بارش مانگتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اس وقت بھی بارش ہوتی تھی۔ (بخاری)

مخالفین اس حدیث سے یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کا وسیلہ اختیار کرنا اللہ کے نزدیک ان کی جاہ اور قدر ومنزلت کی وجہ سے تھا اور حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کی جاہ کے وسیلہ سے دعا مانگی اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔ تو ان حضرات کے گمان کے مطابق اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی شخص کی جاہ اور اللہ کے نزدیک اس کے مقام ومرتبہ کے وسیلہ سے دعا مانگی جاسکتی ہے اور حضرت عمرؓ کا حضور کی جاہ کے وسیلہ سے دعا مانگنے کے بجائے حضرت عباس کی جاہ کے وسیلہ سے دعا مانگنا یہ بتلانے کیلئے تھا کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کے وسیلہ سے دعا مانگی جاسکتی ہے۔

پہلی دلیل کا جواب:

ہمارا اور مخالفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر کے اس قول **کنا نتوسل الیک.... بنبینا وانا نتوسل الیک..... بعم نبینا** میں کوئی لفظ محذوف ہے۔

(۱) ہماری رائے کے مطابق ''دعا'' محذوف ہے اور مکمل عبارت یوں ہوگی۔

کنا نتوسل الیک بدعاء نبینا وانا نتوسل الیک بدعاء عم نبینا۔

(۲) مخالفین کی رائے کے مطابق ''جاہ'' محذوف ہے اور عبارت یوں گی۔

کنا نتوسل الیک بجاہ نبینا وانا نتوسل الیک بجاہ عم نبینا۔

اور جملہ میں کسی لفظ کے محذوف ہونے کی مثال قرآن پاک میں موجود ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَالَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِىْٓ اَقْبَلْنَافِيْهَا. آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمالیں جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئیں ہیں۔

اس آیت میں قریہ سے پہلے اہل یعنی ''اھل القریۃ'' اور عیر سے پہلے اصحاب پوشیدہ ہے ''اصحاب العیر''۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر کی حدیث میں دعاء پوشیدہ اور محذوف ہے یا جاہ۔ اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہم اس جگہ دو سوال کریں گے۔

سوال نمبر (۱): صحابہ کرام کے زمانہ میں جب قحط پڑتا تھا تو کیا صحابہ کرام میں سے ہر شخص اپنے گھر یا کسی بھی مقام پر بیٹھ جاتا تھا یا ایسے مقام پر جمع ہو جاتے تھے جہاں حضور اکرم ﷺ موجود نہیں ہوتے تھے اور پھر یہ دعا کرتے تھے:

(۱) اے اللہ! تیرے نزدیک تیرے نبی محمد ﷺ کی جو جاہ اور مقام و منزلت ہے اس کے وسیلہ میں ہمیں بارش عنایت فرما۔

(۲) یا یہ کہہ کر دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! آپ کے نزدیک حضرت عباسؓ کا جو جاہ اور مقام و مرتبہ ہے اس کے وسیلہ میں ہمیں بارش عنایت فرما۔

سوال نمبر (۲): کیا صحابہ کرام ایسے مواقع پر حضور اکرم ﷺ کے پاس آتے تھے اور آپؐ سے یہ درخواست کرتے تھے کہ ان کے لئے اللہ سے دعا فرمائیں تو حضور اکرم ﷺ ان حضرات کی درخواست قبول فرما کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے پھر بارش ہوتی تھی؟

(۱) پہلے سوال کا جواب:

احادیث کے پورے مجموعہ اور صحابہ کرام کے عمل میں دور دور تک یہ بات نہیں ملتی کہ ایسے مواقع پر صحابہ کرام اپنی دعاؤں میں حضور اکرم ﷺ کا نام لیتے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی جاہ اور مقام کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہوں۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب:

صحابہ کرامؓ کا طریقہ کار یہ تھا کہ اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آتی تو صحابہ کرامؓ بلا واسطہ آپ سے درخواست کرتے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام آپؐ کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی دعا کی درخواست کو قبول فرما کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے تھے۔ اور اس کی رہنمائی ہمیں قرآن پاک میں ملتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا.

(سورہ نساء:۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی انکے لئے استغفار کرتے، تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

اس آیت میں ''جَآءُوْكَ'' کا لفظ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور دعا اور استغفار کی درخواست کرتے تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر کی حدیث میں محذوف لفظ ''دعا'' ہے نہ کہ ''جاہ''۔

دیہاتی کے واقعہ میں بھی جس کی روایت حضرت انسؓ نے کی ہے کہ وہ دیہاتی جمعہ کے دن مسجد نبوی میں آیا جبکہ حضور اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اس دیہاتی نے پریشان حالی کا ذکر کیا اور حضور سے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے بارش کے سلسلے میں اللہ سے دعا فرما دیجئے تو حضور اکرم ﷺ نے دعا کے لئے دستِ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ آپ کے بغل کی سپیدی ظاہر ہوگئی آپؐ کے دعا کے الفاظ یہ تھے اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا. اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ حضور ﷺ دعا مانگ رہے تھے اور صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے، پھر وہی دیہاتی دوسرے جمعہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ خطبہ دے رہے تھے اور کثرت بارش کی شکایت کی اور آپ سے درخواست کی اللہ تعالیٰ سے بارش روکنے کے لئے دعا فرمائیں تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش رک گئی۔

دونوں بار اس دیہاتی نے حضور اکرم ﷺ سے دعا کی درخواست کی اور دونوں بار حضور اکرم ﷺ نے اس دیہاتی کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بارش

برسانے اور اور دوسری بار بارش روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ حدیث عمر میں جو لفظ پوشیدہ اور محذوف ہے وہ ''دعا'' ہے نہ کہ ''جاہ'' یعنی ''دعاء نبینا'' اور ''دعاء عم نبینا''

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تشریح یوں ہوگی کہ اے اللہ! جب حضور اکرم ﷺ زندہ تھے تو حضور اکرم ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور اب جبکہ حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے وہ اب تیرے حضور جا چکے ہیں اور اب یہ ممکن نہیں رہا کہ حضور ﷺ ہمارے لئے دعا کریں اس لئے اب ہم حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے تیری بارگاہ میں دعا کریں۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنی دعا میں یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! اپنے نبی کی جاہ سے ہمیں بارش عنایت فرما اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! حضرت عباسؓ کی جاہ سے ہمیں بارش عنایت فرما۔ اس لئے کہ اس قسم کی دعا بدعت ہے اور کتاب وسنت میں اس کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے اور سلف صالحین میں سے کسی سے اس طرح کی دعا منقول نہیں ہے بلکہ وسیلہ کا طریقہ یہ تھا کہ وسیلہ کا طلبگار حضور ﷺ یا صالحین کے پاس آتا تھا اور اپنا حال بیان کرتا تھا اور اپنے حق میں ان حضرات سے دعا کی درخواست کرتا تھا پھر نبی یا صالحین اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔

مخالفین کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے کے بجائے حضرت عباسؓ کا وسیلہ اس لئے اختیار کیا تا کہ وہ یہ بتادیں کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول سے توسل جائز ہے۔

پہلی بات: اس سلسلہ میں پہلی بات میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ لوگ پانی کی بوند بوند کو ترس رہے تھے اور سخت قحط سالی کا زمانہ تھا حضرت عمرؓ کے ذہن میں کس طرح یہ بات آسکتی تھی کہ فقہی موشگافی اور مسئلہ کو بتانے کے لئے حضور اکرم

ﷺ کے بجائے حضرت عباسؓ کی دعا کا وسیلہ ڈھونڈتے۔ حالانکہ یہ بات مسلّم ہے اور انسانی فطرت کا بھی تقاضہ ہے کہ پریشانی اور ناگہانی آفات میں انسان بڑے وسیلہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب پریشانی ختم ہو جاتی ہے اور امن وسکون میسر آجاتا ہے تو کبھی کبھار چھوٹے وسیلہ کو بھی اختیار کرلیا جاتا ہے۔ اور یہ بات زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کے طرز عمل سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سخت پریشانی کی حالت میں وہ بتوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کو پکارتے تھے۔ قرآن پاک میں ان کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ. (سورہ عنکبوت:٦٥)

پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام پر جو مسلم حقیقی تھے ان کی نظر میں یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ان سے توسل جائز ہے اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ اس حکم کو وضاحت کے ساتھ بتاتے اور خاموش نہ رہتے۔

دوسری بات: یہ ہے کہ اگر ہم بہ فرض محال تسلیم کرلیں کہ ہر مرتبہ حضرت عمرؓ نے اس فقہی حکم کو بتلانے کے لئے اپنے اس عمل کو بار بار دہرایا تو کیا یہی بات حضرت معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ اور ضحاک ابن قیس کے دل میں پیدا ہوئی جب کہ ان دونوں حضرات نے بزرگ تابعی یزید بن اسود جرسی سے دعا کی درخواست کی اور ان دونوں حضرات نے حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار نہیں کیا، جبکہ وہاں صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ تو کیا یہ بات معقول ہوگی کہ یہ تمام حضرات حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ کے ترک پر اجماع اور اتفاق کرلیں اگر حضور کی وفات کے بعد آپ کا وسیلہ جائز ہوتا اور یہ بات مشہور ومعروف ہوتی تو

صحابہ کرام حضرت عمرؓ سے کہتے کہ حضرت عباسؓ کے وسیلہ کے بجائے حضور کا وسیلہ اختیار کرنا چاہئے کیوں کہ حضور کا وسیلہ بہر حال حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بہتر اور اولیٰ ہے اور صحابہ کرام حضرت عمرؓ سے یہ بھی کہتے جو جائز کام ہم حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں کرتے تھے اس کو چھوڑ کر حضور اکرم ﷺ کے بعض رشتہ داروں کا وسیلہ کیوں اختیار کریں اس لئے کہ اس سے مشہور سنت کا ترک کرنا لازم آتا ہے اور اس صورت میں افضل کو ترک کرنا پڑ رہا ہے اور مضبوط وسیلہ کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں کمزور وسیلہ اختیار کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے جبکہ ہم قحط سالی کی وجہ سے اضطراری حالات سے دوچار ہیں اور نبی کو چھوڑ کر غیر نبی کا وسیلہ اختیار کرنے کی صورت میں ہم گناہگار بھی ہوں گے۔ لیکن صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ سے ایسا کچھ نہیں کہا کیوں کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ جو چیز حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں جائز ہو، ضروری نہیں ہے کہ حضور کی وفات کے بعد بھی وہ چیز جائز ہو۔ مثال کے طور پر حضور کے حجرہ مبارکہ میں نماز جائز تھی لیکن جب آپ کی وفات کے بعد اس حجرہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی تو اب حجرہ میں نماز پڑھنا ناجائز اور حرام ہے اور اس کی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد، الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھاکم عن ذٰلک. (مسلم حدیث نمبر ۵۳۲)	سن لو تم سے پہلی امتوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا، تم لوگ قبروں کو مسجد نہ بناؤ، میں اس بات سے تم کو منع کرتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنا بہترین عمل تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح آپ کی حیات میں آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں

وضاحت چاہتے تھے۔ کسی قضیہ میں آپ سے فیصلہ چاہتے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد یہ ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص دو باتوں کہ جس کے لئے حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی اور جس کے لئے حضور نے دعا نہیں فرمائی، یکساں تصور کرے اور دونوں میں فرق نہ کرے اور اس وسیلہ کو اُس وسیلہ کی طرح سمجھ لے تو ایسا شخص لوگوں میں سب سے زیادہ گمراہ ہے کیوں کہ ایسے شخص نے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر افترا، پردازی کی اس لئے کہ اس نے ایسے فعل کا دعویٰ کیا جو حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا۔

مخالفین کے دلائل کی تردید کے بعد ہم ایک سوال کے ذریعہ اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔

سوال نمبر (۱): حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے کے بجائے حضرت عباسؓ کا وسیلہ کیوں اختیار کیا، حالانکہ حضرت عباسؓ اپنے مقام بلند اور عظمت کے باوجود حضور اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ سے فروتر ہیں۔

جواب: حضرت عمرؓ نے ایسا اس لئے کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا وسیلہ اختیار کرنا ناممکن تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ حضرت عمر آپ کے پاس جاتے اور قحط سالی اور بارش نہ ہونے کی کیفیت آپ کے سامنے بیان کرتے اور پھر آپ سے دعا کی درخواست کرتے اور پھر آپ دعا فرماتے، یہ سب کچھ ناممکن تھا کیوں کہ صحابہ کرام اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان برزخ حائل تھی جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ. (سورہ مومنون: ۱۰۰) ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، انکے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔

پس حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام آپ کی زندگی میں آپ سے دعا کی درخواست کرتے

تھے اور یہ درخواست کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تھا، اس لئے کہ قرآن پاک میں ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيْماً. (سورہ نساء:۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی انکے لئے استغفار کرتے، تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. (سورہ محمد:۱۹)

اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں بھی۔

تو چونکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ نہ آپ استسقاء کی کوئی بھی سنت ادا کر سکتے تھے نہ استسقاء کی نماز پڑھا سکتے تھے نہ آپ سے دعا کی درخواست ممکن تھی نہ ہی آپ دعا فرما سکتے تھے یہ سب باتیں آپ کی وفات کی بنا پر ناممکن ہوگئی تھیں اس لئے حضرت عباسؓ سے آپ نے دعا کی درخواست کی۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو دعاءِ استسقاء کے لئے کیوں منتخب فرمایا جبکہ ان کے علاوہ صحابہ میں عمل، صلاح اور اسلام میں اولیت کے لحاظ سے زیادہ اور افضل لوگ موجود تھے، تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ سے تعلق کو آپ نے ترجیح دی اور اسلئے بھی کہ حضور ﷺ ان کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے بھی اس کا بہ طور خاص خیال رکھا۔ پہلے حضرت عمر نے دعا کی دعا کے الفاظ یہ تھے۔:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نتوَسّلُ اِلَیکَ بِنَبِیّنَا فَتسقِیُنَا وانا نتوسل اِلَیکَ بِعَمِّ نَبِیّنَا فَاسقِنَا قَالَ فَیسقونَ.

(بخاری)

اے اللہ! ہم اپنے نبی کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اس وقت بھی بارش ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ کی اس دعا کے بعد حضرت عباسؓ نے دعا کی۔ ''انساب'' میں زبیر بن بکار کی روایت کے مطابق حضرت عباسؓ کی دعا کے الفاظ یہ تھے:

اللّٰھم انہ لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبۃ وقد توجہ القوم بی الیک لمکانی من نبیک وھٰذہ ایدینا الیک بالذنوب ونواصینا الیک بالتوبۃ فاسقنا الغیث قال فارخت السماء علی الجبال حتی رخبت الارض وعاش الناس.

اے اللہ بلاصرف گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے اور وہ صرف توبہ ہی سے دور ہوتی ہے اور لوگوں نے مجھے تیری طرف محض اسی لئے پیش کیا ہے کہ میرا تعلق تیرے نبی سے ہے، گناہوں میں ملوث یہ ہاتھ تیری جناب میں اٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ سے تیری بارگاہ میں جھکی ہوئی ہیں اے اللہ! تو ہمیں بارش عطا فرما۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر موسلا دھار بارش ہوئی۔ زمین سرسبز و شاداب ہوگئی اور لوگوں کو سکون میسر آیا۔

اور یہ بات قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ استغفار بارش کا سبب ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا . يُّرْسِلُ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا .
(سورہ نوح:۱۱-۱۰)

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔

شریعت میں دعا کے بجائے اگر ذات کو وسیلہ بنانا جائز ہوتا تو حضرت عباس کے پاس یا کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا تھی بلکہ گھر میں یا کہیں بھی بیٹھ کر ہر شخص اپنی دعا میں یہ کہتا کہ اے اللہ اپنے نبی کی ذات کے وسیلہ سے ہمیں بارش عطا فرما۔ اے اللہ حضرت عباسؓ کی ذات کے وسیلہ سے ہمیں بارش عطا فرما۔

لیکن یہ طریقہ کار سلف صالحین کا نہیں تھا بلکہ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ دعا کی درخواست کرنے والا ان کے پاس آتا پھر اپنی حالت بیان کرتا پھر ان سے درخواست کرتا کہ میرے حق میں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں پھر وہ شخص ان کے لئے اللہ سے دعا کرتا۔ ٹھیک یہی طریقہ ہماری عام زندگی میں بھی رائج ہے کہ ہمیں اگر کسی سفارش کی ضرورت ہوتی ہے تو کسی صاحب جاہ کا نام لیکر سفارش کی درخواست نہیں کرتے بلکہ خود اس صاحب جاہ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کے پاس میرے حق میں سفارش کردیں۔ پس جب وہ شخص صاحب حاجت کی درخواست کو قبول کرلیتا ہے تو ذمہ دار کے پاس جا کر اس صاحب حاجت کے حق میں سفارش کرتا ہے اور اس ذمہ دار سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس صاحب حاجت کی ضرورت پوری کردیں۔

ایک دوسری مثال سے بھی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام میں بہت سارے مسائل میں اختلاف ہوتا تھا۔ لیکن کبھی بھی کسی صحابی کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس جائیں اور اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کریں اور آپ سے یہ پوچھیں کہ اس مسئلہ میں صحیح اور حق کیا ہے۔ اور صحابہ کرام نے

ایسا اسلئے نہیں کیا کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وفات کے بعد آپ کی برزخی زندگی اس دنیاوی زندگی کے مخالف ہے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی برزخی زندگی سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

مامن احد یسلّم علی الا ردّ اللّٰہ علی روحی حتی اردّ علیہ السلام.

(ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

روح کے لوٹانے کی کیفیت، سلام کے جواب دینے کی کیفیت اور برزخی زندگی کی کیفیت، ان تمام چیزوں کا تعلق غیب سے ہے جنکی حقیقت اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ بس ہمارا فرض یہ ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے اس پر ایمان رکھیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برزخی زندگی میں سب سے بہتر، اعلیٰ اور افضل زندگی حضور اکرم ﷺ کی ہے لیکن اس برزخی زندگی کو دنیاوی زندگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور دونوں زندگیوں پر یکساں قسم کے قوانین اور احکام کا انطباق نہیں ہوسکتا۔ انسان دنیاوی زندگی میں کھاتا ہے پیتا ہے۔ سانس لیتا ہے، شادی کرتا ہے، چلتا پھرتا ہے، بیمار ہوتا ہے، بات کرتا ہے، حکم دیتا ہے، روکتا ہے، لیکن کسی کی موت کے بعد برزخی زندگی میں کوئی شخص ان امور کو ثابت نہیں کرسکتا نہ کسی کے لئے اور نہ حضور اکرم ﷺ کے لئے، اس لئے کہ ہر زندگی کی ایک خاص شکل ہوتی ہے اور اس کے خاص احکام ہوتے ہیں۔

اور اگر موت کے بعد وسیلہ درست ہوتا تو حضرت عمر حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ کو چھوڑ کر حضرت عباس کی دعا کا وسیلہ اختیار نہ کرتے بلکہ قرین قیاس بات ہے کہ خود حضرت عباسؓ حضرت عمر کی اس پیش کش کو قبول نہ فرماتے۔

پس یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ حضور کی زندگی میں حضور کا وسیلہ اور حضرت

عباس کی زندگی میں حضرت عباس کا وسیلہ ایک ہی قسم کا تھا اور وہ وسیلہ ان کی دعاؤں کا وسیلہ تھا اور دعا کا وسیلہ جائز ہے اور شریعت مطہرہ اور کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسری دلیل: اندھے کا واقعہ

امام احمد نے سند صحیح سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف کا بیان ہے کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ سے میری عافیت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم چاہو تو دعاء کروں لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔ اندھے نے کہا کہ دعا ہی فرما دیجئے تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ جاؤ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو۔

اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ . یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھٰذہ فتقضی لی اللھم فشفعہ فیّ وشفعنی فیہ .	اے اللہ! تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی رحمت حضرت محمد کے ذریعہ، اے محمد ﷺ متوجہ کرتا ہوں آپ کے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لئے کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما اور اے اللہ اس کے بارے میں میری دعا و شفاعت قبول فرما۔
(مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی، ترمذی)	

ابن حنیف کا بیان ہے کہ ابھی ہم وہیں بیٹھے بات ہی کر رہے تھے کہ اندھا ہمارے پاس اس حالت میں آیا کہ گویا کبھی وہ اندھا ہی نہ تھا۔

سوال: اس حدیث سے مخالفین دعا میں حضور اکرم ﷺ کی جاہ کو وسیلہ بنانے کی مشروعیت پر استدلال کرتے ہیں اور اسی طرح آپ کے علاوہ دوسرے صالحین کی جاہ کو وسیلہ بنانا اس

حدیث کی بنا پر جائز سمجھتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نابینا کو (ان حضرات کے بقول) اپنی ذات کا وسیلہ بنانے کی تلقین کی اور اس نابینا نے ویسا ہی کیا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اور جس چیز کا حضور اکرم ﷺ نے نابینا کو حکم دیا وہ چیز مشروع اور جائز ہوگی لیکن ان لوگوں کا یہ استدلال شرعاً درست نہیں ہے۔

جواب: یہ حدیث مخالفین کے لئے حضور اکرم ﷺ کی ذات کا وسیلہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں حجت اور دلیل نہیں ہے بلکہ یہ حدیث حضور اکرم ﷺ کی دعا کا وسیلہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں حجت اور دلیل ہے۔ اس لئے کہ نابینا نے حضور اکرم ﷺ کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا نہ کہ آپ کی ذات مبارکہ کا اور جس چیز کا ہم نے دعویٰ کیا ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل: نابینا حضور اکرم ﷺ کے پاس اس لئے آیا کہ آپ سے اپنے حق میں دعا کی درخواست کرے۔ اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ دعا فرمادیں کہ مجھے اللہ عافیت دے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے آپ کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا نہ کہ آپ کی ذات کا اور اس نے آپ کی دعا کا وسیلہ اس لئے اختیار کیا کیوں کہ اس کو معلوم تھا کہ دوسروں کے مقابلہ میں حضور اکرم ﷺ کی دعا کی مقبولیت کے امکانات زیادہ ہیں۔

دوسری دلیل: حضور اکرم ﷺ نے اس سے دعا کرنے کا وعدہ کیا آپ نے فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو میں دعا کروں، اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

تیسری دلیل: تیسری دلیل یہ ہے کہ نابینا نے حضور اکرم ﷺ سے دعا پر اصرار کیا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اس نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمادیجئے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے دعا کا وسیلہ اختیار کیا نہ کہ آپ کی ذات گرامی کا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے وعدہ کے مطابق اس کے لئے دعا فرمائی اور نابینا کو بھی حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور پھر اپنی ذات کے لئے دعا کرے اور اس بات کی بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے

حق میں اپنے نبی کی دعا قبول فرمائے۔

چوتھی دلیل: جو دعا حضور اکرم ﷺ نے نابینا کو سکھلائی اس میں یہ الفاظ تھے: **اللھم فشفعہ فیّ**: اور اس شفاعت کو توسل بالذات پر محمول کرنا صحیح ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ شفاعت کا معنی عربی زبان میں دعا ہے تو اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے اللہ اپنے نبی کی دعا کو میرے حق میں قبول فرما کہ اللہ میری بینائی لوٹا دے۔

لسان العرب میں ہے کہ شافع وہ ہے جو اپنے غیر سے چاہے اور شفاعت دعا کے مقابلہ میں خاص ہے اس لئے کہ شفاعت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ دو افراد ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کے شفیع اور سفارشی ہو بہ خلاف داعی (دعا کرنے والے) کے کہ وہ دوسروں کے لئے سفارش اور دعا نہیں کرتا۔ اور شفع عربی زبان میں جوڑے کو کہتے ہیں تو شفاعت کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کے لئے دعا کے ساتھ ساتھ اپنے حق میں دوسرے کی دعا کی قبولیت کے لئے دعا کرے۔

پانچویں دلیل: جو دعا حضور اکرم ﷺ نے نابینا کو سکھلائی اس میں یہ جملہ "**وشفعنی فیہ**" بھی ہے۔ ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ نابینا کے حق میں حضور کی دعا تو سمجھ میں آتی ہے لیکن حضور کے لئے نابینا کی دعا کی کیا توجیہ کریں گے۔ مخالفین کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے لیکن ہمارے پاس اس کا جواب ہے۔ اور اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ نابینا حضور اکرم ﷺ کی کسی ضرورت کے سلسلے میں دعا کر رہا تھا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ ان کی دعا کی قبولیت کے سلسلہ میں میری دعا قبول فرما، یعنی اے اللہ میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے میرے حق میں جو دعا کی ہے اس دعا کو قبول فرما۔ اور اگر حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ جملہ کہے تو اس کا کلام باطل ہوگا کیوں کہ نہ حضور اکرم ﷺ نے اس کے لئے دعا کی اور نہ اس نے اپنے حق میں دعا کے لئے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی۔

چھٹی دلیل: حضور اکرم ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نابینا کی بینائی لوٹا دی یہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے اور آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے اور اگر شفا کا تعلق حضور کی جاہ کے وسیلہ سے ہوتا جیسا کہ عام متاخرین سمجھتے ہیں تو دوسرے نابینا حضرات بھی اسکے ذریعہ شفایاب ہوتے جو حضور اکرم ﷺ کی جاہ بلکہ بعض دفعہ تمام انبیاء اور رسولوں کی جاہ اور تمام اولیاء، شہداء، صالحین بلکہ جن، انسان اور فرشتوں میں سے جو اللہ کے نزدیک صاحب جاہ ہیں ان کی جاہ کے وسیلہ سے دعا کرتے، لیکن آج تک سننے میں یہ بات نہیں آئی کہ اس پندرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی بھی نابینا کو بینائی کی دولت نصیب ہوئی ہو۔

ساتویں دلیل: حدیث ضریر (نابینا) کو حضور اکرم ﷺ کی ذات سے وسیلہ پر محمول کریں جیسا کہ مخالفین کی رائے ہے۔ تو اس جملہ **اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ . یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ** . اور اس جملہ میں **اللھم فشفعہ فیّ وشفعنی فیہ** . (جس میں دعا کا مفہوم واضح ہے) میں تطبیق ناممکن ہو جائے گی، جس سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں۔

ان تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حدیث ضریر (نابینا) میں وسیلہ سے مراد حضور اکرم ﷺ کی دعا کا وسیلہ ہے نہ کہ آپ کی ذات کا وسیلہ، اور اس دعا میں مضاف محذوف ہے جس طرح قرآن پاک کی اس آیت میں مضاف محذوف ہے:۔

فَاسْئَلُ الْقَرْیَۃَالَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا یعنی اہل القریۃ

وَالْعِیر الَّتِیْ اقْبَلْنَا. یعنی اصحاب العیر

تو مخالفین کے مطابق تقدیر عبارت یوں ہوگی۔

انی اتوجہ الیک بجاہ نبیک ویامحمدانی توجھت بذاتک الی ربی.

اور ہماری توجیہ کے مطابق تقدیر عبارت یوں ہوگی۔

انی اتوجه الیک بدعاء نبیک ویامحمدانی توجهت بدعائک الی ربی.

امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ اللہ کا وسیلہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے وسیلہ سے حاصل کیا جائے۔

یہ ساری توجیہات اس شکل میں ہیں کہ جبکہ حدیث کو ہم صحیح مانیں لیکن بعض علماء نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور کسی بھی اعتبار سے اس کو صحیح نہیں مانا ہے۔ تو اگر ہم حدیث کو موضوع کو تسلیم کرلیں تو ان سب توجیہات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تیسری دلیل: حضور اکرم ﷺ کی قبر سے آسمان تک جھروکہ کھولنے کا اثر

دارمی نے اپنی سنن (۴۳/۱) میں ابوجوزاء اور اوس بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگ شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ مسئلہ لے کر گئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ کھولدو تاکہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو، لوگوں نے ایسا ہی کیا تو اتنی بارش ہوئی کہ خوب سبزے اُگے اور اونٹ سبزے چر کر اتنے موٹے ہوگئے کہ چربی بہنے لگی۔

سوال: مخالفین اس حدیث سے حضور اکرم ﷺ کی ذات سے وسیلہ اختیار کرنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اس حال میں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں ہیں۔

جواب: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الرّد علی البکری صفحہ ۶۷-۶۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی اسناد صحیح ہے اور اس حدیث کے جھوٹی اور غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مدت حیات تک آپ کے حجرہ میں روشن دان جھروکہ نہیں تھا بلکہ وہ حجرہ جیسا حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھا اسی حال پر باقی تھا۔ حجرہ کے بعض حصہ پر چھت تھی اور بعض حصہ کھلا ہوا تھا اور اس کھلے ہوئے حصے میں سورج کی روشنی پڑتی تھی جیسا کہ

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی سند سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے اور سورج کی روشنی حجرہ میں رہتی تھی اور سایہ ظاہر نہیں ہوتا تھا اور وہ حجرہ اسی حال میں رہا یہاں تک کہ ولید بن عبدالملک نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جب مسجد کی توسیع کی تو حجرہ کو مسجد نبوی میں داخل کر دیا اور حضرت عائشہ کے کمرہ کے چاروں طرف جس میں حضور اکرم ﷺ کی قبر طہر ہے قبر سے متصل اونچی دیوار کھڑی کر دی۔ اور اس کے بعد روشن دان بنا دیا گیا تا کہ صفائی وغیرہ کے لئے اگر کوئی اس کے اندر اترنا چاہے تو اسی روشن دان سے اترے۔ لیکن یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں روشن دان بنایا گیا تو یہ سفید جھوٹ ہے۔

اللہ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنے ایمان، عمل صالح اور حضور اکرم ﷺ کی محبت اور اطاعت کو وسیلہ بنائیں لیکن اگر کوئی آپ کی ذات کو وسیلہ بنانا چاہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ آپ جب حیات تھے اس وقت بھی کسی شئی میں آپ کی ذاتی تاثیر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ تو جب زندگی میں تاثیر ظاہر نہیں ہوئی تو موت کے بعد تاثیر ذاتی کس طرح ظاہر ہو سکتی ہے۔ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کی ذاتی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت سے ان معجزات کو انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ پس معجزہ حقیقتاً اللہ کا فعل ہے نہ کہ رسول کا۔ انبیاء کرام اپنی اصلیت اور ساخت کے لحاظ سے بشر اور اللہ کے بندے ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص کرم یہ ہے کہ ان کو نبوت اور رسالت کے مقام بلند پر فائز کیا ہے اور ہر نبی نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم وانما انا عبد فقولوا عبداللہ ورسولہ۔ (بخاری۔مسند احمد)	میری مبالغہ آمیز تعریف نہ کیا کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا بے شک میں ایک بندہ ہوں۔ لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔

دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول، اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سے سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے:

یاایھا الناس قولوا بقولکم ولا یستھوینکم الشیطان انا محمد عبداللہ ورسولہ ما احب ان ترفعونی فوق منزلتی التی انزلنی اللہ عزوجل۔ (احمد،نسائی)	اے لوگو! میرے متعلق اس طرح کی باتیں کہہ سکتے ہو لیکن دیکھو شیطان تمہیں نہ بہکادے۔ میں محمد ہوں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اپنی قدر ومنزلت سے آگے بڑھادو جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ (مؤطا امام مالک)	اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا کہ اس کی پرستش کی جائے۔ اس قوم پر اللہ کا غضب سخت ہوا جس نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ''اللہ نے چاہا اور محمدؐ نے چاہا'' کہنے سے منع فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے، آپؐ نے فرمایا:

لاتقولوا ماشاء الله وشاء محمد ولكن قولوا ماشاء الله ثم شاء محمد.	یہ نہ کہو کہ جو اللہ نے چاہا اور جو محمدؐ نے چاہا بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ نے چاہا اور پھر محمدؐ نے چاہا۔

(ابوداؤد، احمد، نسائی، ابن السنی)

چوتھی دلیل: مسلمان فقراء اور محتاج کے وسیلہ سے فتح اور کامیابی کی طلب کا جس حدیث میں ذکر ہے اس سے استدلال۔

امیہؓ بن عبداللہ بن خالد بن اسید سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمان مہاجر محتاج وفقیر کے وسیلہ سے فتح وکامرانی کی دعا کرتے تھے۔

اور دوسری روایت اس طرح ہے: امیہ ابن خالد کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ مسلمان فقراء اور محتاجوں کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگتے تھے۔

سوال: اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ محتاج وپریشان حال مہاجرین کے وسیلہ سے اللہ کی ذات سے فتح کی دعا کرتے تھے جب ایسا ہے تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی کی ذات اور اس کے جاہ کو وسیلہ بنا سکتے ہیں۔

جواب: (۱) تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

(۲) اگر ہم حدیث کو تھوڑی دیر کے لئے قابل استدلال فرض بھی کرلیں جب بھی اس حدیث سے مخالفین کے دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی کیوں کہ اس حدیث کا مفہوم وہ نہیں ہے جو مخالفین لیتے ہیں۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مناوی فیض القدیر میں فرماتے ہیں کہ: کان یستفتح کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ قرآن پاک کی اس آیت کی قرأت وتلاوت سے جنگ کی ابتداء کرتے تھے وہ آیت یہ ہے: ان تستفتحوا فقد جاء کم

الفتح (اگر تم فتح چاہتے ہو تو فتح آچکی) ویستنصر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ مسلمان فقراء کی دعا کے ذریعہ اللہ سے مدد طلب فرماتے تھے۔

اور علامہ مناوی نے حدیث کی یہ توجیہ اس حدیث کی روشنی میں کی ہے جس کا متن یہ ہے:

انما ینصرُ اللہُ ھذہ الامۃ بضعیفھا بدعوتھم وصلاتھم واخلاصھم.	یقیناً اللہ اس امت کی مدد اس کے کمزور لوگوں کی دعا ان کی نماز اور ان کے اخلاص کے ذریعہ کرتا ہے۔ (نسائی)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کی اصل بخاری شریف میں موجود ہے اور اس حدیث کی روایت نسائی نے کی ہے۔

اس طرح حدیث سے صالحین کی دعا کے وسیلہ کا جواز ثابت ہوا نہ کہ صالحین کی ذات اور ان کی جاہ کے وسیلہ کا جواز، پس اس حدیث سے مخالفین کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے نہ کہ تائید، یہ ان کے حق میں حجت اور دلیل نہیں بلکہ ان کے خلاف حجت ہے۔

پانچویں دلیل: حدیث "حق السائلین علی اللہ وحق ممشی المصلین الی اللہ" سے استدلال۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے نماز کے لئے نکلا اور یہ دعا پڑھی:

اللھم انی اسالک بحق السائلین علیک وبحق ممشایَ فانی لم اخرج اشراً ولا بطراً اقبل اللہ علیہ بوجھہ. (۱) (احمد۔ابن ماجہ)	اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ پر سائلین کے حق سے اور میرے اس چلنے کے حق سے کیوں کہ میں گھر سے نہ تکبر سے نکلا اور نہ اتراتے ہوئے۔ تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حاشیہ: (۱) یہ حدیث ضعیف ہے، اہل علم نے اس پر سخت کلام کیا ہے اور اس کے ضعیف

(۲) حضرت بلال سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس نماز کے لئے نکلتے تھے تو یہ دعا پڑھتے:

بسم اللہ آمنت باللہ توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔ اللھم بحق السائلین علیک وبحق مخرجی ھذا، فان لم اخرج اشراً ولا بطراً ۔ (۱) (اخرجہ ابن السنی)	اللہ کے نام سے، اللہ پر ایمان لایا، اللہ پر توکل کیا، نہیں ہے طاقت اور قوت مگر اللہ کو۔ اے اللہ تجھ پر سائلین کے حق سے اور اپنے اس نکلنے کے حق سے (دعا کرتا ہوں) اس لئے کہ میں نہ تکبر سے نکلا اور نہ اتراتے ہوئے۔

ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کی سند میں عطیہ بن سعید العوفی ہے جس کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ وہ ضعیف ہیں، امام ابوحاتم کا بیان ہے کہ عطیہ ضعیف حدیثیں لکھا کرتا تھا۔ سالم المرادی کا بیان ہے کہ وہ شیعہ ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وہ ضعیف الحدیث ہے اور عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس سے تفسیر پڑھتا تھا اور اپنی کنیت ابوسعید رکھا ہوا تھا کہ یہ مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن حجر کا بیان ہے کہ وہ صدوق ہیں لیکن کثرت سے غلطی کرتے ہیں۔ نیز شیعہ ہیں۔ تدلیس بھی کرتے ہیں۔ تیسرے طبقے میں سے ہیں ۱۱۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ ہے اس حدیث کی حقیقت، اس لئے عقیدہ کے مسئلہ میں اس حدیث کو حجت بنانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (از مترجم)

حاشیہ: (۱) اس حدیث کو ابوبکر السنی نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلہ" میں نقل کیا ہے۔ امام نووی نے الاذکار میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کے ایک راوی وازع بن نافع کے ضعیف اور منکر الحدیث ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الأذکار کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دارقطنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن معین اور نسائی نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ متروک ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ موضوع (گھڑی ہوئی) حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی سب حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ یہ ضعیف اور متروک ہے۔ (از مترجم)

حق یہ ہے کہ اللہ اس کی دعا کو قبول کرے اور عابدین کا حق یہ ہے کہ اس کو اجر عطا فرمائے اور یہ ایسا حق ہے جس کا ذکر اور وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (سورہ روم:۴۷) — ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَعْدَاللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا. (سورہ نساء:۱۲۲) — یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟

تیسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ. (سورہ انعام:۵۴) — تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ سائلین کی دعا اور بندوں کی دعا کو قبول کرنا اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اسی طرح مسلمان کے مسجد تک جانے کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ اس کی خطائیں بخش دے اور اس کو جنت میں داخل کردے اور اپنی رحمت وکرم سے اس کو ڈھانپ لے۔ اور اس کا تعلق بھی اللہ کی صفت سے ہے اس لئے کہ اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور ہے، اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ رحیم ہے، اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفار ہے، اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ رحمٰن ہے۔

اس وضاحت اور توجیہہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ دونوں حدیثیں ہمارے حق میں دلیل ہیں نہ کہ مخالفین کے حق میں، اللہ تعالیٰ ہمیں فہم صحیح عطا فرمائے کیوں کہ فہم صحیح بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ یہ تمام توجیہ اس صورت میں ہے جب ہم حدیث کو صحیح تسلیم کریں۔

چھٹی دلیل: حدیث لما اقترف آدم الخطیئة سے استدلال۔

حاکم نے مستدرک میں ابوالحارث عبداللہ بن مسلم الفہری کی سند سے بیان کیا ہے اور حضرت عمرؓ کی سند سے روایت کی گئی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لما اقترف آدم الخطیئة قال یا ربّ اسالک بحق محمد لما غفرت لی فقال یا آدم کیف عرفت محمداً ولم اخلقه ؟ قال : یارب لما خلقتنی بیدک ونفخت فیّ من روحک رفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا الٰه الااللّٰه محمد رسول اللّٰه فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک ، فقال غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک .

رواہ الحاکم فی المستدرک)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا میرے رب میں حضرت محمد ﷺ کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخشدے اللہ نے فرمایا، اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچان لیا، ابھی تو میں نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا۔ آدمؑ نے کہا اے رب تو نے جب مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جس سے میں نے جان لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا اضافہ کرسکتا ہے جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو، اللہ نے فرمایا، آدم تم نے سچ کہا، محمد میری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، جب تم نے ان کے حق کے واسطہ سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو معاف کیا۔ اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو

پیدا نہ کرتا۔ (حاکم نے مستدرک میں
روایت کی ہے)(۱)

درج حدیث موضوع اور باطل ہے اس لئے کہ یہ حدیث اپنے متن کے اعتبار سے دومقامات پر قرآن کے سراسر خلاف ہے۔

پہلا مقام: اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے حق کے واسطہ سے حضرت آدم کی مغفرت فرمائی اور قرآن پاک میں ہے کہ مغفرت کا سبب وہ کلمات تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھلائے تھے۔

حاشیہ: (۱) اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ خود حاکم نے اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس پر اظہار تعجب کیا ہے کہ حاکم نے اس روایت کو کیسے نقل کر دیا جبکہ خود انہوں نے اپنی کتاب المدخل الی معرفۃ الصحیح من السقیم میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے موضوع احادیث کی روایت کرتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بالاتفاق ضعیف ہیں۔ کثرت سے غلطیاں کرتے ہیں۔ ان کو امام احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابوحاتم، نسائی اور دارقطنی وغیرہ سب نے ضعیف کہا ہے اور ابوحاتم بن حبان کا قول ہے کہ عبدالرحمٰن بے خبری میں احادیث کو الٹ پھیر کر کے بیان کرتے ہیں۔ ان کی روایات میں ایسا بہت ہے کہ انہوں نے مرسل کو مرفوع بنا دیا اور موقوف کو سند قرار دیدیا۔ لہٰذا ان کی مرویات کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ نیز حاکم جب تنہا کسی حدیث کو صحیح کہیں تو اس کی کوئی قیمت نہیں جب تک کہ امام ذہبی اس کی تائید و توثیق نہ کر دیں کیوں کہ مستدرک حاکم کی صحت، ضعیف پر امام ذہبی نے سخت اعتراض کئے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس حدیث کے متن مفہوم اور سند میں سے کوئی بھی اس لائق نہیں ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ (از مترجم)

قرآن پاک میں ہے:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (سورہ بقرہ:۳۷)

(حضرت) آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یعنی اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے لئے کلمات سکھلائے۔ اور وہ کلمات کیا تھے اس کی بھی صراحت قرآن پاک میں موجود ہے۔ کلمات یہ تھے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (سورہ اعراف:۲۳)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

چنانچہ مجاہد، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قرظی، خالد معدان اور عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حضرت آدم علیہ السلام نے درج بالا کلمات سیکھے۔

اور سفیان ثوری نے عبدالعزیز بن رفیع، مجاہد، عبید بن عمیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا میرے رب میں نے جو خطا کی کیا تو نے اسے میری پیدائش سے قبل نہیں لکھ دی تھی یا یہ کہ یہ کوئی نئی چیز ہے جسے میں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں، اسے میں نے تمہاری پیدائش سے پہلی ہی تم پر لکھوا دیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا جس طرح تو نے مجھ پر لکھا اسی طرح اسے معاف بھی کر دے تب انہیں درج بالا قرآنی دعا سکھلائی گئی اور ترجمان القرآن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت

ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا اے رب کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ کہا گیا بے شک اور کیا تو نے میرے اندر روح نہیں پھونکی؟ کہا گیا بے شک۔ اے رب کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا، کہا گیا بے شک۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ کیا تیری رحمت کو تیرے غضب پر سبقت حاصل نہیں ہے؟ کہا گیا بے شک۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ اگر میں توبہ کرلوں اور اپنی اصلاح کرلوں تو کیا آپ مجھے دوبارہ جنت میں لوٹا دیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو دعا کے کلمات سکھائے جو اوپر درج کئے گئے یعنی **ربَّنا ظَلَمْنَا ... الخ** (حاکم نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے)

درج بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت آدمؑ کی مغفرت حضور اکرم ﷺ کے حق کے وسیلہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کلمات کی وجہ سے ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھلائے تھے اور وہ کلمات قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ اس لئے حدیثِ توسل بالرسول چونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ حدیث باطل ہوگئی۔

دوسرا مقام: اس حدیث کے اخیر میں یہ جملہ ہے "**ولولا محمد ماخلقتک**" اگر محمدؐ نہ ہوتے تو تم کو پیدا نہ کرتا۔

حدیث کا یہ جملہ بھی قرآن پاک کی آیات کے خلاف ہے کیوں کہ قرآن پاک میں انسانوں اور جنوں کی پیدائش کا سبب حضور اکرم ﷺ کے وجود کو نہیں بتایا گیا ہے۔ بلکہ انس وجن کی پیدائش کے سبب کو بیان کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. (الذاریات:۵۶) میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

پس انس وجن کی پیدائش کی اس حکمت کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ غیر مقبول ہوگی اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو اسی حکمت کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا

ہےاور وہ حکمت یہ ہے کہ ایک خدا کی عبادت کی جائے اوراس کا کسی کوشریک نہ ٹھہرایا جائے۔
ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْن.	تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔
(سورہ انبیاء:۲۵)	

اوراللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ تمام انبیاء کرام کا مشن بھی ایک ہےاور وہ ہے پیغامِ الٰہی کو بے کم وکاست پہونچادینا۔ارشادِالٰہی ہے:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ. (سورہ نحل:۳۵)	تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا پیغام کا پہنچادینا ہے۔

اورحضوراکرم ﷺ جواشرف الانبیاء والمرسلین ہیں انکے بارے میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ.	بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جوانہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہےاورانہیں پاک کرتا ہےاورانہیں کتاب اورحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔
(سورہ آل عمران:۱۶۴)	

یعنی حضوراکرم ﷺ بھی دوسرے انبیاء کرام کی طرح اسی حکمت خاص کی خاطر مبعوث کئے گئے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ کیاجائے،جیسا کہ ارشادِالٰہی ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ، اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ، وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً ، وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ.
(سورہ آل عمران:۱۴۴)

(حضرت) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں ، کیا ان کا انتقال ہوجائے یا شہید ہوجائیں ،تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا ،عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔

اور دوسرے انسانوں کی طرح حضور اکرم ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اسی حکمت کا اتباع کریں جس کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں یعنی صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِاللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ.
(سورہ زمر:۲)

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حدیث کا دوسرا حصہ بھی قرآن کے خلاف ہے اور وہ اس لئے کہ قرآن اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ انکی اولاد اور حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور حضرت آدمؑ اور انکی اولاد کو حضور اکرم ﷺ کی خاطر پیدا نہیں فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور فخر کے لئے یہ کافی ہے کہ آپ اللہ کے بندے، اولاد آدم کے سردار اور نبیوں کے سردار ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً.
(سورہ احزاب:۴۰)

(لوگو!) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (ﷺ) نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو (بخوبی) جاننے والا ہے۔

مخالفین کا حضور اکرم ﷺ کے سلسلہ میں یہ بھی عقیدہ ہے کہ:

لولاک ما خلقت الافلاک اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح موضوع (گھڑی ہوئی) اور باطل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور تمام انسانوں کو صرف اپنی عبادت کی خاطر پیدا فرمایا ہے اور اس حقیقت کو واضح طور پر قرآن پاک میں بیان کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ.
(سورہ حج:۱۸)

کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی۔ ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے، جسے رب ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد رحمانی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَاِنْ مِّنْ شَيْئٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْماً غَفُوْراً.
(سورہ اسراء:۴۴)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔

اور مخلوقات کے لئے سب سے اچھا لقب ''عبد'' ہے اور مخلوقات کی سب سے بڑی آرزو ''اللہ کی خوشنودی'' ہے اور بہت ساری مخلوقات کی عبادت کے طریقہ سے ہم ناواقف ہیں لیکن قرآن پاک میں چونکہ اس کا ذکر ہے اس لئے ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسے بے چوں و چرا تسلیم کرلیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا. وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْداً.
(سورہ مریم:۹۵-۹۳)

آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔ ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔

ان تمام آیتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی ذات کے لئے اور اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اپنی نعمت خاص کے فیضان کے طور پر مخلوقات کو بنی آدم کے لئے مسخر فرما دیا ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ جیسا کہ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً مِّنْهُ ،اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ.

(سورہ جاثیہ:۱۳)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو تابع بنادیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر بجالاؤ۔ اور آسمان وزمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہیں تابع کر دیا ہے۔ جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔

اور جیسا کہ دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ. وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ. وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا .

(سورہ ابراہیم:۳۴-۳۲)

اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں۔ اسی نے تمہارے لئے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے۔ اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور اکرم ﷺ کی

خاطر اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، باطل ہوگا اور یہ عقیدہ قرآنی تصریحات کے خلاف ہوگا۔

اے اللہ ہم تیرے رسول کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی توقیر ہمارے رگ وریشے میں موجود ہے لیکن ہم رسول کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ ہاں ان کو محبوب رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (سورہ آل عمران:۳۱)	کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

ساتویں دلیل: حدیث: اذا سألتم الله فاسألوه بجاهی

بعض جاہلوں نے حضور اکرم ﷺ کی طرف اس حدیث کی نسبت کردی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

اذا سألتم الله فاسألوه بجاهی فان جاهی عندالله عظیم. (التوسل والوسیلة: ۴۴)	جب تم اللہ سے سوال کرو تو میری جاہ کے وسیلہ سے سوال کرو کیوں کہ اللہ کے نزدیک میری جاہ بڑی ہے۔

یہ حدیث سراسر جھوٹی اور موضوع ہے اور حدیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں جس پر محدثین اعتماد کرتے ہوں، موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کی جاہ تمام انبیاء کرام اور رسولوں کی جاہ سے زیادہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی جاہ پر ہر مومن کا اعتقاد وایمان ہے اور ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کا اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی جاہ اور ان کا مرتبہ اللہ کے نزدیک آسمان وزمین کی تمام مخلوقات سے برتر واشرف ہے۔ آپ کی جاہ ومرتبہ کا کوئی مخلوق مقابلہ نہیں کرسکتا اور یہ جاہ عظیم اللہ نے آپ کو آپ کے اعمال صالحہ، دعوت الی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، بے مثال بندگی اور صبر واستقامت کے صلہ میں عطا فرمایا ہے، اور یہ

سب حضور اکرم ﷺ پر اللہ کا فضل وکرم ہے۔

قرآن پاک میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے اللہ کے نزدیک صاحب جاہ ہونے کا تذکرہ ملتا ہے ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَاللّٰهِ وَجِيْهًا.
(سورہ احزاب:٦٩)

اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ نے انہیں اس سے بری فرمادیا، اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ .
(سورہ آل عمران:٤٥)

اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقربین میں سے ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ہمارے اور اہل کتاب کے نزدیک یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اللہ کی جناب میں صاحب وجاہت ہیں۔ لیکن اس وجاہت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان دونوں انبیاء کرام کا وسیلہ اختیار کریں اور ان دونوں حضرات کو پکاریں یا ان دونوں حضرات سے سوال کریں۔ چاہے یہ امور مستقل بالذات سمجھ کر انجام دیں یا اللہ کے ساتھ شریک گردان کر۔ اسلئے کہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس کی صراحت نہیں ملتی کہ ان دونوں انبیاء کرام کی وجاہت کا استعمال ہم وسیلہ کے طور پر یا سوال کے طور پر یا دعا کے طور پر کریں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے القاعدۃ الجلیلہ ص ۱۵۰-۱۲۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی جاہ اللہ کے نزدیک تمام انبیاء اور رسولوں کی جاہ سے بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ مخلوق کی جاہ اللہ کے نزدیک مخلوق کی مخلوق کے نزدیک جاہ کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ کوئی بھی مخلوق اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کرسکتی اور اس کے برعکس مخلوق مخلوق کی اجازت کے بغیر شفاعت کرتی ہے۔ پس وہ مطلوب کے حصول میں شریک ہے اور اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ. وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ.

(سورہ سبا: ۲۳-۲۲)

کہہ دیجئے! کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے (سب) کو پکارلو، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے۔ نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ شفاعت (سفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لئے اجازت ہوجائے۔

پس اللہ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کا صاحب جاہ کی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ہم آپ کی جاہ کو وسیلہ بنائیں۔ مثال کے طور پر رکوع اور سجود بظاہر تعظیم میں سے ہیں اور لوگ اپنے بادشاہ اور سردار کی تعظیم کے اظہار کے لئے ان کو رکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تمام مسلمانوں کے نزدیک قابل صد احترام ہے بلکہ آپ سے زیادہ قابل احترام شخصیت مسلمان کے نزدیک کوئی شخصیت نہیں تو کیا رکوع اور سجدہ جو بظاہر تعظیم میں سے ہیں ہم

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے لئے روا رکھیں گے آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی۔؟ اگر کسی کے نزدیک یہ جائز ہے اور حضور اکرم ﷺ نے غیر اللہ کو رکوع اور سجدہ کرنے سے روکا ہے تو اس سے غیر اللہ کے لئے رکوع اور سجدہ کی عدم مشروعیت ثابت ہوگئی اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ عبادات اللہ کے لئے خاص ہیں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (سورہ حج:۷۷)	اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تو کیا ہم پر کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ چونکہ ہم حضور اکرم ﷺ کو رکوع اور سجدہ کرنے کے منکر ہیں تو ہم آپ کی جاہ عنداللہ کے بھی منکر ہیں۔ نہیں، ایسا نہیں ہے اور کوئی شخص یہ اعتراض کر بھی نہیں سکتا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے لئے اگر جاہ ثابت ہے اور یقیناً ثابت ہے تو کیا آپ کی جاہ اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ کو سجدہ اور رکوع کرنا بھی جائز ہو اس کا بھی جواب یہی ہوگا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ تو ان مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کی جاہ عنداللہ و تعظیم عندالمسلمین اور توسل بجاہ النبی میں کوئی تلازم نہیں ہے اس لئے کہ توسل بجاہ النبی قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ اللہ کے تقرب کے جتنے طریقے بھی ہو سکتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے بتلا دیئے ہیں اگر توسل بالجاہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہوتا تو حضور اکرم ﷺ اس کی طرف رہنمائی ضرور فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ماترکت شیئاً یقربکم الی اللہ الا امرتکم بہ. (رواہ الشافعی والطبرانی)	جو چیز بھی تمہارے لئے تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو سکتی ہے اس کا میں نے تم کو حکم دیدیا ہے۔

پس جب نبی کریم ﷺ نے توسل بالجاہ کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں بتایا تو ہمارے لئے مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ ہم بھی حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہ بنائیں، اور اس چیز کو دین میں داخل کرنے کی کوشش نہ کریں، جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ سے سچی محبت اتباع میں ہے نہ کہ ابتداع میں۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.
(سورہ آل عمران:۳۱)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تطرونی کما أطرت النصاریٰ عیسی بن مریم فانما أنا عبد فقولوا عبدالله ورسوله.
(بخاری ومسلم)

میری حد سے زیادہ تعریف نہ کیا کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کہا۔ بے شک میں ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔

اطراء کہتے ہیں کسی کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور اس میں جھوٹ ملانے کو، رسول اللہ ﷺ کے حق میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی قدر ومنزلت کی تعیین میں حد سے زیادہ تجاوز کیا جائے اس طور پر کہ آپ کو عبدیت ورسالت کے رتبہ سے آگے بڑھا دیا جائے اور کچھ الٰہی خصوصیات وصفات آپ کی طرف منسوب کر دیئے جائیں مثلاً آپ کو پکارا جائے۔ آپ کو مدد کے لئے کہا جائے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ باطل اوصاف سے میری تعریف میں غلو نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں کیا ہے کہ ان کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا۔ میری ویسی ہی تعریف کرو جیسا میرا تعارف میرے رب نے کرایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس لئے مجھے

اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔

اور میں تم کو دین میں غلو سے دور رہنے کی تاکید کرتا ہوں اور خواہشات اور جاہلوں کے پیچھے چلنے سے روکتا ہوں۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں ارشادِ ربّانی ہے:

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَاتَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْراً وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ. (سورہ مائدہ: ۷۷)

کہہ دیجئے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں۔ اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

چھٹا باب

انبیاء کرام کی شریعت اور انکی رسالت کے مراحل اور نفع ونقصان اور علم غیب

پہلی فصل: انبیاء کرام کی شریعت اور انکی رسالت کے مراحل۔

دوسری فصل: نفع ونقصان اور علم غیب۔

تیسری فصل: نفع ونقصان اور ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے رسولوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

پہلی مثال: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کا لڑکا۔

دوسری مثال: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد۔

تیسری مثال: حضور اکرم ﷺ اور آپ کے چچا۔

ان تینوں فصلوں کی تشریح سوال وجواب کی صورت میں آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی فصل

انبیاء کرام کی بشریت اور انکی رسالت کے مراحل

سوال : انبیاء کرام اور ان کی رسالت کے مراحل کی تشریح کیجئے؟

جواب: پہلا مرحلہ

رسالت کے پہلے مرحلہ میں قوم کی اکثریت رسول اور ان کی رسالت کا انکار کرتی ہے اسلئے کہ انبیاء کرام ان ہی کی طرح بشر ہوتے ہیں۔

انسانوں کی اکثریت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اس کائنات کو وجود میں لانے والی کوئی نہ کوئی ذات ضرور ہے اور وہ ذات رب اس پوری کائنات کی تدبیر کرتی ہے اور وہ ذات ہر چیز پر قادر ہوتی ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کفار کے شرک کا سبب انکے وسیلہ، تقرب اور سفارش کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا تھا لیکن اکثر کفار، مشرکین اور غیر مشرکین انبیاء کرام کی رسالت ونبوت کا انکار کرتے ہیں چاہے انکا اللہ کے وجود پر یقین ہو یا اس کے منکر ہوں۔ اور اس کی بنیادی وجہ ان کے نزدیک یہ تھی کہ ان ہی جیسے انسان پر وحی الٰہی کا نزول ناممکن ہے اور انبیاء کرام کی بشریت ان کے نزدیک ان میں کسی ایسے وصف کے تسلیم کرنے سے مانع تھی جو وصف انبیاء کرام کو کائنات کے دوسرے ان ہی جیسے انسان سے ممتاز کرے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا. (سورہ اسراء:۹۴)

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔

قوم نوح نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کا اسی لئے انکار کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ہی جیسے انسان تھے۔ قرآن پاک میں اس کو بیان کرتے ہوئے کہا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً.

(سورہ مومنون:۲۴)

یہ تم جیسا ہی انسان ہے جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ. وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ.

(سورہ مومنون:۳۴-۳۳)

یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا ہی پانی یہ بھی پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو۔

تیسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ. (سورہ یٰسین:۱۵)

ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری ہی طرح معمولی آدمی ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔

اسی طرح چونکہ حضور اکرم ﷺ پر بھی فرشتے وحی لے کر نازل ہوتے تھے اس لئے کفار اور مشرکین یہ گمان کرنے لگے کہ چونکہ وہ بشریت میں حضور اکرم ﷺ کے برابر ہیں اس لئے ان میں بھی فرشتوں کو دیکھنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہونی چاہئے۔ اس لئے وہ اپنے جیسے انسان پر نزول وحی پر تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ کا پاک ارشاد ہے:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ. (سورہ یونس:۲)

کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے۔

اور یہ کہ کوئی نیا اعتراض نہیں تھا بلکہ قوم نوح نے بھی یہی بات کہی تھی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ. (سورہ اعراف:۶۹)

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت، جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے۔

اور یہی دلیل قوم ھود کی بھی تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (سورہ اعراف:۶۳)

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت، جو تمہاری جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تا کہ تم ڈر جاؤ۔ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ انبیاء کرام انسان ہوتے ہیں اور مرد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ان کو وحی کے نزول کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ.
(سورہ نحل:۴۳)

آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

اور اسی طرح تمام انبیاء کرام نے ہر دور میں اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم بھی تمہاری طرح انسان ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ .
(سورہ ابراہیم:۱۱)

ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

انسان ہونے کی بنیاد پر انبیاء کرام اور رسولوں کی نبوت اور رسالت کا انکار بے دلیل بات ہے اس لئے کہ اس سے گویا انسان اللہ کو پابند کرنا چاہتا ہے کہ وہ ہم جیسے انسان کو منصب نبوت اور رسالت پر سرفراز نہ کرے۔ حالانکہ بندہ اپنے خالق و مالک کو اس کا پابند نہیں کرسکتا کیوں کہ اللہ کی صفت یہ ہے کہ:

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. (سورہ بروج:۱۶)

جو چاہے اسے کرگزرنے والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَایُرِیْدُ.
(سورہ حج:۱۴)

اللہ جو ارادہ کرے اسے کرکے رہتا ہے۔

اور اللہ جس کو چاہتا ہے اور رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔:

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (سورہ بقرہ:۱۰۵)

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے خصوصیت عطا فرمائے۔

شک وشبہ کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہے کفار ومشرکین اللہ کی قدرت تامہ اور مشیت عامہ پر مکمل ایمان رکھنے کے باوجود اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ اللہ ہم جیسے انسانوں کو نبی کیسے بنا سکتا ہے؟ اسی لئے وہ کہتے تھے کہ نبی ورسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ فرشتہ ہو یا ہر وقت فرشتہ اس کے ساتھ رہتا ہو اور اس کی تائید وتوثیق کرتا رہے۔ ان کے اس قول کو قرآن پاک نے نقل کیا ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا. (سورہ فرقان:۷)

اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔

اور ان کی اس الٹی منطق کا جواب قرآن پاک نے یوں دیا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ، وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ. وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ. (سورہ انعام:۹-۸)

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ نہیں اتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں۔

اس طرح اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فرشتوں کو نبی اور رسول بنا کر نہ بھیجنے کی علت یہ تھی کہ عام انسانوں میں ان کو دیکھنے اور ان سے اخذ کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ صرف خاص لوگوں میں ہی استعداد پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ فرشتوں کو دیکھ سکیں اور ان سے علم الٰہی اخذ کر سکیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم فرشتوں کو نبی اور رسول بنا کر بھیجتے تو ان کو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ پھر وہی شبہ پیدا ہو جاتا جو پہلے تھا اور وہ یہ کہ یہ تو فرشتہ نہیں ہے بلکہ بشر ہے۔ اسلئے کہ انسان عام حالات میں جن اور فرشتوں کو ان کی اصل صورت میں نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّـهٗ يَـرٰكُـمْ هُـوَ وَقَبِيْلُـهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ . (سورہ اعراف:۲۷)

وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔

دوسرا مرحلہ

رسول کی دعوت اور اس کے فرائض منصبی کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد ان پر اور ان کی رسالت پر ایمان اور ان کی اقتداء کا مرحلہ۔

لوگوں کو نبی کی دعوت کے سمجھنے اور قبول کرنے میں اس لئے دشواری پیش آتی ہے کہ وہ وحی، فرشتے، اور آسمان سے کتاب کے نزول کے مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اسلئے کہ یہ ایسی بات ہے جس کا راست تعلق صرف انبیاء کرام ہی سے ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی کو سمجھانے کے لئے فرشتہ اس پر وحی لے کر آجائے پھر جب ایسی بات ہے تو لوگوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ بے چوں و چرا اس کو تسلیم کر لیں۔ لیکن یہ ایسی بات کی دعوت تھی۔ جو ان میں بعض لوگوں کے علم اور ان کی خواہش کے موافق نہیں تھی۔ لیکن چونکہ انبیاء کرام کی دعوت فطرت کے مطابق ہوتی ہے اور منطق و برہان اس کی اساس ہوتی ہے۔ اس لئے انبیاء کرام خود اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لاتے ہیں اور لوگ انبیاء کرام پر

ایمان لاتے ہیں۔اس لئے ایک خدائے قادرومدبر کا تصور جس کی انبیاء کرام دعوت دیتے ہیں۔اس غوروفکر کی انتہا ہے جس تک اس ظاہری وجود میں انسان پہنچ سکتا ہے اس لئے دنیا میں جتنے بھی اسباب ہیں انکی انتہاء سبب واحد پر ہوتی ہے اور سبب واحد انسانی عقول وقلوب کو تعدد الٰہ کے تصور سے تصور توحید کی طرف اور شرکیہ عبادت (تقرب، وسیلہ، شفاعت) سے خدائے واحد کی خالص عبادت کی طرف موڑتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اسی مقصد کی وضاحت کرنے کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔تاکہ انبیاء کرام کے بھیجے جانے کے بعد لوگ اللہ پر کوئی حجت قائم نہ کرسکیں۔ارشادِ خداوندی ہے۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. (سورہ نساء:۱۶۵)

ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کی حقیقت کے مقصد کو بیان فرمادیا ہے کہ ان کی بعثت کا مقصد تبلیغ وتعلیم ہے، جس کے ذیل میں تبشیر (خوشخبری دینا) اور انذار (ڈرانا) ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (سورہ انعام:۴۸)

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کرلے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

انبیاء کرام کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچادیں۔جہاں

تک ہدایت کا معاملہ ہے وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے انبیائے کرام کے ہاتھ میں ہدایت نہیں جیسا کہ ان امور کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ.

(سورہ مائدہ:٦٧)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ.

(سورہ مائدہ:٩٩)

رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ. (سورہ بقرہ:٢٧٢)

انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

انبیائے کرام نے لوگوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ صرف خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، انبیاء کرام کو بھی اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں اگرچہ کہ اللہ نے ان کو نبوت و رسالت کے عظیم شرف سے نوازا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (سورہ انبیاء:٢٥)

تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اور جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ.

یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہوجائیگا۔ (سورہ زمر:۶۵)

انبیاء کرام نے واضح طور پر لوگوں کو بتلا دیا کہ ان کا کام صرف تبلیغ ہے، وہ اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہونچاتے ہیں وہ کائنات میں مخلوقات کے امور کی تدبیر اور رزق کی تقسیم میں اللہ کے نائب نہیں ہیں نہ ان کے ہاتھ میں دینی نفع ہے کہ وہ کسی کو ایمان اور ہدایت سے نوازیں اور نہ ان کے ہاتھ میں دنیاوی نفع ہے کہ وہ کسی کو رزق اور صحت عطا کردیں یا ان سے پریشانی اور بیماری کو دور کردیں۔ اس طرح انبیاء کرام اس بات کی صراحت کرتے تھے کہ اگر انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ انہیں مبتلائے عذاب کرے گا اور اللہ کے اس عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکے گا، نہ اس معاملہ میں ان کا کوئی حامی اور مددگار ہوگا، حالانکہ یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرسکتے۔ لیکن اس طرح کی تعبیر اس لئے اختیار کی گئی تاکہ قیامت تک لوگوں کے ذہنوں میں یہ حقیقت پیوست ہوجائے کہ دین کے معاملہ میں داعی اور مدعو دونوں برابر ہیں۔ ان سب باتوں پر قرآن پاک کی درج ذیل آیات سے روشنی پڑتی ہے:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰہَ مُخْلِصاً لَّہُ الدِّیْنَ. وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ. قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ.

آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص کرلوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا

(سورہ زمر:۱۳-۱۱)

فرماں بردار بن جاؤں۔ کہہ دیجئے! کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِهٖٓ اَحَدًا. قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا .قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا.

(سورہ جن:۲۲-۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان نفع کا اختیار نہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پا نہیں سکتا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ.

(سورہ اعراف:۱۸۸)

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

انبیائے کرام کے متبعین نے تمام امور میں ان کی تصدیق کی اور کسی قسم کی اس میں

تبدیلی نہیں کی۔ارشادِ خداوندی ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً.

(سورہ احزاب:۲۳)

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقعہ کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

اور جن امور پر انبیاء کرام ایمان لائے، ان تمام امور پر ان کے متبعین ایمان لائے۔ارشادِ خداوندی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ. كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.

(سورہ بقرہ:۲۸۵)

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے، انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس! یہ لکھنا پڑتا ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے انبیاء کرام اور بزرگوں کے سلسلہ میں غلو ہی نہیں بلکہ مبالغہ آمیز غلو کیا۔اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت فرمائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔

تیسرا مرحلہ

ایمان اور اتباع کے بعد بعض متبعین کا انبیاء کرام اور صالحین کے بارے میں غلو اور ان کا یہ عقیدہ کہ انبیاء اور صالحین اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کے وکیل ہوتے ہیں۔

بعد میں گم کردہ راہ لوگوں نے انبیاء کرام اور ان سے رتبے میں فروتر صالحین کے بارے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیا اور ان کو ارباب، الٰہ اور اللہ کا شریک بنالیا۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ اللہ نے اس عقیدہ اور غلو کے باطل ہونے کو بیان فرمایا اور یہ واضح فرمادیا کہ انبیاء کرام، اللہ کے قانون فطرت میں دنیا کے عام انسانوں کی طرح ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کے لئے منتخب فرمایا ہے اور ان کو معصوم بنایا ہے اور وہ بے کم وکاست اللہ کے پیغام کو قول اور عمل کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ہر ایسی چیز سے محفوظ رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کے اتباع میں شک وشبہ لاحق ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا.

(سورہ کہف:۱۱۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو، اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ،وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ. (سورہ فصلت:٦)

آپ کہہ دیجئے ! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لئے (بڑی ہی) خرابی ہے۔

انبیاء کرام انسان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ضروری علم عطا فرماتا ہے جس میں ان کے کسب کو دخل نہیں ہوتا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا. (سورہ شوریٰ:٥٢)

آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اس لئے مبعوث فرماتا ہے تا کہ اللہ کی مخلوق کو ہدایت کی دولت ملے، ان کے نفوس کا تزکیہ ہو اور ان کے اخلاق سنور جائیں، اور یہ چیزیں دنیا اور آخرت میں ان کی کامیابی اور کامرانی کا ذریعہ بنیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورہ اعراف:١٥٧)

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

پس لوگ غلو کے معاملہ میں افراط و تفریط کے دو کناروں پر ہیں۔ ایک فریق اس

قدر غلو کرتا ہے کہ انبیاء کرام کو خدا کا ہم سر بنا دیتا ہے اور دوسرا فریق نفی میں اس قدر غلو سے کام لیتا ہے کہ وہ انبیاء کرام کی نبوت اور رسالت کا صاف انکار کر دیتا ہے، اس بنیاد پر کہ انبیاء کرام ان ہی جیسے انسان ہوتے ہیں۔ اس فریق کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ. (سورہ انعام:۹۱)	اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر کرنا واجب تھی ویسی قدر نہ کی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

یعنی یہ فریق اللہ کی عظمت وقدرت کے اندازہ لگانے میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔ یہ فریق اتنی بات نہیں سمجھ سکا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت وعلم کے تقاضے کے تحت بعض انسانوں کے قلوب پر اپنی قدرت سے اپنا علم نازل فرما سکتا ہے تاکہ وہ قدسی نفوس کائنات کے تمام انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بن سکیں اور ان کو وحی کے توسط سے خدا کی باتیں بتا سکیں۔ ٹھیک اسی طرح دوسرے فریق نے بھی غلطی کی اور غلو میں اس قدر انتہا پسندی سے کام لیا کہ انسانوں کو خدا کا ہم سر بنا دیا۔ انہوں نے بھی اللہ کو نہیں پہچانا اور یہ سمجھ لیا کہ اللہ نے ان قدسی نفوس حضرات کو علم غیب اور کائنات میں تصرف اخذ ومنع دیگر شریک بنا لیا ہے۔ حالانکہ اگر وہ ٹھنڈے دل سے سوچتے تو یہ بات خود ان کی ذات پر منکشف ہو جاتی کہ انبیاء کرام انسان ہوتے ہیں، نہ کہ وہ اللہ کے ہم سر ہوتے ہیں اور اس کے شریک۔ نہ ان کو علم غیب حاصل ہے اور نہ کائنات میں تصرف اور مخلوقات کے معاملہ میں تدبیر کا کوئی اختیار۔ نہ وہ اپنی ذات کے بارے میں نفع ونقصان کے مالک ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کے سلسلہ میں نہ ایمان ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ ہدایت، بلکہ دنیا کے دوسرے انسانوں کی طرح وہ بھی اللہ کے بندے ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ انکو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت ورسالت کے منصب جلیل پر فائز کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ہدایت کو وضاحت کے

ساتھ بیان کردیں اور حق دو دو چار کی طرح واضح ہو جائے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

(سورہ انفال:۴۲)

تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔ بیشک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

پس مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم انبیاء کرام اور صالحین سے محبت کے نام پر اہل کتاب کی طرح دین میں غلو نہ کریں اور شریعت نے محبت کا جو پیمانہ دیا ہے اس سے انحراف نہ کریں۔ اور اس بات میں دو رائے نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی محبت عین تقاضائے ایمان ہے اور اس میں شک و شبہ تقاضائے ایمان کے منافی ہے۔ جیسا کہ خود حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لایؤمن احدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس اجمعین.

(بخاری و مسلم)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے والد، اولاد اور تمام انسانوں کے مقابلہ میں مجھ سے زیادہ محبت نہ ہو۔

اور اسی حقیقت کی طرف قرآن پاک نے یوں توجہ دلائی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے

حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ. (سورہ توبہ:۲۴)

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔

اور حضور اکرم ﷺ سے محبت کی سب سے بڑی علامت آپ کا اتباع ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (سورہ آل عمران:۳۱)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

محبوب کبھی بھی اپنے محبّ سے یہ بات پسند نہیں کرتا کہ محبّ کی محبت محبوب کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ مثال کے طور پر حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنا عبادت ہے اور یہ عمل اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے ہمیں چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجیں، لیکن ٹھیک اسی طرح جس طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اپنی ذات پر درود بھیجنے کا طریقہ بتلایا ہے تاکہ صبح و شام حضور اکرم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنے کی وجہ سے ہم ثواب کے مستحق ہوں۔

امام اسماعیل بن اسحاق قاضی نے حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی فضیلت میں حضرت انس بن مالک کی روایت پیش کی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کے پاس آئے اور آپ کے روئے انور پر خوشی کے آثار تھے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت کی لہر دوڑ رہی ہے! آپ نے فرمایا کہ میرے رب کے پاس سے آنے والے نے آکر یہ خبر دی ہے کہ آپ کی امت کا جو فرد بھی آپ پر ایک درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس گنا رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ پر سلام پڑھنا عبادت ہے تو

ضروری ہے کہ سلام پڑھنے کا جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے اسی طریقہ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کریں اور مسلمان کو اس کے علاوہ طریقہ سے احتراز کرنا چاہئے کیوں کہ عبادت کا حق یہ ہے کہ اللہ کی عبادت مشروع طریقہ پر کی جائے۔ اور اس امت پر اللہ کا فضل یہ ہے کہ اللہ نے عبادت اور طریقۂ ادائے عبادت کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور ان عبادات میں سے حضور اکرم ﷺ پر سلام پڑھنا بھی ہے۔ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔

دوسری فصل

نفع ونقصان اور علم غیب

درج بالا امور کی وضاحت کے لئے ہم قرآن کریم سے دو دلیلیں پیش کریں گے۔

پہلی دلیل: قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ.

(سورہ اعراف:۱۸۸)

آپ فرمادیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

قرآن پاک کی درج بالا آیت سے جو باتیں ثابت ہوتی ہیں ہم ان کو سوال وجواب کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

سوال نمبر (۱): (أ) کیا حضور اکرم ﷺ اپنی ذات کے لئے یا دوسروں کے لئے نفع ونقصان کی طاقت رکھتے تھے اور جس چیز کی طاقت حضور اکرم ﷺ نہیں رکھتے کیا اولیاء وصالحین میں اس کی طاقت ہوسکتی ہے؟

(ب) جو ذات نفع ونقصان کی طاقت نہ رکھتی ہو کیا وہ عبادت کی مستحق ہوسکتی ہے؟ اور کیا حضور اکرم ﷺ یا آپ کی امت ایسی ذات کو پکارے گی جس میں نہ نفع پہنچانے کی طاقت

ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی؟

(ج) پریشانیوں کو دور کرنے والی اور انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی ذات کس کی ہے؟

جواب: قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. (سورہ اعراف:۱۸۸)

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ بتادیں کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے باوجود نہ وہ اپنے نفع ونقصان کے مالک ہیں اور نہ دوسروں کے نفع ونقصان کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور اس حقیقت کو بھی لوگوں کے سامنے واشگاف کردیں کہ رسول کا کام تعلیم وارشاد اور رہنمائی ہے اور خلق، ایجاد نفع ونقصان اور رزق وہدایت ان کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اسی طرح ان کو غیب کا علم بھی نہیں ہے مگر انہی امور کا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ دیتا ہے، ورنہ اس کے علاوہ امور میں میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ،وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ. (سورہ فصّلت:٦)

آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اس کی طرف متوجہ ہوجاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لئے (بڑی ہی) خرابی ہے۔

اور آپ نے یہ بات بھی لوگوں کو بتادی کہ تمام امور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور علم غیب مکمل طور پر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے جب لوگ آپ کے نبی ہونے کی

وجہ سے آپ سے قیامت کے بارے میں اس لئے پوچھتے تھے کہ نبی کو اس کا علم ضرور ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.

(سورہ اعراف:۱۸۷)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حادثہ) ہوگا وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہی صالحین کے سلسلہ میں غلو کا شکار رہے ہیں اور ٹھیک اسی طرح اہلِ کتاب اور بعض مسلمان انبیاء کرام اور صالحین کے سلسلہ میں غلو کا شکار ہو گئے، انبیاء کرام اور صالحین کو جلب منفعت اور دفع مضرت کی خاطر اللہ کا شریک بنالیا اور ان کو اسی طرح پکارنے لگے جس طرح اللہ کو پکارتے ہیں، مستقل بالذات سمجھ کر یا شریک سمجھ کر۔ اس لئے کہ ان میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مافوق الاسباب امور میں تصرف کا اختیار عطا فرمادیا ہے اور جب ایسا ہے تو وہ حضرات نفع ونقصان پہنچانے میں مستقل بالذات ہیں اور بعض لوگوں نے یہ گمان کرلیا کہ غیبی

تصرف جو اسباب کسب سے پرے ہے وہ انکے ساتھ خاص ہے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس پر قادر نہیں ہیں، وہ لوگ اللہ کے نزدیک بادشاہ کے وزیروں کی طرح ہیں، وہ بادشاہ اور رعیت کے درمیان واسطہ ہیں۔ پس بادشاہ ان وزراء اور مقربین کے واسطہ سے انعام واکرام سے نوازتا ہے اور ان کی سفارش سے غلطی کو معاف کر دیتا ہے۔ ٹھیک اللہ رب العالمین کا ان انبیاء کرام اور صالحین کے ساتھ وہی معاملہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بادشاہ اور اس کے امور سلطنت سے تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بادشاہ معاملات میں اپنے وزیروں اور مقربین کے مشوروں کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ کسی بھی معاملہ میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اس زعم باطل کی تردید کے لئے ہم پوچھتے ہیں کہ وہ بادشاہ یا حاکم یا صدر یا تو انصاف پرور ہوگا یا ظالم ہوگا، عالم ہوگا یا جاہل ہوگا، رحم دل ہوگا یا سخت دل۔ اگر وہ بادشاہ انصاف پسند ہے تو بغیر کسی کی وساطت کے تم کو تمہارا حق دیدے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس سلسلہ میں کسی کی سفارش سے وہ ناراض ہو جائے اس لئے کہ اس سلسلہ میں سفارش سے اس کی عدل گستری اور انصاف پروری پر حرف آئے گا اور اللہ تعالیٰ تمام عدل گستروں سے زیادہ عدل گستر ہے اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دیتا ہے۔ اور اگر وہ بادشاہ ظالم ہے تو سفارشی اس کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گا کہ تم کو تمہارا حق دیدے یا تم کو ایسی چیز دیدے جو تمہارا حق نہیں ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ کی ذات سراپا عدل ہے وہ کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ. (سورہ حم سجدہ:۴۶) اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اور بعض دفعہ حاکم یا بادشاہ تم سے ناواقف ہوتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی شخص تمہارے اور تمہاری حالت کے بارے میں اس کو بتائے لیکن اس کے مقابلہ میں تمہارے رب پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق سے اچھی طرح باخبر

ہے۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ. (سورہ ملک:۱۴) کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو۔

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

اَفَمَنْ ھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ. (سورہ رعد:۳۳) آیا وہ اللہ جو نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی، اس کے کئے ہوئے اعمال پر۔

اور ہوسکتا ہے کہ بادشاہ سخت دل ہو اور وہ ایسے شخص کا محتاج ہو جو اس سے رحم کی درخواست کر سکے اور اس کے مقابلہ میں اللہ رحمٰن اور رحیم ہے اور اس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، وہ خدا، ماں سے زیادہ اپنے بندوں پر شفیق ہے، مخلوق اور خالق میں تشبیہ لازم نہ آئے اس لئے مثال دینے سے ہم کو روکا گیا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ. (سورہ شوریٰ:۱۱) اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

حقیقی مومن ہی اس بات کا صحیح ادارک کرسکتا ہے کہ عبودیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عابد کی توجہ نفع ونقصان میں صرف ذاتِ خداوندی کی طرف ہو اس لئے کہ وہ رب جو مستحق عبادت ہو وہی نفع ونقصان کا مالک ہوسکتا ہے اور وہ معمول کے اسباب کا پابند نہیں ہے۔ پس جس کے ہاتھ میں نفع ونقصان نہ ہو وہ عبادت کا ہرگز ہرگز مستحق نہیں ہوسکتا اور نہ ہمارے لئے جائز ہے کہ اس کی عبادت کریں۔ جیسا کہ اس حقیقت کو اللہ عزوجل نے بہت سارے مقامات پر واضح فرمایا ہے، مثال کے طور پر چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئاً وَّلَا یَضُرُّکُمْ. (سورہ انبیاء:۶۶) اللہ کے خلیل نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان۔

(۲) وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَايَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّايُشْرِكُوْنَ.

(سورہ یونس:۱۸)

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچاسکیں اور نہ ان کو نفع پہنچاسکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

(۳) قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ .قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَايَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعاً وَّلَا ضَرّاً .

(سورہ رعد:۱۶)

آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دیجئے! اللہ۔ کہہ دیجئے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنارہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔۔

(۴) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئاً وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَانَفْعاً .

(سورہ فرقان:۳)ئ

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

(۵) قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئاً اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَراً اَوْاَرَادَ بِكُمْ نَفْعاً .

(سورہ فتح:۱۱)

آپ جواب دیدیجئے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلاً وَّلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا. (سورہ طٰہٰ:۸۹)

کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور ان کے کسی بُرے بھلے کا اختیار رکھتا ہے۔

آیات مذکورہ بالا سے جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ علی الاطلاق نفع ونقصان کی مالک ذات ربّ العالمین اور ربّ العباد ہے اور جلبِ منفعت اور دفع مضرت کی درخواست عبادت ہے تو یہ بات ناجائز ہوگی کہ کسی انسان کے لئے یہ عبادت روا رکھی جائے، چاہے وہ انسان نبی ہی کیوں نہ ہو۔ پس جب نبی علوشان اور منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے باوجود عبادت کے لائق نہیں ہوسکتے تو دوسرے افراد صالحین بدرجہ اولیٰ اس لائق نہیں ہوسکتے کہ ان سے نفع کی امید رکھی جائے اور نفع ونقصان کے دور کرنے کے لئے ان کو پکارا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو حکم دیا کہ وہ صاف صاف لوگوں کو بتائیں کہ ہم اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو دوسروں کے لئے نفع ونقصان کے بدرجہ اولیٰ مالک نہیں ہوسکتے۔ پس یہ بات واضح ہوگئی کہ جو اپنے اور غیر کے لئے نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتے وہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کو پکارا جائے یا انکو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ. وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہوجاؤ گے۔ اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا

عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.
(سورہ یونس:۱۰۷-۱۰۶)

نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہم مذکورہ بالا آیات کی تشریح کریں گے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ.

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔

یعنی غیر اللہ کو نہ پکارو، نہ مستقل بالذات سمجھ کر اور نہ اللہ کے ساتھ شریک گردان کر، اور ہر وہ ذات جو پکارنے کے بعد اپنے واسطہ سے یا اپنی ذات سے تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی اگر تم انکو نہ بھی پکارو تو وہ تمہیں نقصان بھی نہیں پہنچا سکتی۔

اس کے بعد ارشاد الٰہی ہے:

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ.

پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

یعنی اگر تم غیر اللہ کو پکارو گے تو تم اپنے اوپر بڑا ظلم کرنے والے بن جاؤ گے اور بڑا ظلم شرک ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔
(سورہ لقمان:۱۳)

اور جب اللہ کو پکارنا عظیم عبادت اور اس کا مغز ٹھہرا، جیسا کہ ارشادِ رسولؐ ہے

''الدُّعاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ'' (دعا عبادت کا مغز ہے) تو اس کے مقابلہ میں غیر اللہ کو پکارنا سب سے بڑا شرک اور اس کا مغز قرار پائے گا اور اس مفہوم و معنی کی آیتیں قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آئی ہیں تا کہ لوگوں کے دلوں سے شرک اکبر کو نکال دیں اور جو لوگ واقعی قرآن پاک کا صبح و شام مطالعہ و تلاوت کرتے ہیں انکے قلوب اس قسم کے شرک سے پاک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ نہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور نہ اس میں غور و فکر اور تدبر سے کام لیتے ہیں، وہ لوگ اس قسم کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں ،لیکن پھر بھی اسلام کا دم بھرتے ہیں اور ایسے اکثر لوگ قرآن و حدیث سے اپنا عقیدہ اخذ کرنے کے بجائے گمراہوں اور اہلِ بدعت سے اپنا عقیدہ اخذ کرتے ہیں۔ اسی لئے ایسے لوگوں کو ہم پاتے ہیں کہ وہ مشائخ اور صالحین کو پکارتے ہیں حالانکہ وہ لوگ مر چکے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں مدفون ہیں اور ان میں بعض لوگوں کا یہ عقیدہ و مسلک ہے کہ وہ لوگ زندہ ہیں، اس لئے ان کے تقرب کے حصول کے لئے انکی خدمت میں ہدیہ اور نذر اور مدد کے لئے ان کی قبروں پر درخواستیں پیش کرتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے پریشانیوں کو دور فرمادیں اور جس نفع کی وہ توقع رکھتے ہیں ان کو وہ نفع پہنچادیں اور وہ لوگ اس شرک اکبر کو وسیلہ کا نام دیتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرنے کو شفاعت کا نام دیتے ہیں اور غیر اللہ کے لئے نذرانے کو صدقات کا نام دیتے ہیں، ان کی قبر کے طواف کو زیارت کا نام دیتے ہیں اور قرآنی آیات کی اپنے زعمِ باطل کے مطابق غلط تاویل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان آیات کا تعلق بتوں کی عبادت اور بتوں کے نذرانے سے ہے۔ بعض لوگ غیر اللہ سے نفع کے حصول کو تجربہ سے ثابت کرتے ہیں کہ اس نے ان کو پکارا، ان سے مدد طلب کی تو ان کی بیماری اچھی ہوگئی، دشمنوں کو شکست ہوئی اور نقصان ٹل گیا اور انکو بہت فائدہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم کو اس آیت کے ذریعہ باطل قرار دیا کہ:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ۔ (سورہ یونس:۱۰۷)

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں۔

یعنی اے کائنات کے انسانوں کی جماعت! اگر تم کسی بیماری اور پریشانی میں مبتلا ہوتے ہو، یا مال واسباب میں کمی واقعی ہوتی ہے، یا ظالم حکام تم پر ظلم کرتے ہیں، یا دشمن تم پر زیادتی کرتے ہیں تو اللہ کے علاوہ ان پریشانیوں کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہے اور جب اسباب معلوم نہ ہوں اور معاملہ تمکو عاجز کردے تو تم اللہ کی طرف توجہ کرو اور اخلاص کے ساتھ اسی کو پکارو وہ اللہ ہی ہے جو تمہارے لئے اشیاء کو مسخر کردے گا اور محض اپنے فضل سے تم کو شفایاب کرے گا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے تم کو فائدہ پہنچانا طے فرمادیا تو اب اس کے فضل کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔

یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنے فضل سے نوازتے ہیں۔ اس میں بندے کے کسب یا عدم کسب کو کوئی دخل نہیں ہوتا برخلاف نقصان وتکلیف کے، کہ اس میں بندہ کے کسب کو دخل ہوتا ہے اور وہ اللہ کے عام نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جیسے بیماریاں جو پرہیز اور اسباب صحت کو ترک کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں یا کم علمی اور عدم واقفیت اور کوتاہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اسی طرح آبادی کی ویرانی اور ملکوں کا زوال جو عدل وانصاف کے ناپید ہونے اور ظلم وفسق کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسری قسم کی وہ آفتیں ہیں جو اللہ کے عام نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ جیسے بارش کی کثرت، سمندروں اور دریاؤں میں طغیانی، زلزلے اور آسمانی بجلیاں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. یعنی اگر اللہ کی عام رحمت اور اس کی وسیع

مغفرت نہ ہوتی تو لوگ آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اپنے گناہوں کی پاداش میں ہلاک ہوجاتے۔جیسا کہ دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَايُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَاتَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ. (سورہ فاطر:۴۵)	اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب داروگیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کے رسول اپنی عظمت شان کے وجود اللہ کی کسی بھی صفت میں شریک نہیں ہیں اور نہ اللہ کے علم ومشیت میں ان کو دخل ہے،اس لئے اللہ کی مشیت ازلی ہے اس میں کسی قسم کی بھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے۔پس یہ عقیدہ کتنا کمزور اور ناقابلِ التفات ہوگا کہ صالحین اور مشائخ اپنی قبروں میں اللہ کے افعال پر اثر انداز ہوتے ہیں وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اور اپنے چاہنے والوں اور پیروکاروں کو نفع پہنچاتے اور آفات اور مصائب ان سے دور کرتے ہیں۔اس موقع پر ہم ان کے اس باطل عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب قرآن کریم کی تصدیق کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو نہ علم غیب عطا فرمایا ہے اور نہ ان میں نفع پہنچانے اور آفات کو دور کرنے کی طاقت ہے ان کا کام تو صرف یہ ہے کہ وحی الٰہی کو لوگوں کو تک پہنچادیں اور قول وعمل اور حکم کے ذریعہ اس کی وضاحت فرمادیں۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ. (سورہ مائدہ:۶۷)	اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچادیجئے۔اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ.

(سورہ بقرہ:۱۵۱)

جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔

اور اللہ اگر نفع ونقصان پہنچانا چاہے تو کوئی بھی اس میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا.

(سورہ احزاب:۱۷)

پوچھئے! تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے (یا تم سے روک سکے؟) اپنے لئے بجز اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.

(سورہ فاطر:۲)

اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کردے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

سوال نمبر (۲): کیا حضور اکرم ﷺ کو عالم غیب حاصل ہے اور کیا بندوں کے معاملات کی تدبیر آپ کے ہاتھ میں ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی دوسروں کے مقابلہ میں کیا

امتیازی خصوصیت ہے، اور جو لوگ آپؐ سے کمتر ہیں ان کی ان معاملات میں کیا حیثیت ہے؟

جواب: ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (سورہ اعراف:۱۸۸)

اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

گویا کہ حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو اس سے فائدہ اٹھاتا اور مستقبل میں دنیا میں جو چیزیں پیش آنے والی ہیں اس سلسلہ میں اپنے علم غیب کے ذریعہ احتیاطی اقدامات کرنا اور کثرت سے اچھے اعمال کرنا جن کا دارومدار مستقبل کے علم پر ہوتا ہے جیسے تنگدستی، گرانی، فائدہ اور نقصان اور حالات کی تبدیلی وغیرہ۔ اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی کیوں کہ علم غیب کی بنیاد پر میں پہلے ہی محتاط ہو جاتا۔ جیسا کہ غزوہ احد اور غزوہ خندق کے موقع پر پیش آیا اور نابینا سے اعراض کرنے، بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے اور غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین کو غزوہ میں عدم شرکت کی اجازت دینے پر آپ کی سرزنش نہ ہوتی۔ حاصل کلام یہ کہ اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کو مقام ربوبیت تک لے جانے کی نفی مقصود ہے اور اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو منصب نبوت کے جس مقام بلند پر فائز کیا ہے اس کا مقصد دعوت وتبلیغ ہے نہ کہ اس کی وجہ سے ان میں نفع پہنچانے، نقصان کو دور کرنے، پیدا کرنے اور کسی چیز کو وجود میں لانے کی صلاحیت وقدرت عطا کرنا۔ اس لئے کہ ان امور کا تعلق صفت ربوبیت سے ہے جو اللہ کی شان ہے۔ حضور اکرم ﷺ تو عبودیت کے بلند مقام پر فائز ہیں اور حضور اکرم ﷺ خود اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ غیب کا

علم نہیں رکھتے اور جن چیزوں کی اللہ نے وحی کے ذریعہ اطلاع دی ہے، صرف ان ہی چیزوں سے واقف ہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں حضور اکرم ﷺ کی شان امتیازی یہ ہے کہ آپ بشیر اور نذیر ہیں۔ نذیر ان لوگوں کے لئے جو کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، اور بشیر ان لوگوں کے لئے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین ان کی مکمل اطاعت کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. (سورہ اعراف: ۱۸۸)	میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو ایمان رکھتے ہیں۔
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ. (سورہ سبا: ۲۸)	اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ انبیاء کرام اللہ کے معزز اور مکرم و برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اور اللہ کی صفات و افعال اور اللہ کے علم و تدبیر میں کسی بھی قسم کی ان کی شرکت نہیں ہوتی ہے اور وہ دنیا کے انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں، فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کے لئے منتخب فرمایا ہے اور اپنے بندوں تک پیغام الٰہی کو پہونچانے کے لئے ان کو چن لیا ہے، ان کے قلوب کا تزکیہ کیا ہے اور ان کو معصوم بنایا ہے اور ان کو اس لائق بنا دیا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اچھا نمونہ بن سکیں ان امور میں جو وہ اللہ کے پاس سے صلاح و تقویٰ اور مکارم اخلاق کی تعلیم لے کر آتے ہیں۔ خاتم الرسل اور اولاد آدم کے سردار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم دیدیا ہے کہ وہ پوری صراحت کے ساتھ لوگوں سے یہ بیان کرتے ہیں وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا. (سورہ اعراف:۱۸۸)

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا،

تو جب حضور اکرم ﷺ نفع پہنچانے اور نقصان کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ لوگ جو مقام و مرتبہ میں آپ سے فروتر ہیں ان کو ان چیزوں کی قدرت کیونکر حاصل ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود لوگ اولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ غیب جانتے ہیں، نفع پہنچاتے ہیں اور نقصان دور کرتے ہیں۔ پس یہاں اب دو ہی باتیں رہ جاتی ہیں یا تو ہم اولیاء کے علم غیب اور نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت و قوت کی تصدیق کریں اور صریح آیات قرآنیہ کا انکار کر دیں یا آیات قرآنیہ کی تصدیق کریں اور مخالفین کے عقیدہ کی تکذیب کریں۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ہم آیات قرآنیہ کی تصدیق کریں گے اسلئے کہ مخالفین کے باتوں کی تصدیق سے شریعت اور جو کتاب حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اس کی تکذیب لازم آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

دوسری دلیل:

ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ. اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ. (سورہ انعام:۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔ آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے سو کیا تم غور نہیں کرتے؟

طریقۂ سوال وجواب کے ذریعہ درج بالا آیت کی تشریح وتوضیح:

سوال: کیا حضور اکرم ﷺ اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اور اس میں جس طرح چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں یا غیب کا علم رکھتے ہیں، یا وہ فرشتے ہیں یا ان میں فرشتوں کی صفات ہیں اور کیا اولیاء صالحین جو درجے میں حضور سے فروتر ہیں، اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اس میں جس طرح چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں یا وہ غیب کا علم رکھتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کفار کو اور ان تمام لوگوں کو جو رسالت ونبوت کی حقیقت اور شان الوہیت میں فرق نہیں کر پاتے، صاف صاف فرمادیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں کہ اس میں جس طرح چاہوں تصرف کروں۔ اس لئے کہ کفار آپ سے ایسی ہی چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے جن کے انجام دینے سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ لبادۂ بشریت سے نکلنے کے بعد ہی رسالت کے منصب عظیم پر فائز کیا جانا ممکن ہے یا یہ کہ نبی فرشتہ ہو اور وہ قوت وعلم کا خزانہ ہو۔ حالانکہ ان امور کا منصب نبوت ورسالت سے دور دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ نبی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں پر قادر ہو جن پر عام انسان قدرت نہیں رکھتے اور وہ مخلوقات میں تصرف بھی کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں جیسا کہ کفار نے حضور اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو مکہ مکرمہ میں دریا اور چشمے جاری کردیں اور گلستاں اور باغات اگادیں یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہمارے اوپر گرادیں یا خدا اور فرشتوں کو رودررو ہمارے سامنے لے آئیں۔ قرآن پاک میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (سورہ منافقون:۶۳) اور آسمان وزمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ. (سورہ حجر:۲۱)

اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں، اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازہ سے اتارتے ہیں۔

خزائن جمع ہے اور اس کا واحد ہے خزینہ یا خزانہ، اور خزانہ اسے کہتے ہیں جس میں کوئی چیز حفاظت کی خاطر رکھی جائے تا کہ کوئی دوسرا اس میں تصرف نہ کر سکے۔ اسی لئے اللہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور مخلوقات میں سے کوئی بھی اس میں تصرف نہیں کر سکتا، اور نہ کسی مخلوق کو اللہ نے اس میں تصرف کرنے کی قوت بہم پہنچائی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا. (سورہ اسراء:۱۰۰)

کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاتے تو تم اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے کے خوف سے اس کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی تنگ دل۔

اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو انبیائے کرام کی بعثت، اللہ کی عبادت اور تزکیۂ نفس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا، اور لوگ دین کے علاوہ دوسرے امور کے ہی سلسلہ میں انبیائے کرام سے رجوع ہوتے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی مرحلہ میں اس طرح کی تمام باتوں کی تردید فرمادی اور لوگوں سے صاف صاف کہدیا کہ اللہ کے خزانوں میں تصرف کی مجھ میں قدرت نہیں ہے اور نہ اللہ نے مجھے ان چیزوں میں تصرف کی قدرت دی ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ. (سورہ انعام:۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں

اورغیب وہ ہے جس کا علم اللہ نے پوشیدہ رکھا ہے اسی طور پر کہ انسانوں میں اللہ نے اس علم کے اسباب تک رسائی پر دسترس نہیں دی ہے اوران چیزوں کا ادراک، نہ حواس خمسہ ظاہرہ کر سکتے ہیں اور نہ حواس خمسہ باطنہ، اس لئے کہ ان میں ادراک کی قوت ہی ودیعت نہیں کی گئی۔ پس غیب معلومات کے جنس سے ہے اور خزائن اللہ کی مقدرات کے جنس سے اوران دونوں سے مراد وہ شئی ہے جس کو اللہ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے پس نہ تو بندوں کو اس کا علم دیا ہے اور نہ اس میں تصرف کی قوت وطاقت بخشی ہے۔ یہ ہے قرآن پاک کا بیان اور حضور اکرم ﷺ کی اپنے بارے میں وضاحت۔ مگر اس کے باوجود قرآن وحدیث سے بے خبر لوگ ان امور کو صلحاء اور مشائخ کے لئے ثابت کرتے ہیں جس کی ان کے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ نے اگر کسی کو منصب رسالت پر مامور فرمایا ہے تو اس کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ اس کو اپنی ذات کو نفع پہنچانے کے لئے یا دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے خزانہ میں تصرف کا لازماً اختیار بھی دے دیا ہے جو عام طور پر ماورائے اسباب کے ہوں، جن کو اللہ نے لوگوں کے لئے مسخر کر دیا ہے، اس لئے کہ رسالت کا مقصد تعلیم وتبلیغ ہے، رسالت کا موضوع اللہ کی مخلوقات میں تبدیلی یا بندوں کے امور میں تصرف وتغیر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی نبی کو عملاً ہدایت پر قدرت نہیں دی ہے کہ وہ جسے چاہیں ہدایت دیدیں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ.

(سورہ بقرہ:۲۷۲)

انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

اور دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے:

اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ .
(سورہ قصص:۵۶)

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔

اور اگر انبیاء کرام کو اللہ کی مخلوقات اور اس کے بندوں کے معاملات میں تصرف کا اختیار ہوتا تو ابراہیم اپنے والد، حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے اور حضور اکرم ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی ہدایت کے لئے اس تصرف کی قدرت کا استعمال کرتے۔ لیکن علم غیب کا ایک گونہ تعلق موضوع رسالت سے ہے اور اس کا اصل موضوع رویت ملائکہ اور ان سے علم کا حصول ہے اور اس کا تعلق عالم غیب سے ہے جس پر ایمان لانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں تصدیق اور اتباع رسول کا ہمیں پابند کیا گیا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرشتہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ان کے لائے ہوئے وحی کو کان سے سنا اور دل میں محفوظ کر لیا اور وہ علم غیب جس کا تعلق رسالت و نبوت سے ہے اس کو اللہ نے اپنے نبی کے لئے ثابت کیا ہے جس سے نبی کی نبوت کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَداً. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَداً. لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّھِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَداً.
(سورہ جن:۲۸-۲۶)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس (کی تمام چیزوں) کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔

پس انبیاء کرام کی رسالت کی تائید و توثیق کے لئے اللہ تعالیٰ نے بعض غیبی امور کو

ظاہر فرمادیا ہے، لیکن جہاں تک غیب حقیقی مطلق کا تعلق ہے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کا علم نہیں دیا ہے اور نہ اس علم کو حاصل کرنے کی کسی میں استعداد رکھی ہے اور جن بعض غیبی امور کو حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک پر ظاہر فرمادیا گیا ان کا تعلق کسب سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان غیبی امور کی اطلاع حضور اکرم ﷺ کو دی۔ اسی لئے جب وحی رک گئی تو حضور ﷺ کے پاس غیبی امور کو حاصل کرنے کی کوئی سبیل باقی نہیں رہ گئی۔ جیسا کہ اس کی صراحت احادیث وتفسیر کی کتابوں میں فترت وحی (وحی رک جانے کی مدت) کے زمانے کے سلسلہ میں ملتی ہے، اسی لئے اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں ہے۔

اسی لئے تمام انبیاء کرام اس بات کے معترف ہیں کہ وہ غیب کا علم نہیں رکھتے، اور غیب کی جن باتوں کا ان کو علم ہے ان کا ذریعہ وحی الٰہی ہے، یعنی اللہ نے ان کو یہ بات بتائی ہے۔ اس کا تعلق انکے کسب سے نہیں ہے اور نہ یہ ان کی ذاتی صفت اور خصوصیت ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اس کی صراحت ملتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ.

(سورہ یوسف: ۳۷)

یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلادوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے، میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔

پس غیب اور غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ.

اوراللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، (خزانے) ان کوکوئی نہیں جانتا بجزاللہ کے۔

(سورہ انعام:۵۹)

اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ غیب بھی اللہ کے پاس ہے اور غیب تک پہنچنے کے ذرائع ووسائل یعنی کنجیاں بھی اللہ ہی کے پاس ہیں اوران کا ذاتی علم صرف خدا کو ہے، اوراسی کاعلم ان چیزوں پرمحیط ہے اوراللہ تعالیٰ کے علاوہ ان چیزوں سے بالکل نبی لاعلم ہوتے ہیں الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت اس میں سے بعض غیب کی باتیں وحی کے ذریعہ بتادے۔

اسی لئے قرآن پاک میں ارشادِالٰہی ہے:

قُلْ لَايَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ.

کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

(سورہ نمل:۶۴)

بس ان وضاحتوں کے بعد نہ شرعاً صحیح ہے اور نہ عقلاً کہ ہم علم غیب کی نسبت مشائخ، اولیاء اور صالحین کی طرف کریں۔ اس لئے کہ تمام انبیاء کرام اپنی ذات سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں، اور عالم الغیب والشہادۃ ذاتِ الٰہی کی طرف علم غیب منسوب کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِالٰہی ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَاعِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.

(سورہ مائدہ:۱۰۹)

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں، تو ہی بے شک پوشیدہ باتوں کو پورا جاننے والا ہے۔

: انبیاء کرام کے مخاطبین نے جو ان کو ظاہری جواب دیا وہ اس سے واقف ہیں اوران کے باطن سے ناواقف ہیں اوراسی طرح اپنی امت کے جن افراد کونہیں دیکھا ان کے احوال سے بھی ناواقف ہیں اس لئے کہ دنیاوی احکام کا تعلق ظاہری حالت اورظن غالب سے ہے اور آخرت کے احکام کا تعلق باطن سے ہے جس کا علم صرف خدا کو ہی ہے، اس کا علم انبیاء کرام کو بھی نہیں ہوتا اور بہت ساری ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے انبیاء کرام ناواقف ہوتے ہیں۔خود حضور اکرم ﷺ کے بارے میں اللہ کا پاک ارشاد ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَاتَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. (سورہ توبہ:۱۰۱)

اور کچھ تمہارے گردوپیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ. اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ. (سورہ انعام:۵۰)

اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہوسکتا ہے سوکیا تم غور نہیں کرتے؟

یعنی میں الوہی اور خدائی صفات کا دعویدار نہیں ہوں کہ تم مجھ سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کرو جس میں انسان کا بس نہ ہو اور جس کا علم خدا کے علاوہ کسی کو نہ ہو اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں کہ تم مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرو جس پر صرف فرشتے ہی قادر ہوتے ہیں اور جس کا انجام دینا انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ بلکہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے میری ذمہ داری اللہ کی اطاعت ہے اور

رسول ہونے کی حیثیت سے میری ذمہ داری اللہ کے دین کی تبلیغ ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ. میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔ (سورہ انعام:۵۰)

یعنی میں ان ہی چیزوں کی پیروی کرتا ہوں جو چیزیں مجھے وحی کے ذریعہ بتلائی جاتی ہے اور وہ ہے دین کی تبلیغ، اس پر عمل اور اس سلسلہ میں خوشخبری اور انجام بد سے ڈرانے کی ذمہ داری ۔پس جس شخص نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ گیا اور ہدایت یاب ہوگیا اور جس نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی یا ہٹ دھرمی اختیار کی وہ بصیرت سے محروم رہا اور گم کردہ راہ ہوگیا اور حقیقت یہ ہے کہ اندھا بینا کی طرح نہیں ہوسکتا۔

وہ غیب جس پر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ انبیاء کرام کو مطلع فرماتا ہے اس میں تین موانع ہوتے ہیں۔

(۱) **حاجز مکانی:** یعنی مکانی رکاوٹ، اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک چیز وقوع پذیر ہوتی ہے اور ہم اس سے واقف نہیں ہوتے اس لئے کہ اس سلسلہ میں جگہ رکاوٹ ہے یعنی واقعہ کسی ایک جگہ پر ہوتا ہے اور ہم کسی دوسری جگہ پر ہوتے ہیں۔

(۲) **حاجز زمانی ماضی:** (زمانی رکاوٹ) یعنی وہ واقعہ زمانۂ گذشتہ میں پیش آیا ہے تو یہ واضح ہے کہ انسان اس سے ناواقف ہوگا۔اس رکاوٹ کا تعلق زمانۂ ماضی سے ہے۔

(۳) **حاجز زمانی مستقبل:** یعنی وہ واقعہ ابھی تک پیش نہیں آیا بلکہ مستقبل میں پیش آئے گا تو اس سے انسان ناواقف رہے گا، اس رکاوٹ کا تعلق بھی زمانہ سے ہے مگر زمانۂ مستقبل سے۔

اب ہم ان تینوں حواجز (موانع) کی تشریح مثالوں کے ذریعہ کریں گے۔

حاجز مکانی (مکانی رکاوٹ) کی وجہ سے کوئی چیز ہمارے لئے نامعلوم ہو۔

(أ) اس کی دلیل قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.

(سورہ مجادلہ:۸)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں اور آپس میں گناہ کی اور ظلم وزیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں، اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا، ان کے لئے جہنم کافی (سزا) ہے۔

اس حقیقت کا ہمیں اپنے ذہن میں ہمیشہ استحضار رہنا چاہئے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کی تلاوت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور وہ باعث ثواب اور موجب برکت ہے جس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے اور نہ کوئی انسان اس میں تحریف کی جرأت کرسکتا ہے۔ پس جب قرآن کسی چیز کی خبر دے اور یہ بات واضح ہوجائے کہ وہ غلط ہے تو یہ دین کی پوری عمارت کو زمین بوس کرنے کے مترادف ہوگا۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل چیزیں بیان کی ہیں۔

(أ) اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے لئے حجاب مکانی کو ختم فرمادیا اور حدیث نفس کی

اطلاع دی، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ. اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا۔

اس آیت کا مفہوم انتہائی درجہ کا چیلنج ہے۔ قرآن ان لوگوں سے یہاں کہتا ہے کہ میں نے زمانہ ماضی کے تمام موانع دور کر دیئے اور پچھلے لوگوں کے واقعات کی تم کو اطلاع دی لیکن یہ نہیں کہتا کہ میں مکانی موانع کو ختم کر دوں گا اور تم کو اس چیز کی خبر دوں گا جو قریبی علاقہ میں ظہور پذیر ہو رہی ہے اور جس کو تم نہیں دیکھ رہے ہو، بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں نفسِ انسانی کے حواجز اور موانع کو ختم کر کے اس بات کی اطلاع دوں گا جو نفس انسانی میں پائی جاتی ہے اور دلوں کی ان کیفیات کی اطلاع دوں گا جن کیفیات نے ابھی الفاظ کا جامہ نہیں پہنا ہے اور جو بات ابھی جنبش لب کا ذریعہ نہیں بنی ہے اور مشرکین کو حضور کی تکذیب کا ایک اچھا بہانہ ہاتھ آجاتا اور وہ لوگ یہ کہتے کہ آپ جو فرما رہے ہیں وہ بات ہمارے دلوں میں پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر بالفرض ان کے دلوں کے اندر وہ بات نہیں تھی تو حضور اکرم ﷺ کی تکذیب کی ان کے پاس بہت بڑی دلیل تھی اور وہ ببانگ دہل اس کا اعلان کر دیتے کہ حضور اکرم ﷺ بے بنیاد باتیں کہتے ہیں اور بے پر کی اڑاتے ہیں۔

پھر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور ﷺ کو غیب کا علم تھا اور آپ لوگوں کے دلوں کی باتیں بتاتے تھے۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ غیب کی وہ بات ہے جو اللہ نے اپنے رسول کو بتلا دیا اور اس کی حقیقت پر مطلع فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ غیر مسلموں کے دلوں کے اندر پائی جانے والی باتوں کو جن کا مقصد اسلام کی بیخ کنی تھی، حضور اکرم ﷺ پر منکشف فرما دیا اور اس کا ذکر قرآن پاک میں فرما دیا جس میں قیامت تک کسی بھی قسم کی تحریف و تبدیلی نہیں ہوگی، تو نہ کسی نے کہا اور نہ یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس غیب کا تعلق حضور کے کسب سے تھا یا اس میں آپ کی ذاتی صفت کو دخل ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے اس نے اپنے اس غیب کو ظاہر

فرمادیا۔جیسا کہ ارشادِالٰہی ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ.
(سورہ جن:۲۷-۲۶)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَسَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ یُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ .
(سورہ توبہ:۴۲)

اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت وطاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے، یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے۔

اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کے لئے بعض غیر مسلم افراد کے حاجز نفس کو ختم فرمادیا اور ان کے دل کی بات ظاہر فرمادی، انکی کذب بیانی کو واضح فرمادیا اور پوری دنیا کے سامنے ان کے نفاق، ریاکاری اور جھوٹ کا پول کھول دیا اور پورے معاشرہ کے سامنے ان کی قلعی کھول دی۔اگر حضور کی یہ بات غلط ہوتی تو یہ لوگ برملا کہتے کہ ہم نے کذب بیانی سے کام نہیں لیا ہم تو بالکل سچے ہیں اور جس کلام کے بارے میں محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے بالکل غلط ہے لیکن یہ لوگ ہکّے بکّے رہ گئے جب اللہ نے اپنے رسول کے لئے ان کے نفوس کے حجاب کو دور فرمادیا۔وہ لوگ اس کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے اور خیریت اسی میں سمجھی کہ فضیحت کے بعد چپ ہو جائیں۔اگر قرآن کا تعلق غیر اللہ سے ہوتا تو انسان کے قلب کی تہوں تک رسائی ناممکن ہوتی۔لیکن اس کے باوجود نہ کسی نے کہا اور نہ یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے۔

حاجز زمانی ماضی : زمانۂ گذشتہ کی زمانی رکاوٹ کی وجہ سے کوئی چیز ہمارے

لئے نامعلوم ہو۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْراً.

(سورہ طٰہٰ:۹۹)

اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی گزری ہوئی وارداتیں بیان فرمارہے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول کو زمانہ گذشتہ میں وقوع پذیر واقعات کی اطلاع دے رہا ہے۔ اسی قرآن پاک کے ذریعہ جس کی تلاوت قیامت تک کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو گذشتہ امتوں کے حالات سے باخبر کیا، گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات بتائے اور ایسی باتیں بتائی جن سے کوئی شخص واقف نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ ساری باتیں ایسے نبی کی زبانی بتائیں جو اُمّی (ناخواندہ) تھے لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو زمانۂ گذشتہ کے اسراء سے واقف کراتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں مَا كُنْتَ مَا كُنْتَ (آپ اس وقت موجود نہیں تھے، آپ اس وقت موجود نہیں تھے) فرما کر اللہ نے یہ بتایا کہ یہ سب زمانۂ گذشتہ کے حالات وواقعات ہیں، جس کی اطلاع ہم آپ کو دے رہے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ.

(سورہ قصص:۴۴)

اور طور کے مغربی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام کی وحی پہنچائی تھی، نہ تو تو موجود تھا اور نہ دیکھنے والے موجود تھے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ.

(سورہ آل عمران:۴۴)

اور نہ تو ان کے جھگڑے کے وقت ان کے پاس تھا۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِياً فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا.
(سورہ قصص:۴۵)

اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْنَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِنْ رَّبِّكَ .
(سورہ قصص:۴۶)

اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ.
(سورہ یوسف:۱۰۲)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں ۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے۔

یعنی اے محمد ﷺ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے لیکن وہ اللہ ہی ہے جس نے آپ کو ان جیسی امور کی اطلاع دی اور انبیاء کرام کو امم سابقہ کے حالات وواقعات سے باخبر کیا اور اللہ ہی نے آپ کو کتب سماویہ میں احبار ورہبان کی تحریف سے آگاہ کیا۔ لیکن اس سے نہ کسی نے سمجھا اور نہ کسی نے کہا کہ آپ عالم الغیب تھے بلکہ سبھوں نے یہی سمجھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتیں بتادی ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے بار بار اس کی صراحت کی کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں، عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَداً. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ.
(سورہ جن:۲۷-۲۶)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ۔ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے۔

اور حقیقی علم غیب کی نسبت اللہ کے علاوہ کسی کی طرف نہیں کی جاسکتی نہ انبیاء کی طرف

نہ فرشتوں کی طرف اور نہ اولیاء اور صالحین کی طرف۔ اس کا علم تو صرف خدا کی ذات ہی کو ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَایَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ. (سورہ نمل:۶۴)

کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

حاجز زمانی مستقبل: زمانہ مستقبل کی رکاوٹ کی وجہ سے کوئی چیز ہمارے لئے نامعلوم ہو۔

قرآن پاک نے بہت سارے ایسے واقعات کی اطلاع دی ہے جو آئندہ پیش آنے والے تھے اور یہ بات حتمی اور یقینی تھی کہ وہ واقعہ آئندہ یقیناً پیش آئے گا۔ کیا انسانوں میں کوئی ایسا انسان ہے جو چند گھنٹوں کے بعد پیش آنے والے واقعات کی حتمی طور پر نشاندہی کر سکے۔ چند دنوں اور چند برسوں کے بعد پیش آنے والے واقعات کی نشاندہی تو بہت دور کی بات ہے۔

اس سلسلہ میں ہم قرآن پاک سے تین دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

(اَ) قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (سورہ قمر:۴۵)

عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی۔

سورہ قمر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس وقت مسلمان بے کس و بے بس تھے، ان کی تعداد بھی بہت تھوڑی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ یہ کہہ اٹھے کہ کون سا جتھا شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا اور کس سے شکست کھائے گا ہم تو اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اپنا دفاع کر سکیں اور اپنی حفاظت کر سکیں۔ لیکن قرآن یہ پیش گوئی کرتا ہے کہ اسلام مکہ میں غالب آئے گا اور یہ جتھا جو اسلام کی بیخ کنی کے لئے جمع ہوا ہے شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے

گا۔ یہ پیشن گوئی اس وقت کی جارہی ہے جبکہ مسلمان انتہائی قلیل تعداد میں ہیں اور بے بس و بے یارومددگار ہیں اور ایسی حالت ہے کہ اپنی حفاظت کی بھی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کو یقین کامل ہے کہ جس چیز کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے وہ حق ہے اور وہ ہو کر رہے گا اور عملاً وہی ہوا جس کی اطلاع اللہ نے اپنے رسول کو دی تھی اور زمانہ مستقبل اس کی راہ میں حائل تھا۔ لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضور عالم الغیب ہیں۔

(ب) اسی طرح اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن ولید بن مغیرہ کے بارے میں قرآن پاک اسی بات کی پیشن گوئی کرتا ہے کہ وہ اپنی ناک پر ضرب کی وجہ سے مرے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ. (سورہ قلم:۱۶)

ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے۔

یعنی قرآن پاک نے یہ فرمایا کہ مار سے اس کی موت ہوگی اور اس کی بھی تعیین کردی کہ ناک پر ضرب کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگی۔ اور ہوا بھی وہی جو قرآن نے کہا تھا۔ غزوہ بدر کے موقع پر یہ مشاہدہ کیا گیا کہ اس کی ناک پر ضرب لگی۔ اس کی اطلاع کس نے دی، یقیناً اس کی اطلاع اللہ نے اپنے رسول کو دی، جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (سورہ جن:۲۶-۲۷)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے۔

لیکن اس کے باوجود نہ کہا گیا اور نہ یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے۔

(ج) حکومت روم اور ایران کے درمیان جنگ ہوئی۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور ایرانی غالب آئے۔ کافر بہت خوش تھے کیوں کہ کفر کو کامیابی ملی اور مسلمان غمزدہ

ہوئے ، کیوں کہ بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں اہل ایمان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔غم واندوہ کے اس موقع پر اللہ نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور خوشخبری دی کہ کچھ سالوں کے بعد رومی غالب آئیں گے اور ایرانی مغلوب ہوں گے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

الٓمّٓ .غُلِبَتِ الرُّوْمُ. فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ .فِی بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ .بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ.

(سورہ روم:۵-۱)

الم۔رومی مغلوب ہوگئے ہیں۔نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند سال میں ہی اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے ۔ اس روز مسلمان شاداں ہوں گے۔اللہ کی مدد سے ، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔اصل غالب اور مہربان وہی ہے۔

غور فرمایئے ! کیا حضور اکرم ﷺ اس جنگ کے نتیجہ کی پیشن گوئی کر سکتے تھے جو جنگ چند سالوں کے بعد ایران وروم میں ہونے والی تھی ؟ اور کیا کوئی بڑے سے بڑا فوجی سپہ سالار اس جنگ کے نتیجہ کے بارے میں حتمی طور پر کہہ سکتا تھا؟ جو ابھی ہوئی بھی نہیں بلکہ جو جنگ چند سالوں کے بعد ہوگی اور پھر یہ پیشن گوئی کہ روم غالب آئے گا اور ایران مغلوب ہوگا۔اور کیا حضور اکرم ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس معرکہ کے ظہور پذیر ہونے تک وہ زندہ بھی رہ سکیں گے؟ اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف سے سو اونٹنیوں پر شرط طے کر لی کہ سات اور بعض روایات کے مطابق نو سال میں اگر رومی غالب نہ آئے تو میں تم کو سو اونٹنیاں دوں گا اور اگر وہ غالب آ گئے تو تم مجھے سو اونٹنیاں دو گے انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ انکو قرآن کریم کی پیشین گوئی پر پورا یقین تھا۔کفار یہ

کہتے تھے کہ قرآن جھوٹا ہے اور مسلمان یہ کہتے تھے کہ قرآن پاک نے جو پیشین گوئی کی ہے وہ سچ ہے اور صحیح ہے۔ اگر روم اور ایران کے درمیان معرکہ آرائی کی نوبت نہ آتی تو قرآن کا کیا ہوتا؟ یا روم اور ایران میں معرکہ آرائی ہوتی اور روم پھر شکست کھا جاتا تو کیا کوئی انسان قرآن پاک پر ایمان لاتا؟ اور کیا یہ دین اس لائق رہ جاتا کہ کوئی اس کی تصدیق کرے؟ پھر اگر یہ قرآن حضور ﷺ کا کلام ہوتا تو آپ کو کیا غرض پڑی تھی کہ اس طرح کی بات اور پیشین گوئی کر کے ایسا جوکھم مول لیں۔ جبکہ ایسا کسی کا مطالبہ بھی نہیں تھا۔ اور کیا اس مہم جوئی کی وجہ سے اسلام پر دشمنوں کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ملتا؟ جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا کہ کسی نے چیلنج کیا ہو یا کسی نے کوئی اور بات کہی ہو۔ لیکن ان باتوں میں سے کوئی بھی بات حضور نے نہیں کہی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تھی۔ اللہ کے لئے نہ زمانی حجاب ہے اور نہ مکانی۔ رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور عملاً ایرانیوں پر رومیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم نے پیشین گوئی کی تھی۔ اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے بعد نہ حضور اکرم ﷺ نے دعویٰ کیا کہ میں غیب داں ہوں اور نہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ غیب داں ہیں بلکہ تمام ہی نے یہی کہا کہ اس غیب کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے رسول کی دی ہے۔ اور اس معاملہ میں نہ حضور کے کسب کو دخل ہے اور نہ آپ کی ذاتی خصوصیت کو، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ.

(سورہ ہود:۵۹)

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، اس لئے آپ صبر کرتے رہئے (یقین مانیئے) کہ انجام کار پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے۔

اس طرح غیب کے تین موانع کی تفصیلات سے ہم اچھی طرح واقف ہوگئے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد.

خلاصۂ بحث:

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کو ایسا علم غیب نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اپنے کسبی علوم سے اس کا ادراک کرسکیں اور نہ اللہ کے خزانوں میں تصرف کی قوت انکو عطا کی گئی ہے اور نہ ذاتی صفت کے طور پر یہ چیزیں انبیاء کرام کو دی گئی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نبوت ورسالت کے ضمن میں بعض غیبی امور پر انبیاء کرام کو مطلع فرمادیتا ہے تاکہ ان چیزوں سے نبوت ورسالت کی تائید ہو۔ اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ذاتی قدرت سے تصرف اور علم غیب اللہ کے لئے خاص ہے اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ کا اپنی زندگی میں علم غیب اور اللہ کے خزانے میں تصرف کے دعویٰ سے برأت کا اظہار کرنا دعوائے الوہیت، اور ہر اس چیز سے جس کا تعلق الوہی صفات سے ہے، سے برأت کے اظہار کو مستلزم ہے۔ اور اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ دونوں امور کا تعلق صرف خدا کی ذات سے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے اور قدرت اور علم دونوں اللہ کی صفت ذاتی ہیں۔

لیکن مشرکین چونکہ الوہیت اور رسالت کی حقیقت سے ناواقف تھے، اس لئے وہ حضور اکرم ﷺ اور انبیاء کرام سے ایسے اعمال کی فرمائش کرتے تھے جس پر انبیاء کرام کو قدرت حاصل نہ تھی اور جس کا تعلق اسباب سے نہیں بلکہ ماورائے اسباب سے تھا، جیسے آسمان سے خزانہ نازل کرنا، مکہ مکرمہ میں چشمہ جاری کرنا اور مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دینا۔ اسی لئے مشرکین نے آپ سے قیامت کے وقت اور ان پر دنیوی عذاب کے نزول اور مسلمانوں کے کفار اور مشرکین کے خلاف مدد

کے بارے میں سوال کیا اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے غیبی امور کے بارے میں وقتاً فوقتاً سوالات کرتے رہے۔ اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے جن چیزوں کی فرمائش کی اس پر اللہ کے علاوہ کسی کو قدرت حاصل نہیں یہ مشرکین کی کم فہمی یا کج روی کی دلیل تھی اور یہی انکی گمراہی تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں توحید الوہیت، توحید ربوبیت، حقیقت رسالت، انبیاء کرام کی ذمہ داریاں اور عقائد واعمال پر جزا کے مفہوم اور دوسرے امور کو کھول کھول کر بیان فرمادیا ہے۔

پس جب قرآن، اللہ کے خزانوں میں تصرف اور علم غیب کی حضور اکرم ﷺ سے نفی کرتا ہے تو اولیاء وصالحین جو حضور اکرم ﷺ سے مقام ومرتبہ میں فروتر ہیں ان کے لئے ان امور کا ثابت کرنا بے بصیرتی اور قرآن وحدیث سے لاعلمی کی دلیل نہیں تو اور کیا ہوگی۔ جب انبیاء کرام زندگی کی حالت میں بھی لوگوں کے احوال وواقعات سے بے خبر ہوتے ہیں حتیٰ کہ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں جیسے منافقین، ان سے بھی بے خبر ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ	اور کچھ تمہارے گردوپیش والوں میں اور
مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا	کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ
عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ	نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں
نَعْلَمُهُمْ. (سورہ توبہ:۱۰۱)	جانتے ان کو ہم جانتے ہیں۔

تو پھر اولیاء صالحین جو اپنی قبروں میں مدفون ہیں اور مرچکے ہیں وہ اپنے مریدین، محبین اور چاہنے والوں کے احوال وواقعات سے کیسے باخبر ہوسکتے ہیں؟ اور جب باخبر نہیں ہوسکتے تو ان کی کیا مدد کرسکتے ہیں، ان سے مصیبتوں کو کیسے دور کرسکتے ہیں؟ ہم ان امور میں قرآن پاک کی تصدیق کرتے ہیں اور مخالفین کی تکذیب کرتے ہیں اور اخیر میں وہی بات کہتے ہیں جو بات ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمائی ہے:

عن مسروق عن عائشة رضی الله عنها قالت من حدثک أن محمد رأی ربّه فقد کذب وهویقول "لاتدرکه الأبصار" ومن حدثک أنه یعلم الغیب فقد کذب وهو یقول لایعلم الغیب اِلاّ اللّٰه.

(رواہ البخاری)

مسروق سے روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا کیوں کہ اللہ فرماتا ہے کہ اس کا آنکھیں ادراک نہیں کرسکتیں اور جو یہ کہے کہ حضور عالم الغیب تھے تو اس نے بھی جھوٹ بولا اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعاً فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

(سورہ مائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتلادے گا جو کچھ تم سب کرتے تھے۔

تیسری فصل

نفع ونقصان اور ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے رسولوں کے ہاتھ میں نہیں ہے اس کی مثالیں

پہلی مثال: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کا بیٹا۔ قرآن پاک میں اللہ کا پاک ارشاد ہے:

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ. قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ. قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ.

(سورہ ہود: ۴۵-۴۷)

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرے رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے، یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہئے۔ جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔ نوح نے کہا میرے پالنہار میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔

بہ طریقہ سوال و جواب ہم درج بالا آیات کی تشریح کریں گے۔

سوال نمبر (۱): اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں عمل کی بنیاد پر اجر عطا فرمائے گا حسب ونسب کی بنیاد پر، چاہے وہ انبیاء، رسولوں اور اولیاء صالحین کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور قومِ نوح کے افراد حضرت نوح سے اپنی قرابت و رشتہ داری کی وجہ سے نجات پائے یا صلاح اور ایمان کی وجہ سے، اور دین ونسب کے رابطوں میں بڑا اور مضبوط رابطہ کون سا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ لوگوں کو دنیا اور آخرت میں ان کے ایمان اور اعمال کی بنیاد پر اجر عطا فرمائے گا نہ کہ ان کے احساب وانساب کی بنیاد پر اور ان میں سے کسی کی پاسداری اس لئے نہیں کرے گا کہ وہ انبیاء وصالحین کی اولاد ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جو افراد طوفان نوح سے بچائے گئے، اس کا سبب انکا ایمان اور صلاح تھا نہ کہ رشتہ داری اور قرابت داری۔ اس لئے کہ اگر نجات قرابت کی بنیاد پر ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کو بھی نجات ملتی اور وہ غرق نہ ہوتا۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ. (سورہ ہود:۴۶)

وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں

اس لئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین کا رشتہ حسب ونسب پر بھاری ہوتا ہے، اس لئے کہ حضرت نوحؑ کے لڑکے نے اپنے والد کے دین کا اتباع نہ کر کے غیر صالح عمل کیا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لڑکے کی بابت سوال کیا تو اللہ تعالیٰ کو حضرت نوح کی یہ بات پسند نہ آئی۔ پس جو بات انبیاء کرام کے لئے ناجائز ہو، وہ اولیاء کے لئے کیسے جائز ہوجائے گی۔ حضرت نوحؑ جن کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے لڑکے کے بارے میں سوال کرنے سے روک رہا ہے تو پھر اولیاء صالحین اپنے مریدوں، پیروکاروں اور چاہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے کس طرح سوال کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر (۲): کیا انبیاء اور رسولوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے

متعلق، تقدیر اور اس کے افعال کے اسباب کے بارے میں پوچھیں یا اس میں مداخلت کریں؟ اور اولیاء وصالحین کی جبکہ وہ اپنی قبروں میں مدفون ہیں انبیاء کرام کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں کو اپنی مخلوق کے سلسلہ میں اس کے افعال کے اسباب کے متعلق پوچھنے سے منع فرمادیا ہے۔ جس کو اللہ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے اور اس کا علم اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا ہے اور اگر اس طرح کا سوال کسی نبی نے اللہ سے کیا تو فوراً اللہ نے استغفار کا حکم دیا اور یہ فہمائش کی کہ آئندہ اس قسم کے سوالات سے گریز کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ. (سورہ ہود:۴۶)

تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہئے۔ جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔

اس آیت کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس شخص سے بڑا جاہل، گمراہ اور افتراء پرداز کون ہوگا جو یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے اولیاء کرام اس کی مخلوق کے سلسلہ کے اسباب کے بارے میں پوچھتے ہیں اور معلوم ہوجانے کے بعد اس میں تبدیلی کی درخواست کرتے ہیں۔ مریدین اور پیروکاروں کی مرضی کے مطابق وہ چیز ان کو دے دیتے ہیں۔ یا وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ ان کی خاطر انکے چاہنے والوں کو فلاں شئی مرحمت فرمائیں، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے اور قرآن وسنت کے خلاف ہے بلکہ شریعت نے اس سے سختی سے روکا ہے۔ قرآن میں ارشادِ الٰہی ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ. (سورہ انبیاء:۲۳)

وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو اس قسم کے اختیارات تفویض نہیں کئے ہیں اور حضرت نوحؑ جب وہ زندہ تھے ان سے اس قسم کے سوال کو اللہ تعالیٰ نے جہل سے تعبیر کیا، ان کو استغفار کا حکم دیا اور اس کی تاکید کی کہ آئندہ اس قسم کے سوالات ہرگز نہ کریں اور پھر حضرت نوحؑ نے توبہ کی، مغفرت کے طلبگار ہوئے اور وہ اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی نجات کے سلسلہ میں اللہ سے سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا واستغفار کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَسۡئَلَکَ مَالَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَاِلَّا تَغۡفِرۡلِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ.	نوح نے کہا میرے پالنہار میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔
	(سورہ ہود: ۴۷)

پھر اس صراحت کے بعد بھی اولیاء وصالحین کے بارے میں مخالفین کے جو اعتراضات ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں!

سوال نمبر (۳): کیا انبیاء کرام اور اولیاء عظام ماننے والوں اور مخاطبین کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں اور کیا ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں پیروکاروں اور چاہنے والوں کو فائدہ پہنچا سکیں ان سے نقصانات کو دور کر سکیں یا انکے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کر سکیں یا سفارش کر سکیں؟

جواب: حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کا حال معلوم نہیں تھا اور نہ وہ بیٹے کے دل کی کیفیات سے واقف تھے بلکہ ظاہر حال سے ان کا یہ گمان تھا کہ میرا بیٹا بھی مسلمان ہے اسی لئے انہوں نے بیٹے سے کہا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافرین میں سے نہ بنو۔ قرآن پاک میں ہے:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَاتَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ. (سورہ ہود:۴۲)

اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ۔

پس بیٹے کا کفر، اس کا عمل اور اس کی نیت ساری چیزیں حضرت نوح علیہ السلام سے پوشیدہ تھیں آپ کا شمار اولوالعزم رسولوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ڈوبنے سے پہلے بیٹے کے حال اور اس کے انجام سے آپ بے خبر اور لاعلم ہیں۔ حضرت نوح کو بیٹے کا حال اس وقت معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اطلاع دی۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ. (سورہ ہود:۴۶)

وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں۔

یعنی تمہارے بیٹے کا تعلق تمہارے دینی اور مذہبی خاندان سے نہیں ہے اور اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ وہ غرق کر دیا جائے گا۔ صاحبِ عزیمت رسول جس پر دن رات وحی آتی ہے وہ ایسا عاجز ہے کہ اپنے لختِ جگر کے حال سے بے خبر ہے اور اس کو بچانے سے بے بس ہے اور اس کی بے کسی کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے لڑکے کی نجات کے سلسلہ میں اللہ سے سفارش بھی نہیں کرسکتا اور اس سلسلہ میں انہوں نے اللہ سے سوال کرلیا تو اللہ نے اس کو جہل سے تعبیر فرمایا استغفار کا حکم دیا اور آئندہ ایسی باتوں سے احتراز کی فہمائش کی۔ جب نبی کا یہ حال ہے تو قبروں میں مدفون اولیاء کرام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنے چاہنے والوں کی ضروریات پوری فرماتے ہیں۔ ان کے حالات وواقعات سے باخبر رہتے ہیں اور ان کے لئے اللہ سے سفارش کرتے ہیں۔ کہاں تک صحیح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے غلط عقائد سے ہماری حفاظت فرمائے۔

خلاصہ: خلاصۂ کلام یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور انبیاء کرام کو جب کہ وہ زندہ تھے۔ اس بات سے سختی کے ساتھ روک دیا کہ وہ اللہ سے سفارش کریں یا اپنے رشتہ داروں اور بچوں کے بارے میں اللہ سے سوال کریں تو پھر اللہ تعالیٰ اولیاء صالحین کو، جو

مقام ومرتبہ میں انبیاء سے فروتر ہیں، اس بات کی کیسے اجازت دے گا کہ وہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے چاہنے والے اور مریدین کے بارے میں سوال کریں ان کے لئے اللہ سے سفارش کریں اور دنیا وآخرت میں ان کی ضروریات کی تکمیل کریں؟

پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو چیز انبیاء کرام کے لئے جب وہ زندہ تھے جائز نہیں ہوسکتی اور جس سے اللہ نے انبیاء کرام کو سختی سے روکدیا، وہ اولیاء کرام کے لئے جبکہ وہ مرچکے ہیں، کیسے جائز ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھے راستہ کی ہدایت فرمائے۔

دوسری مثال: حضرت ابراہیم اور آپ کے والد۔

قرآن پاک میں ارشادِ الٰہی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.

(سورہ ممتحنہ:۴)

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔

اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم نے
بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع
کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

سوال نمبر (۱): اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس قسم کی اقتداء کا حکم دیا ہے اور کس چیز میں ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا کا حکم نہیں دیا ہے؟ اور حضرت ابراہیم جو نبی ہیں کیا اپنے والد کے سلسلہ میں کچھ کرنے کی قدرت وطاقت رکھتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اللہ کے خلیل ہیں اور جب وہ زندہ تھے وہ اپنے والد کے سلسلہ میں کچھ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، اور استغفار کے سلسلہ میں ان کی اقتداء سے روکا گیا ہے تو کیا صالحین کو جو اپنی قبروں میں مدفون ہیں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

جواب: اسکا جواب قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَه. (سورہ ممتحنہ :۴)

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔

یعنی اے مسلمانو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اللہ کے دوسرے انبیاء کرام تمہارے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں اور چاہئے کہ تم ان کی اقتداء کرو، اس لئے کہ وہ تم کو خدا کی عبادت کا طریقہ بتلاتے ہیں اور ایک خدا کی پرستش کا حکم دیتے ہیں لیکن ایک معاملہ ایسا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے لئے اسوہ اور نمونہ نہیں ہیں۔ جس کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے:

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ. (سورہ ممتحنہ :۴)

لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا۔

اور حضرت ابراہیم اپنے والد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی مرضی کے مطابق کچھ کرنے کے مجاز اور مالک نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا لیکن جب بذریعہ وحی ان کو بتلا دیا گیا کہ ان کی وفات کفر پر ہوگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امید ختم ہوگئی انہوں نے استغفار کا سلسلہ بند کر دیا اور اپنے والد سے برأت کا اظہار کرنے لگے۔ جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ.

(سورہ توبہ:۱۱۴)

اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے، واقعی ابراہیم (علیہ السلام بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

حضرت ابراہیم جو خدا کے رسول ہیں انکے سامنے ان کے والد کی وفات کفر پر ہو رہی ہے پھر بھی حضرت ابراہیم بے بس ہیں۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اپنے بیٹے، باپ اور قریب ترین رشتہ داروں کے سلسلہ میں انبیاء کرام جب کہ وہ زندہ ہیں، بے بس ہیں نہ انکو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی مصیبت دور کر سکتے ہیں۔ پس وہ اللہ کے نیک بندے جو مر چکے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں مدفون ہیں کس طرح اپنے چاہنے والوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں یا ان سے مصیبت کو دور کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے سلسلہ میں اپنی بے بسی اور عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے:

میں ہے:

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ. وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

(سورہ شعراء:۷۹)

یعنی وہ اللہ مجھے کھانا کھلاتا ہے اور وہی اللہ مجھے پانی پلاتا ہے یعنی ہمہ اقسام کے رزق وہی دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم برملا اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اللہ ہی رزق دیتا ہے اور میرے (حضرت ابراہیم) یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں رزق نہیں ہے۔ اے اللہ کے بندو! حضرت ابراہیم کی اقتداء کرو اور جس طرح حضرت ابراہیم بلا واسطہ خدا سے مانگتے تھے اسی طرح تم بھی بلا واسطہ خدا سے مانگو۔ اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ۔ اسی کو رزاق سمجھو اور در در کی خاک چھاننے کے بجائے ایک در خداوندی کو مضبوطی سے تھام لو، اس در کو تھامنے والا ہر زمانہ میں کامیاب رہے گا اور آئندہ بھی کامیاب رہے گا۔ ایک در چھوٹا تو ہر در کی خاک چھاننا ہمارا مقدر بن گیا ہے۔ ہوش میں آؤ، توبہ کرو اور کارساز حقیقی کو اپنے تمام درد کا درماں بنالو، درد اور درماں صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں جس کو قرآن نے نقل کیا ہے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ. اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

(سورہ شعراء:۸۰)

یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں اور میری صحت خراب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے، اس لئے کہ شفاء صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے میرے ہاتھ میں نہیں، اور جب مجھ میں اپنی ذات کو شفاء دینے کی طاقت اور قدرت نہیں ہے تو دوسروں کی بیماری کو کیسے ٹھیک کر سکتا ہوں۔ اس صراحت کے بعد بھی مخالفین یہ سمجھتے ہیں کہ اولیاء اور صالحین (جبکہ وہ اپنی قبروں میں مدفون ہیں) کے ہاتھ میں بیماری کو ٹھیک کرنا ہے اس فہم و منطق پر سوائے ماتم کے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں جو قرآن پاک

نے یوں نقل کیا ہے:

وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۔

اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔

(سورہ شعراء:۸۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ اللہ قیامت کے دن میری لغزشوں کو معاف فرمائے گا۔ یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لئے فرمارہے ہیں کہ گناہوں اور لغزشوں کو معاف کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے بخشد یتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے سب کچھ اس کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اس کی مشیت اور ارادہ میں نہ کوئی نبی دخل دے سکتا ہے اور نہ کوئی ولی، بزرگ یا کوئی اور۔ اللہ کی قضاء وقدر میں کسی کی مجال نہیں ہے کہ کسی قسم کی کوئی تبدیلی لا سکے۔

اللہ کا قرآن میں پاک میں ارشاد ہے:

مَالَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَداً.

سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(سورہ کہف:۲۶)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان تمام صراحتوں کے باوجود بھی آج ہم بہت سارے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہدایت، رزق، شفاء اور گناہوں کی بخشش اللہ کو چھوڑ کر اولیاء اور صالحین سے مانگتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا تو کھلم کھلا یہ اعتراف ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور ہمارا یہ اصرار ہے کہ یہ سب کچھ اولیاء کے ہاتھ میں ہے، گویا جو کام انبیاء انجام نہیں دے سکتے ان لوگوں کی نظر میں وہ کام بحسن وخوبی اولیاء انجام دے سکتے ہیں۔ یہ عجیب منطق ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

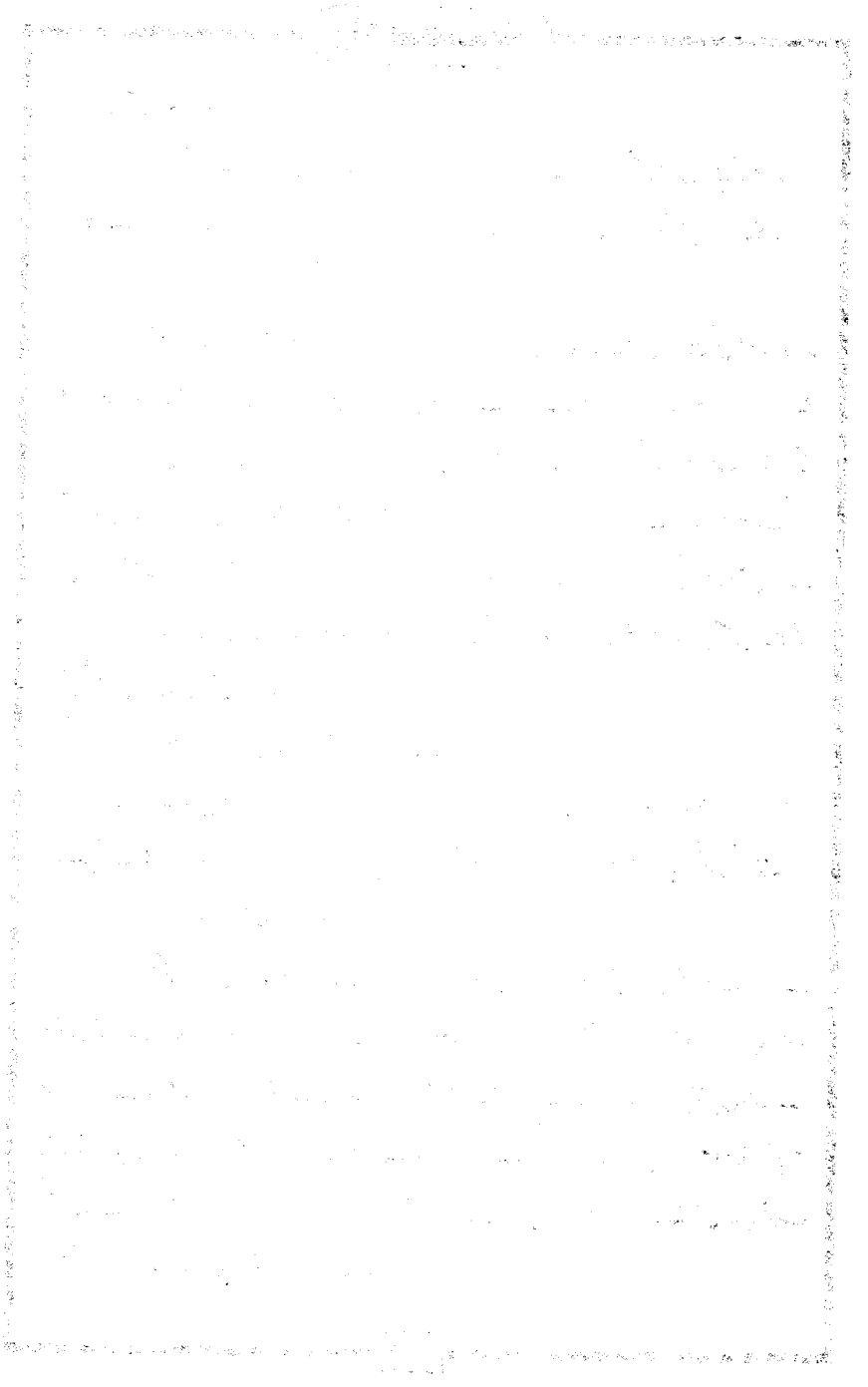

کے رسول ہیں ان کو کیا معلوم کہ کس کس کی تقدیر میں ہدایت لکھی ہے اور کس کس کے مقدر میں ہدایت سے محرومی ہے، کون مقربِ بارگاہ ہے اور کون راندۂ درگاہ۔ ہاں ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو چونکہ ابوطالب سے بے حد محبت تھی اور فراق کا غم بھی، اسلئے حضورؐ نے ابوطالب کی وفات کے بعد اللہ سے مغفرت طلب کی لیکن ان کی مغفرت نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ابوطالب کے لئے استغفار سے منع فرمادیا۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى. (سورہ توبہ:۱۱۳)	پیغمبر کو اور دوسروں مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔

ابوطالب کی حضورؐ سے محبت اور حضورؐ کی ابوطالب سے محبت اللہ کے سامنے کچھ کام نہ آئی۔ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل انسان کے استغفار نے ابوطالب کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا اور حضور اکرم ﷺ کی دعا ان کے لئے آگ سے گلوخلاصی کا ذریعہ نہیں بن سکی۔ تو کیا اس سے یہ حقیقت عیاں نہیں ہوتی ہے کہ ہدایت، اور نفع ونقصان رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اپنے محبوب اور اعزہ کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ کچھ نہیں کرسکتے بلکہ یہ ساری چیزیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ اولیاء جو مرچکے ہیں اور اپنی قبروں میں مدفون ہیں، نفع ونقصان کے مالک ہوتے ہیں، اپنے چاہنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور ان سے بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرتے ہیں۔ تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ ع

بہ ایں عقل ودانش بہ باید گریست (اس عقل وفہم پر رونا چاہئے)

سیدالانبیاء اور اشرف البشر اپنے اعزہ اور اہل خاندان سے فرمارہے ہیں:

يا معشر قريش اشتروا أنفسكم من اللّٰه فإنيّ لا أغنى عنكم من اللّٰه شيئاً ، يا بنى عبدالمطلب لا أغنى عنكم من اللّٰه شيئاً، يا عباس بن عبدالمطلب لاأغنى عنك من اللّٰه شيئاً ، يا صفية عمة رسول اللّٰه لاأغنى عنك من اللّٰه شيئاً ، يا فاطمة بنت رسول اللّٰه سليني من مالى ما شئت لاأغنى عنك من اللّٰه شيئاً .
(بخاری، مسلم شریف، ترمذی شریف)

اے جماعت قریش! اپنے آپ کو اللہ سے فروخت کرو میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے عبدالمطلب کی اولاد! میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے عباس بن مطلب میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا، اے صفیہ اللہ کے رسول کی پھوپھی میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ! رسول اللہ کی چہیتی بیٹی مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو مانگو لیکن اللہ کے مقابلہ میں میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

قرآن پاک اور حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں نہ ہدایت ہے نہ نفع نہ نقصان، مگر مخالفین اولیاء کرام کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں پس ہم اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور صریح نصوص کے مخالفین کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابنِ عباس سے فرمایا:

اذا سألت فاسأل اللّٰه و اذا استعنت فاستعن باللّٰه.

جب مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(ترمذی شریف)

اگر رسول سے سوال کرنا جائز ہوتا تو اللہ کے رسولؐ سوال اور استعانت کو صرف اللہ

اور حدیث قدسی میں ہے:

من یدعونی فاستجیب له من یسألنی فاعطیه من یستغفرنی فاغفرله. (مسلم شریف)

کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اس کی مانگ پوری کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اسے دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔

قرآن پاک کی صریح آیات اور صحیح احادیث کی وضاحت کے بعد ہمارے لئے کسی بھی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ دین میں ایسی بات داخل کریں جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو اور محبت رسول اور محبت اولیاء کے نام پر غیر شرعی امور انجام دیں، بلکہ حضور اکرم ﷺ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں اور ان کی سنتوں کو زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ جو شخص بھی حضورؐ کی سنتوں پر عمل کرے گا تو اس کو اس عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اور حضور اکرم ﷺ کو بھی اس کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من سن سنة حسنة فله ثوابها وثواب من عمل بها الی یوم القیامة. (مسلم شریف)

جو اچھی سنت کی بنیاد ڈالے گا تو قیامت تک اس کو اس کا ثواب ملے گا، اور اس پر عمل کرنے والے کا بھی۔

جس شخص کو حضور اکرم ﷺ سے واقعی محبت ہوگی وہ حضور اکرم ﷺ کی اتباع اور آپ کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام کر حضور اکرم ﷺ کے ثواب میں اضافہ اور تسلسل کا ذریعہ بنے گا اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنی خواہشات کو حضور اکرم ﷺ کی شریعت کے تابع کردیں اور حضور اکرم ﷺ کے قول کے خلاف جو بھی قول ہو اس کو چھوڑ دیں۔ پس جو شخص حضورؐ کے اس قول ''جب مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد طلب کرو تو صرف

اللہ سے مدد طلب کرو۔'' پر عمل کرے گا وہ حضورؐ کے ساتھ ہوگا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

المرءُ مع من احب.

(بخاری، مسلم، احمد)

آدمی اس کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت رکھے گا۔

اور جو شخص حضور اکرم ﷺ کے حکم کی مخالفت کرے گا اس کا حال اس شخص کی طرح ہوگا جس کے بارے میں اللہ کا پاک ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً. يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَاناً خَلِيْلاً. لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلاً.

(سورہ فرقان: ۲۹-۲۷)

اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش! کہ میں نے رسول ﷺ کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی، اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔

سبيل النجاة

تاليف

جناح مبارك بن عقيل بن ماضى

ترجمه إلى الأردية

الدكتور محمد صدر الحسن الندوى المدنى

Printng By : Chintamani Printing Press, Aurangabad. Ph. 321818

مطبعةايشين كمپيوتر(سلجد كاتب)اورنك آباد هاتف:٣٦٣٧٦٥